مضمون نویسی ... میں شریک

... مدارس کے طلبا و طالبات کے

...ارک مضامین

وزارتِ مذہبی امور و اقلیتی امور

مقابلۂ مضمون نویسی سنہ ۸۶ء میں شریک
یونیورسٹی / دینی مدارس کے طلبا و طالبات کے

معیاری مضامین

شعبۂ تحقیق و مراجع

وزارتِ مذہبی امور و اقلیتی امور۔ اسلام آباد

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ایک اسلامی ریاست میں تعلیم کا بنیادی اور حقیقی مقصد، طلبہ کی دینی اور قومی روح کی تربیت اور ان کے اخلاق کی صحیح تعمیر ہے۔ تاکہ وہ فرائض بطریق احسن ادا ہوں جن کے لئے انسان کی تخلیق کی گئی ہے۔

اس وقت جبکہ ہمارے معاشرے میں اسلامی تعلیمات سے دُوری بڑھتی جا رہی ہے جہاں ہر فرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے کردار اور ارد گرد کے ماحول کے اصلاح کی فکر کرے۔ وہاں اسلامی مملکت ہونے کے ناطے سے یہ ہمارا قومی فریضہ ہے کہ درس گاہوں کے ماحول کو بھی ایسا بنایا جائے جس سے وہ صحیح اسلامی تشخص کی عکاسی کرتا ہوا دکھائی دے۔ نیز وہاں کی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کو دینی و وطنی جذبات سے آراستہ ایسے خطوط پر استوار کیا جائے کہ ان درسگاہوں سے رفتہ رفتہ ایسے افراد کی تخلیق ہو جو صحیح شخصی، انسانی اور قومی اخلاق و فضائل کے حامل ہوں۔

طلبہ کے ملی اور دینی شعور کو اجاگر کرنے اور اسے جلا دینے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کے لئے قرآن کریم سیرت النبی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور دیگر اسلامی موضوعات پر لکھنے پڑھنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں اور انہیں یہ سوچنے پر آمادہ کیا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قولی و عملی ہدایات کی روشنی میں عصر حاضر کے تقاضوں کو کیسے پورا کیا جا سکتا ہے نیز ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں ایسے بامقصد لٹریچر کو مطالعے اور اس میں غور و خوض کا شوق دلایا جائے، جو قومی اور ملی حیات کے تقاضوں کو پورا کرنے میں ان کے لئے مہمیز ثابت ہو۔

اسی مقصد کے حصول کے لئے امسال وزارت مذہبی امور کی طرف سے ملکی سطح پر طلبہ و طالبات کے مابین اسلامی موضوعات پر مقابلہ مضمون نویسی کا اہتمام کیا گیا جس میں ملک بھر سے یونیورسٹیز/ دینی مدارس، کالجز اور سکولز کے طلباء و طالبات کی کثیر تعداد نے حصہ لیا۔ منصفین کے فیصلے کے مطابق

یونیورسٹی / دینی مدارس، کالج اور سکول کی سطح پر مندرجہ ذیل طلباء و طالبات کے مضامین اول، دوم اور سوم انعام کے مستحق قرار پائے۔

ا:- یونیورسٹی / دینی مدارس کی سطح پر

اول - خواجہ سردار علی، سال سوم
شعبہ فارمیسی، جامعہ پشاور۔

دوم - شاہ محی الدین ہاشمی، سال ہفتم
جامعہ اشرفیہ لاہور۔

سوم - عبدالماجد،
ایم ایس سی، سال اول)
شعبہ کیمیا گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد۔

ب:- کالج کی سطح پر۔

اول - راجہ محمد اشتیاق علی خان، فرسٹ ایئر
(پری انجینئرنگ)، گورنمنٹ کالج مظفرآباد

دوم - رئیس احمد ہاشمی، بی ایس سی (فائینل)
گورنمنٹ دیال سنگھ کالج لاہور۔

سوم - مس سارہ صبا، انٹر سائینس۔
مہران گرلز کالج فیڈرل بی ایریا کراچی۔

ج:- سکول کی سطح پر

اول - محمد رضا المصطفٰی قادری، جماعت ہفتم،
گورنمنٹ بلدیہ بوائز سکنڈری سکول سی - ۱
لانڈھی کالونی کراچی - ۳۰

دوم - محمد اسحاق ولد غلام قادر نہم بی

گورنمنٹ ہائی سکول بھیر کنڈ مانسہرہ، ہزارہ

سوم۔ عرفان علی خان ولد شرافت خان،

جماعت ہشتم، ہائی سکول روہڑی، سیمنٹ ورکس

روہڑی، ضلع سکھر (سندھ)

وزارت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر سطح پر اول، دوم اور سوم آنے والے طلباء و طالبات کو نقد انعامات اور تعریفی اسناد دی جائیں۔ نیز انعام یافتہ و دیگر معیاری مضامین کو عمومی افادہ کے لئے کتابی صورت میں طبع کرا کے تقسیم کیا جائے۔ جملہ انعام یافتہ مضامین علیحدہ طور پر کتابی صورت میں شائع کئے گئے ہیں جبکہ زیر نظر کتاب یونیورسٹی/دینی مدارس کے طلباء و طالبات کے تحریر کردہ ایسے معیاری مضامین پر مشتمل ہے جو مقابلہ مضمون نویسی ۱۹۸۶ء کے لئے وزارت کو موصول ہوئے تھے۔

امید ہے کہ ہماری یہ کاوش جہاں طلباء و طالبات میں اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کا شوق بڑھائے گی۔ وہاں انہیں اپنی سیرت و کردار کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی طرف متوجہ بھی کرے گی۔

السعی منا والاتمام من اللہ تعالٰی۔

(محمد یوسف)
سیکرٹری
وزارت مذہبی امور و اقلیتی امور
حکومت پاکستان
اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے۔

محمد ہاشم قریشی چانڈ کا میڈیکل کالج' لاڑکانہ۔

سب سے پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ اس عنوان کا صحیح مفہوم کیا ہے اور کیا ہونا چاہیئے مفہوم واضح ہو جانے کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ آیا اسلام اور جدید سائنسی ترقی باہم متخالف تو نہیں۔ کیا وہ موجودہ مادی ترقی کا حامی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر کیا اسلام ترقی میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بعدازاں ہم یہ مطالعہ کریں گے کہ عصر حاضر میں انسان کے حقیقی تقاضے کیا ہیں؟ انسانیت کس شے کی طالب ہے اور یہ کہ اسلام اس پُر آشوب دور میں انسان کے کس کام آسکتا ہے اور کیونکر موجودہ انسان کے تقاضوں کو حل کرتا ہے؟

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے ——— صحیح مفہوم

اگر اس عنوان پر اک عامیانہ اور طائرانہ سی نظر دوڑائی جائے تو ابتداءً یہ مفہوم ذہن میں ابھر کر سامنے آتا ہے کہ کیا اسلام آج کے اس ایٹمی دور کے جدید تقاضوں پر پورا اترتا ہے یا نہیں؟ اسلام کو عہد حاضر کے پرفریب غیر فطری تقاضوں کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام موم کا ایک ایسا گولہ بن جائے کہ جس سے ہر قسم کی من پسند مورتی بنالی جائے اور جس سانچے میں ڈالا جائے اسی میں ڈھل جائے۔ اسلام کا یہ مفہوم ان نفس پرست، عقل پرست مغرب زدہ اصحاب میں سرطان کی طرح پھیلتا جا رہا ہے جو اتفاق سے کچھ کچھ اسلام زدہ بھی ہیں۔ یہ اصحاب چاہتے ہیں کہ رحمٰن بھی خوش ہو جائے اور شیطان بھی۔ اگر اسلام کا یہی مفہوم اخذ کر لیا جائے تو اس سے بڑھ کر حماقت، ضلالت، ظلم و دھوکہ نہیں ہو سکتا دین اسلام کو اس دھوکہ سے کوئی گزند تک نہیں پہنچ سکتی بلکہ:-

وَمَا يَخْدَعُونَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ (بقرہ: 2) اور نہیں دھوکہ دیتے ہیں مگر اپنے نفس کو۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

لیکن اگر اس عنوان پر بنظر غائر غور و فکر کیا جائے اور اخلاص و حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے سوچ بچار کی جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلام ایک حقیقت ہے۔ ایک عالمگیر سچائی ہے (Universal truth) ہے۔ یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ حقیقت ہمیشہ ایک ہوتی ہے اور ایک ہی رہتی ہے۔ اس کا رنگ و روپ ایک ہی ہوتا ہے کبھی تبدیل نہیں ہوتا اس کی فطرت ازل سے ابد تک یکساں رہتی ہے۔ ہر دور میں ہر علاقہ میں اپنی اصل اور اٹل صورت میں میدان میں آتی ہے۔ زمانہ میں تغیّر و تبدل اور مدّ و جزر رونما ہوتے رہتے ہیں، معیارات و رجحانات بدل جاتے ہیں لیکن اس کا معیار برقرار رہتا ہے۔ پس اسلام اس کسوٹی پر بالکل ٹھیک ٹھیک پورا اترتا ہے۔ اسلام ایک ایسا برحق دین ہے کہ جس کے اصول از آدم تا ایں دَم ایک ہی رہے ہیں۔ اس نے ہمیشہ ایک ہی دعوی کیا ہے کہ خدا ایک ہے اور باقی تمام اِلٰہ باطل ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

اس مختصر سی بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام ایک ناقابل انکار اٹل حقیقت ہے اس سے دوری اور اس کا انکار خود انسان کے لئے موجب تباہی ہو گا۔ اس انکار سے اسلام کی سچائی اور اس کی بقا پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ کیا بھلا کوئی شخص صحت کے اصولوں پر عمل نہ کریگا تو یہ اصول غلط قرار پائیں گے۔ ایسا شخص خود نقصان اٹھائے گا اور بیمار پڑ جائے گا۔

اس وضاحت کے حوالہ سے ہم یہ دیکھیں گے کہ "اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے" کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ چونکہ اسلام ایک مصدّقہ اور مسلّمہ سچائی ہے لہٰذا انسانیت کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اس دین حق کا راستہ اختیار کرے۔ فرمان رسالت ہے:۔

فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ۔ پس بیشک بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راستہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے جو لوگ اس راہ کو اپناتے ہیں وہ اس ارشاد ربانی کے مصداق بن جاتے ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں) لیکن جو لوگ اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور غلط راہ اختیار کرتے ہیں ایسے لوگ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (اور یہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں)۔

جو لوگ اس حقیقی طریق زندگی کو اپناتے ہیں وہ اپنی تمام خواہشات اور تن من دھن کو تج کر کے فقط اسلام کی مرضی کے مطابق متعین ڈگر پر رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر دنیا اپنے

تئیں مقرر کردہ اصولی سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے تو اسے مُنہ کی کھانا پڑتی ہے بلکہ خود دنیا ان کی راہ چلنے پر مجبور ہو جاتی ہے ؎

ہم کو مٹا دے زمانے میں یہ دم نہیں
زمانہ خود ہم سے ہے زمانہ سے ہم نہیں

اللہ تعالےٰ انسان پر شیطان کی ملمع کاری کو مٹا کر اسے اپنے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔ اور حقیقتاً یہی وہ رنگ ہے جو کسی پر ایک مرتبہ چڑھ جائے تو اُترتا نہیں ؛۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرہ : ۱۳۸)

اللہ کا رنگ ، اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے ۔

اور یہی وہ رنگ ہے جو ایسے لوگوں کو اس صف میں لا کھڑا کرتا ہے کہ جن پر :۔
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ. انعام فرمایا ہے اللہ نے انبیاء پر اور صدیقین وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء : ۶۹) پر اور شہداء پر اور صالحین پر اس تشریح سے یہ بات عیاں ہے کہ چونکہ اسلام ایک سچا طریقِ زندگی ہے اس لئے اس کے مقرر کردہ اصولوں اور متعین کردہ دائرہ میں رہتے ہوئے عصرِ حاضر کے تقاضوں کو بآسانی اور اطمینان بخش طور پر حل کیا جاسکتا ہے۔ نت نئے معاشرتی ، سماجی ، تعلیمی ، اخلاقی ، سیاسی غرض یہ کہ ہر قسم کے مسائل کو بحسن و یا جاسکتا ہے ، ہر وہ اصول ، فلسفہ ، نظریہ ، مسئلہ و تقاضا وغیرہ جو اسلامی شریعت و احکام سے متصادم ہو اسے نیست و نابود کر دیا جائے ۔ یا پھر اسے اسلامی تعلیمات کی کسوٹی پر پرکھ کر شرعی اصولوں کے سانچے میں ڈھال دیا جائے ۔ یہی اس عنوان کا صحیح مفہوم ہے اور یہی مفہوم ہونا چاہیے ۔

اسلام اور سائنسی انقلاب :۔

اسلامی تعلیمات کو وسیع معنوں میں دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے ۔ ایک حصہ وہ ہے جو توحید و رسالت ، ملائکہ و آخرت اور جبر و قدر پر مشتمل ہے ۔ اسکے ساتھ ساتھ اخلاقیات ، سماجیات ، سیاسیات اور معاشیات وغیرہ کی تعلیمات بھی ان عقائد کا لازمی جزو لاینفک ہیں اور یہ از خود مومن بندوں میں ان عقائد کی پختگی کے ساتھ ساتھ پرورش پاتی ہیں ۔ یہی وہ حصہ ہے جو ہر دور میں دنیا کے ہر خطہ کے مختلف المزاج و شکل کے انسانوں کے لئے اصول و احکام یکساں طور پر رکھتا ہے ۔

علوم شرعیہ واعتقادیہ ہمیشہ ایک ہی رہے ہیں ان میں اب کسی بھی قسم کی ترمیم یا کمی بیشی کی گنجائش ہی موجود نہیں۔ ہمارے اس مضمون کا تعلق بھی اسی حصہ سے ہے اور بعد میں اس حصہ کے حوالہ سے تفصیلی بحث ہوگی۔

اسلامی تعلیمات کا دوسرا حصہ اختیاریہ ہے یعنی تاریخی و علمی حقائق۔ مثلاً طبیعاتی، حیاتیاتی، نفسیاتی، کائناتی اور ریاضیاتی حقائق وغیرہ۔ امتدادِ زمانہ کے سائنسی علمی و فنی تحقیق کے اکتشافات نے ان حقائق کی قدروں کو وسیع کر دیا ہے اور آئندہ کے لئے بھی ان علوم و حقائق کی اقدار وسیع تر ہوگئی ہیں۔ اس لئے ان امور سے متعلق آیات کی تشریح اس زمانے کی علمی سطح کیمطابق ہوتی ہے۔ جوں جوں ان اعمال وافعال میں فطرت کائنات کا مشاہدہ وسیع ہوتا جائیگا۔ قرآن کی آیات زیادہ واضح اور متشرع ہوتی جائیں گی۔ ڈاکٹر موریس بوکائیے اپنی فرانسیسی کتاب" لابائیبل لے کوران اے لاسائنس" (اردو ترجمہ" بائیبل، قرآن، سائنس" مترجم ثناء الحق صدیقی) میں لکھتے ہیں کہ:۔

یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جدید دنیوی علوم نے قرآن کریم کی ان بعض آیات کو اچھی طرح سمجھنے میں مدد دی ہے جو اس سے پہلے اگر ناقابلِ فہم نہیں تھیں تو معمہ ضرور بنی ہوئی تھیں .... شروع ہی سے اسلام نے لوگوں کو حصولِ علم کی ترغیب دی ہے اور اس کا نتیجہ یہ رہا ہے کہ اسلامی تمدن کے دورِ عروج میں سائنس نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ جس سے نشاۃ الثانیہ سے قبل خود مغرب نے بھی استفادہ کیا ہے۔ موجودہ سائنسی معلومات نے قرآن کی آیات پر جو روشنی ڈالی ہے اس سے صحیفوں اور سائنس کے درمیان مقابلہ کے لئے فہم وادراک کی ایک نئی راہ نکل آئی ہے۔ پہلے یہ آیتیں اس معلومات کے عدم حصول کی بنا پر مبہم تھیں لیکن اب یہ معلومات ان کی توضیح و تشریح میں ممد و معاون ہوسکتی ہیں"۔

ڈاکٹر موریس بوکائیے ابتدا میں انتہاپسند عیسائی تھے لیکن بعد میں اسلام کی حقانیت اور آفاقیت سے متاثر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کے مذکورہ بالا الفاظ سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اسلام سائنسی و دیگر علوم کا نہ صرف حامی ہے بلکہ ان کے حصول کے لئے ترغیب بھی دیتا ہے اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اسلامی دورِ عروج میں سائنس کی حیران کن ترقی ہوئی۔ صدیوں سے بعض قرآنی آیات انسانوں کے لئے معمہ تھیں۔ ان کی تشریح و تعبیر وہ لوگ اپنی علمی اور ذہنی استعداد کے مطابق کیا کرتے تھے لیکن غیر اطمینان بخش۔ عہد جدید کی سائنسی تحقیقات نے یہ خواب شرمندہ تعبیر کر دیا اور بہت سی آیات کی تعبیر و توضیح اطمینان بخش طریقے پر کردی۔ آج کی جدید اکتشافات چودہ سو سال قبل نازل شدہ آیات میں موجود حقائق سے کلی مطابقت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر موریس بوکائیے اسی

کتاب کی ابتدا میں کہتے ہیں کہ:۔

"جب میں نے گہری نظر سے عربی زبان میں اس کے (یعنی قرآن کے) متن کا مطالعہ کیا اور ایک فہرست تیار کی تو مجھے اس کام کو مکمل کرنے کے بعد اس شہادت کا اقرار کرنا پڑا جو میرے سامنے تھی۔ قرآن میں ایک بھی بیان ایسا نہ ملا جس پر جدید سائنس کے نقطہ نظر سے حرف گیری کی جاسکے"

اسلام ایک ترقی پسند دین ہے۔ دور حاضر کا یہ ایک کلیا اور مسلمہ اصول ہے کہ کسی بھی ملک و قوم کی ترقی کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ لوگ علم کے سمندر میں غوطہ زن ہوں اسلام نے اپنے پیروکاروں پر یہ لازم کردیا ہے کہ:۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ

ماں کی گود سے لیکر قبر تک علم حاصل کرو۔

ایک اور جگہ حکم دیا ہے کہ علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے۔

اقوال رسالت صلے اللہ علیہ وسلم سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو دین اپنے پیروکاروں پر حصول علم کے لئے اتنا بھرپور زور دے وہ کسقدر ترقی پسند، علم دوست اور انسانی فلاح و بہبود کا خواہاں ہوگا۔

آج کے دور میں وہی قومیں ترقی یافتہ، خوشحال اور سپر پاور (Super Power) کہلاتی ہیں جو سائنسی و فنی علوم پر گرفت و مہارت رکھتی ہیں۔ تمام سائنسدان اس بات پر متفق ہیں کہ مطالعہ فطرت اور مشاہدہ کائنات سائنسی رویہ پیدا کرنے کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ اور سائنسی رویہ کسی بھی سائنسی علم میں مہارت حاصل کرنے کی بھرپور تعلیم و ترغیب دی ہے پورا قرآن ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے جن میں عقل و حواس سے پورا پورا کام لینے اور غور و فکر کی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ بروئے کار لاکر مشاہدہ فطرت کی تاکید پائی جاتی ہے۔ مثلاً

وَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (عنکبوت) مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ (الملک) وَانْظُرُوْا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (یونس)۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ

الْجِبَالِ جُدَدٌ ۢ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۗ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ ط

اِن پانچ آیات میں اللہ تعالےٰ آسمان وزمین کی پیدائش (تخلیق کائنات) پر تدبر کی دعوت دیتے ہیں اس کے علاوہ کائنات میں موجود مختلف اشیاء کے مشاہدہ کا بھی حکم دیتے ہیں۔ یہ اشیاء مختلف سائنسی علمی شعبوں سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً:۔

موسمیات (Meteorology) طبعیات (Physics) کیمیا (Chemistry)
نباتات (Botany) طبقات الارض (Geology) علم الجبال (Petrology)
علم الانسان (Anthropology) اور علم الحیوانات (Zoology) وغیرہ۔

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ان کا مطالعہ وہی علمی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے اوران کا مطالعہ اسے مزید بڑھاتا ہے ہمایوں کبیر اپنی کتاب "سائنس، جمہوریت اور اسلام" میں کہتے ہیں:۔

"ایک خدا کا مطلب ہے ایک کائنات اور ایک قانون۔ الوہیت کی توحید میں پختہ ایمان ہی کے باعث ایسے حالات پیدا ہوئے جن میں سائنس کا ابھرآنا ممکن ہوسکا۔ غرض اللہ کی وحدت پر دین اسلام کے اصرار نے ہی سائنسی انداز فکر کی بنیاد رکھی"

مختصراً یہ کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو کائنات میں مرکزی حیثیت دے رکھی ہے اور دنیا کی تمام چیزیں اس کے لئے پیدا کی ہیں، وہ سب کی سب اس کے لئے مسخر ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ وہ ان کو اپنے کام میں لائے۔ قرآن کی تعلیمات سائنسی اندازِ فکر کو ابھارتی ہیں اور یہ انداز ان ذہنی رویّوں سے تشکیل پاتا ہے جو قرآنی تعلیمات کی اساس پر قائم ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک انتہائی سازگار معاشرتی فضا پیدا ہوتی ہے جس میں سائنس عبادت ہی کی ایک شکل قرار پاتی ہے۔ لہذا جو شخص بھی سائنس کو ایک عبادت کا درجہ دیکر اپنائے گا۔ صرف وہی مسلمان سائنسدان کہلائیگا

اسلام ان تعلیمات کے ذریعے انسان کو بام عروج پر پہنچا دیتا ہے۔ ان تعلیمات میں وحدانیت کے تصور نے انسانی قوت وشوکت کا رخ ہمیشہ تعمیری ومثبت ہی رکھا ہے اور کبھی منفی رجحان کو پرورش پانے کا موقع ہی نہ ملا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی دورِ عروج میں جب مختلف علوم وفنون کی طرح سائنس کے قافلے کی سربراہی بھی مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی تو تب بھی اس کی روح خدا

پرستانہ تھی۔ لیکن جب یہ قیادت اہل مغرب کے سپرد ہوئی تو :۔

"اس میں ملحدانہ فلسفہ حلول کر گیا۔ بے خدا کائنات اور حیوانی تصور انسانیت اور افادی نظریۂ اخلاق کے زیر اثر سائنس نے انسان کو جتنی سہولتیں دی ہیں ان سے زیادہ ہی آفات اور پریشانیاں پیدا کر دی ہیں۔ جدید سائنس کا پیدا کردہ ایک روگ وہ "نشۂ قوت" ہے جس نے انسانوں میں ایک طرف کچھ ادعائے خداوندی ابھار دیا ہے اور دوسری طرف محبت انسانیت اور خدمت انسانیت کی جگہ ان میں دوسروں کے لئے درندگی پیدا کر دی ہے۔ جرائم تفتیش، حکومتوں کی طرف سے سزائے جرم، اختلافات، سازشیں، تشدد آمیز سیاست اور جنگ و تصادم کے دائروں میں نہایت سنگین مظالم جتنے بڑے پیمانے پر انسان کے ہاتھوں انسان آج بھگت رہا ہے اس کی مثال قرون مظلمہ میں بھی نہیں ملتی۔

اب اصل کام کرنے کا یہ ہے کہ اس مادہ پرستانہ اور ملحدانہ مزاج کے خلاف فکری جنگ کی جائے۔ جسے مغرب نے سائنس کی روح بنا دیا ہے۔" (سیارہ ڈائجسٹ۔ قرآن نمبر جلد سوم)

انسان اور انسانیت کو بچاؤ ـــــــ آج کا تقاضا۔

سائنسی و فنی علوم نے جو محیرّ العقل ترقی کی ہے اس نے عہد حاضر کے انسان کی زندگی یکسر تبدیل کر دی ہے۔ ملحدانہ فلسفوں اور نظریات، جو خود جدید ترقی یافتہ دور کی پیداوار ہیں، نے موجودہ انسان کی اخلاقی، ذہنی سماجی، معاشی اور سیاسی اقدار کو بھی تہس نہس کر کے رکھ دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عصر حاضر نے انسان کو متمدن، مہذب مؤدب اور ماڈرن بنا دیا ہے۔ اور اب اس کی سوچ فرسودہ نہیں رہی۔ پر افسوس اس ترقی سے انسان عرفانِ ربّ کرنے کی بجائے خود خدا بن بیٹھا ہے۔ جاہ و حشم اور قوت و حشمت کے نشہ میں اب اسے اپنی ہر برائی اچھائی معلوم دیتی ہے۔ لیکن یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ انسان کے ماحول اور اس کے گرد و پیش نے واقعی ترقی کی ہے لیکن ہائے تأسف خود انسان نے کوئی ترقی نہیں کی۔ وہ آج بھی انہی سلگتے مسائل، تکالیف، مشکلات پریشانی ذہنی، تہذیبی و اخلاقی پستی میں گرفتار ہے جن میں آج سے ہزاروں سال قبل کا انسان مبتلا تھا بلکہ میں تو کہوں گا کہ اس سے بھی بدتر!

میں اس ترقی یافتہ انسان سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس نے غربت، بھوک و افلاس اور مفلسی کے چنگل سے نجات حاصل کر لی ہے؟ کیا وہ اب چین و سکون اور آشتی جیسی نعمتِ عظمیٰ سے محروم یا مایوس

نہیں؟ کیا وہ لالچ، فریب، دھوکہ دہی، جھوٹ، غیبت، چوری، زنا، عمل قوم لوط اور قتل و غارت گری جیسے رذائل و معصیات سے اپنا دامن پاک کر چکا ہے؟ اس کا جواب نہیں میں ہے اور یقیناً نہیں میں! تو پھر ہم کیوں اس دور کو ترقی یافتہ کہتے ہیں؟ کیوں کہتے ہیں کہ آج کا انسان مہذب و مودب ہے؟ انسانیت تو آج بھی کل کی طرح چیخ و چلا رہی ہے! ذلیل و رسوا ہو رہی ہے! کیا مادی ترقی انسانیت کی ترقی کہلاتی ہے نہیں یہ ترقی نہیں تنزل ہے کیونکہ اس مادی ترقی سے انسانیت کو تباہ و برباد کیا جا رہا ہے اس کا قتل عام کیا جا رہا ہے یہ سب کچھ آج کے اس جدید ترقی یافتہ ایٹمی دور میں ہو رہا ہے! ان حقائق ثابت کرنے کے لئے کسی قسم کی دلیل یا ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ سب کچھ مطلعاً ظاہر و باہر اور اظہر من الشمس ہے جسے ہر شخص جانتا اور مانتا ہے

اتنی مادی ترقی اور علمی وسعت کے باوجود آخر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ کیوں دنیا گویا قیامتِ صغریٰ کا منظر دکھائی دیتی ہے؟ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ انسان نے اس دنیا میں اپنی حقیقی حیثیت بھلا دی ہے۔ خدا کا غلام و نائب بن کر رہنے کی بجائے خود رب اعلیٰ بن بیٹھا ہے۔ انسانی ذہن کے بنے ہوئے قوانین اور نظریات، جن کی اصل حیثیت مراقی اختراعات کے سوا کچھ نہیں، کے پیچھے اندھا دھند دوڑنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ پس آج کے دور کا فقط یہی ایک تقاضا ہے کہ انسان اور انسانیت کو اس تباہ کن بگاڑ سے بچایا جائے اور بس

اس بگاڑ کے خاتمہ کے لئے انسان نے بہت ہاتھ پاؤں مارے، طرح طرح کے نظریات گھڑ کے تحاریک کا ایک لامتناہی و لایعنی سلسلہ شروع کر دیا لیکن ایک ایک کر کے تمام انفرادی و اجتماعی نظریات اپنی ناکامی کا اعلان کر چکے ہیں۔ اس انتہائی نازک، ہوشربا اور اضطراب انگیز مرحلے میں تاریخ کے اسٹیج پر ایک مرتبہ پھر اب اسلام اور امت مسلمہ کی باری آئی ہے۔ فی الحقیقت اب دین اسلام ہی وہ واحد ذریعہ ہے کہ جس کی بتائی ہوئی راہ اختیار کر کے انسان اپنی گم گشتہ حقیقی حیثیت کو پا سکتا ہے۔ اسلام ہی کی وساطت سے اپنے آقا و مالک کو پہچان کر اس کی عبودیت اپنا کر انسانیت کی تکمیل کر کے اپنے اس بگاڑ کی بیخ کنی کر سکتا ہے۔

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ اسلام، سائنس اور مادی جدوجہد کو عبادت الٰہی کا درجہ دیتا ہے۔ چونکہ انسان خلافت ارضی کا وارث ہے لہذا اس کے اپنے وجود کے لئے مادی ترقی ایک ناگزیر شرط ہے تخلیق آدم کی غرض و غایت فقط بندگیٔ اللہ ہے جبکہ امت مسلمہ کا مقصد وجود ارشاد ربانی کی زبان میں ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ
(آل عمران: ۱۱۰)

تم دنیا میں وہ بہترین گروہ ہو جسے انسانوں کی ہدایت کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔ بدی سے روکتے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

چونکہ اس وقت داعی اسلام اور حامل قرآن فقط اسلامی دنیا ہے اس لئے اب یہ بھاری ذمہ داری عالم اسلام کے کندھوں پر آن پڑتی ہے کہ وہ تہذیب جدید کی مارگزیدہ سسکتی ہوئی جاں بلب انسانیت کو اسلامیت کے آب حیات سے سیراب کردے۔ لہٰذا اب انسانیت کو بگاڑ سے بچانے کے لئے اور امامت عالم کے لئے امت مسلمہ کو ایسی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرنا ہوگی جس سے تہذیب جدید عاری ہے۔ اور اب نوٹ کر لیجئے کہ یہ صلاحیت صرف وہ اسلامی عقیدہ اور نظام حیات ہے جو ایک طرف تو انسان کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ مادی ترقی کرے اور دوسری طرف انسان کی فطرت کے عین مطابق اُس کے تقاضے پورے کرے۔ یہ عقیدہ الوہیت جب عملاً انسانی معاشرہ کی شکل میں ظاہر ہوگا تو زندگی گویا جنت کا نظارہ معلوم ہوگی اور یوں دنیا پھر سے نیابت الٰہی میں چلی آئے گی۔

اب آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ اسلامی عقیدہ کیا ہوتا ہے؟ انسانی حیات پر کس طرح اثرانداز ہوتا ہے اور عہد حاضر کے تقاضوں کو کیونکر پورا کرسکتا ہے؟

اسلام اپنا کردار ادا کرتا ہے :-

اسلام کے معنیٰ ہیں اطاعتِ رب اپنے آپ کو سپردِ خدا کرنا' اپنی آزادی و مرضی کا خیال دل سے نکال دینا اور خدا کی مرضی کے آگے فرمانبردار بن کر سرِ تسلیم خم کر دینا۔ جو شخص بھی ایسا کرے گا وہ مسلمان کہلائے گا۔ اور اسلامی برادری میں داخل ہو جائے گا۔

دین حق کی بنیادی تعلیمات میں توحید رسالت اور آخرت ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں علماء اسلام کہتے ہیں کہ قرآن کا مرکزی اور بنیادی موضوع بھی یہی عقیدہ ہے۔ آدمؑ سے لیکر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرامؑ نے اسی عقیدہ کی تعلیم بنی آدم کو دی۔ قرآن، حدیث و تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ تمام پیغمبروں کی تعلیم اسی مرکز کے گرد گردش کرتی رہی ہے۔

یہ عقیدہ اللہ کی الوہیت اور بندہ کی عبودیت سے متعلق ہے۔ یہ عقیدہ خالق و مخلوق کے باہمی تعلق کی نوعیت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ انسان کا انجام کیا ہے؟ تمام بنی نوع انسان اس عقیدت سے یکساں تعلق رکھتے ہیں دراصل یہ عقیدہ ایسا انسانی مسئلہ ہے کہ جس میں کسی ترمیم و تغیر

کی گنجائش ہی نہیں -اس کائنات میں انسان کا وجود و بقا، اسی پر منحصر ہے اور یہی اس کی عافیت کا مسئلہ ہے -

یہ اسلامی عقیدہ انسان کو بتاتا ہے کہ خود اس کے اپنے وجود اور اس کے گرد پھیلی ہوئی کائنات کی کیا حقیقت ہے ؟ انسان کون ہے، کہاں سے آیا ہے کس غرض کے لئے آیا ہے اور کہاں جائیگا ؛ اس کا اور اس کائنات کا خالق و مالک کون ہے ؟ کونسی ہستی اس کا خاتمہ کرے گی اور وہ کس انجام سے دوچار ہوگا ؟

اِسلامی عقیدہ اور انسانی زندگی پراسکے اثرات :-

جب انسانی قلوب واذہان میں عقیدہ الوھیت مضبوطی سے جڑ پکڑلے تو پھر یقین کر لیجیے کہ انسان اپنے نفس اور اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کی غلامی سے آزاد ہوگیا اب وہ اور اس کا سب کچھ خدا کے حوالے ہے جب یہ کیفیت مجموعی طور پر پورے معاشرہ میں قدم جمالے تو ایک ایسا نیا اسلامی معاشرہ وجود میں آئیگا جو عدل اجتماعی اور خوشحالی سے مامور ہوگا اور اس کی بنیاد توحید ہوگی جسے اصطلاحاً اسلام کہا جائیگا -

(الف) تعمیر اخلاق :- ارشاد خداوی ہے :-

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (الشمس : ۸)

پھر اس کی بدکرداری اور پرہیزگاری (دونوں باتوں) کا اس کو القا کیا -

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسانی سرشت میں نیکی اور بدی کی حس ودیعت کی ہے -ہر دور کے ہر خطہ میں تمام انسان اچھائی اور برائی میں تمیز کی صلاحیت رکھتے ہیں -انسان کی فطرت ہر اچھی شے پر اچھا اور ہر بری چیز پر برا حکم لگاتی ہے -یہ وہ عالمگیر سچائی ہے جسے انسان صدیوں سے جانتا ہے -یہ حقیقت کوئی راز نہیں ہے کہ جسے چراغ لے کر ڈھونڈا جائے وہ تو خود انسان کے اندر موجود ہے -

نیکی اور بدی کی صفات سے متعلق دنیا ہمیشہ سے متفق رہی ہے -اچھائی کو ہمیشہ قدر اور تعریف کی نگاہوں سے دیکھا جاتا رہا ہے -جبکہ برائی کو سب لوگوں نے بُرا جانا اور اس سے نفرت کی -لیکن اس وقت حیرانگی کی انتہا ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نیکی اور بدی کے معاملے میں اسقدر ہم آہنگی

کے باوجود دنیا میں مختلف نظام ہائے اخلاق رائج ہیں۔ ان سب سے قطع نظر اسلام کا بھی اپنا ایک جداگانہ نظام اخلاق ہے۔ اب سوال اس مرحلے پر پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کے دیگر نظام ہائے اخلاق اور اسلام کے اخلاقی نظام میں کیا فرق ہے؟ اور ان کی بنیاد کیا ہے؟

مختلف جدید جاہلی نظام اخلاق کی بنیاد ہی فطرت کے اصولوں سے متصادم ہے۔ ان میں سے کوئی کہتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خدا نہیں ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ موجود تو ہے لیکن وہ ایک عضوِ معطل ہے یا پھر کوئی کہتا ہے کہ بہت سے خدا ہیں۔ ان سب کا خیال ہے کہ انسان کی حیثیت فقط ایک حیوان کی سی ہے اور پھر یہی سوچ کر کہتے ہیں کہ جس طرح حیوان اپنی جبلی خواہشات بلا روک ٹوک پوری کر لیتے ہیں اسی طرح انسان کو بھی چاہیئے کہ وہ ایسا کرے اور کوئی قانونی بندھن بھی حائل نہ ہو پھر کبھی وہ انسانی خواہشات کو الٰہ بنا دیتے ہیں۔ انسانی اعمال کی جوابدہی اور انجام کے بارے میں بھی یہی حیوانی نظریہ اختیار کیا ظاہر ہے کہ جن نظاموں کی بنیاد ایسے نظریات پر ہو گی تو وہ ایک دوسرے سے باہم متصادم ہوں گے اور غیر فطری بھی ہوں گے۔ ان مختلف نظام ہائے اخلاق نے انسان کا جو حلیہ بگاڑا ہے آج ہم مغرب و مشرق کے انسانوں میں یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ آج وہ اخلاقی بگاڑ و تباہی کے اتھاہ سمندر میں ڈوب گئے ہیں۔

دوسری طرف اسلام نے نہ صرف اخلاقی بنیاد میں اختلاف کیا بلکہ کہا کہ انسانی فطرت کے مطابق اس کے اندر اخلاقی حس کو تقویت پہنچائی جائے اور اسے پروان چڑھانے کے لئے فطری طریقہ ہی اختیار کرنا چاہیئے۔

اسلام نے کہا کہ نہیں! اس کائنات کا ایک خدا ہے۔ اسی نے اسے عدم سے خلعت وجود بخشا۔ انسان کو پیدا کیا۔ ان کے درمیان خالق و مخلوق، بندہ و معبود اور غلام و آقا کا تعلق ہے بندہ اسی کے بتائے ہوئے نظام زندگی پر چلے گا اس کے سوا اس بندہ کے لئے کوئی چارہ نہیں ہے۔ خالق نے اپنے بندہ کی مکمل راہنمائی کا بھی بندوبست کیا ہے۔ وہ اس کے لئے نبی بھیجتا ہے۔ کتابیں نازل کرتا۔ اور پھر اسے بتاتا ہے کہ تجھے زندگی اسی کے مطابق بسر کرنی ہے اور روزِ قیامت اپنے اعمال کی جوابدہی خالق کے سامنے دینا ہو گی۔

دین حق بتاتا ہے کہ تمہاری اخلاقی جدوجہد کا مقصود و منتہائے نظر رضائے الٰہی ہونا چاہیئے کیونکہ یہ وہ کسوٹی ہے جس پر تم اپنے اعمال کے خیر و شر ہونے کو پرکھ سکتے ہو۔ چونکہ تمہیں معلوم ہے کہ فلاں عمل نیک ہے اور فلاں برا پھر تمہیں قرآن و سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بھی

نیک و بد اعمال میں تمیز بتا دی گئی ہے۔ لہٰذا اگر تمہارے اخلاق کا مقصد ہی رضائے الٰہی ہوگا تو پھر تم سے خود بخود نیک اعمال ہی سرزد ہوں گے اور یوں تمہیں وہ محور مل جائیگا جس پر تمہاری پوری اخلاقی زندگی گھومتی ہے۔

انسان کو اخلاقی دائرہ میں محدود کرنے کے لئے اور اس کے اندر اخلاقیات کی حِسیں بیدار کرنے کے لئے دنیا میں عموماً دو قسم کے قوانین پائے جاتے ہیں۔ اول حکومت بزور قوت لوگوں کو اپنے مقرر کردہ دائرہ اخلاق میں رہنے پر مجبور کرتی ہے اور یہی طریقہ آجکل رائج ہے۔ اور دوسرا طریقہ جو آجکل مفقود ہے، یہ ہے کہ خود انسان کے اندر کچھ ایسے محرکات پیدا کئے جائیں کہ جس کی وجہ سے وہ اخلاقی دائرہ میں رہنے پر مجبور ہو جائے۔ اسلام اسی دوسرے طریقہ پر زیادہ زور دیتا ہے گو وہ بزور ڈنڈہ بھی لوگوں کو قانونِ اخلاق کا پابند کرتا ہے۔ لیکن اسلام انسان کے اندر باطنی انقلاب کا خواہاں ہے اور چاہتا ہے کہ انسان بغیر کسی خارجی دباؤ کے اخلاقی دائرہ کے اندر محدود رہے۔ لوگوں میں اخلاقی حِس کو تقویت دینے اور اسے پروان چڑھانے کے لئے اسلام نے تین محرکات کا تصوّر پیش کیا ہے۔ اول خوفِ خدا دوم روزِ قیامت پرسش اعمال اور سوم نیک اعمال کی صورت میں مستقل قیام جنت یا بداعمال کی صورت میں مستقل ٹھکانہ دوزخ۔ یہی وہ تین محرکات ہیں جو اگر صحیح طور پر دل و دماغ پر نقش ہو جائیں تو ضمیر کے اندر ایک پولیس چوکی قائم کر دیتے ہیں۔ اب اگر وہ کوئی بھی گناہ چاہے وہ چھپ کر ہی کیوں نہ کرے، دل کے اندر جو پولیس چوکی قائم ہو چکی ہے اسے اخلاقی حدود پھلاندنے سے باز رکھے گی۔ اب خدا کی رضا، خوف خدا روزِ قیامت کی باز پرس، اجر کی خواہش اور عذاب کا خوف محتسب اعلیٰ کا فرض انجام دیں گے۔

(ب) تعلق باللہ ـــ تعمیر رُوحانیت ـــ دو انتہاؤں کے بیچ معتدل راہ۔

کہتے ہیں کہ سائنس نے ابھی تک روح کی حقیقت کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ سائنس رُوح کے بارے میں کیا کہتی ہے اور کن وجوہات کی بنا پر اس کا عدم وجود ثابت کرتی ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے اس وقت ہم یہ دیکھیں گے کہ رُوح اور جسم کا باہمی تعلق کیا ہے؟ دونوں کے تقاضوں کی حدود کیا ہے؟ دائرہ عمل کونسا ہے؟ دنیا نے اپنی روحانی و جسمانی ترقی و تسکین کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا اور اس کے کونسے نتائج برآمد ہوئے؟ اسلام اس سلسلے میں کونسا طریقہ اختیار کرتا ہے؟
عام طور پر رُوح اور جسم کو ایک دوسرے کی ضد تصوّر کیا جاتا ہے، دائرہ عمل الگ الگ

اور تقاضے باہم مخالف ہیں۔ اسی سوچ کی وجہ سے انسان نے شروع ہی سے انتہا پسند روّیہ اپنائے رکھا۔ بعض لوگوں نے روحانیت اختیار کی تو اس قدر اس میں مستغرق ہوئے کہ دنیا ومافیہا سے انقطاع کر کے پہاڑوں، جنگلوں، ویرانوں اور ریگستانوں کو نکل گئے۔ ان کے خیال کے مطابق دنیا کی رنگینی کشش، گہما گہمی اور مادّی ترقی اور جسمانی ضروریات روحانیت کے لئے زہر قاتل ہیں اس لئے ان سے ہر ممکن تعلق توڑ لیا جن لوگوں نے دنیاداری و مادہ پرستی کا راستہ اپنایا تو روز اوّل ہی سے انہوں نے بھانپ لیا کہ یہ روحانیت ہمارے ساتھ چل ہی نہیں سکتی۔ پس یہ لوگ مادہ پرستی میں اسقدر مشغول ہوئے کہ مُعاشرت تمدّن، سیاست معیشت غرض دنیوی زندگی کے سارے شعبے روحانیت کے نور سے خالی ہو گئے۔

ان دونوں انتہاؤں کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا جور و ستم کی اندھی گھاٹی کی اتھاہ گہرائی میں لڑھک گئی۔ انسان، انسان کا خُون چُوسنے لگا، فرعون کی طرح رب اعلیٰ بن بیٹھا۔ وہ لوگ جو فقط روحانیت میں غرق تھے چونکہ مادّی زندگی سے قطع تعلق کئے ہوئے تھے اس لئے اس فساد عظیم کو روکنے کی نہ توان میں صلاحیت تھی اور نہ ہی وہ ایسا کرنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف مادّہ پرست لوگ دنیاوی لذائذ میں گم تھے جو کہ خود ان کا منتہائے نظر تھا۔

اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو جسم میں ملفوف کر کے اس دنیا میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔ روح اپنے فرائض ذمہ داری انجام دینے کے لئے جسم کو بطور معاون و مددگار اوزار یا ہتھیار کے استعمال کر سکتی ہے۔ دونوں کا وجود ایک دوسرے کے بغیر ممکن نہیں دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں میں توازن ترقی کے لئے ضروری ہے۔

اسلام نے اس دنیا کو روح و جسم کی ترقی و نشوونما کی بہترین جگہ قرار دیا ہے۔ روح و جسم کی ترقی اسی میں پوشیدہ ہے کہ انسان توحید، رسالت و آخرت کے عقیدہ کو پرورش کرے خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے اس کائنات کی مسخّر کی ہوئی دولت و ثروت اور اسباب وسائل کو بروئے کار لائے۔ یہ تصور اسکی روحانی و جسمانی ترقی کے لئے سب سے بہتر نتائج پیدا کرے گا۔ تعلق باللہ، خوفِ خدا اور آخرت کی بازپرس کا تصوّر جسقدر مضبوط ہو گا اتنا ہی قربِ خداوندی حاصل ہو گا۔ خدا کا قرب ہی دراصل روحانی ترقی ہے۔

کارگاہ حیات کے عین منجدھار میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی روحانی ترقی کا راستہ بنایا ہے تاکہ مادّی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی بھی جاری رہے۔ اسلام نے اس راستہ کی تعمیر کا طریقہ یوں

اپنایا ہے کہ سب سے پہلے انسان اپنے دل میں ایمان کے بیج کو بوئے۔ پھر تمام شرائط کے ساتھ اسکی آبیاری کرے۔ اس کے نتیجہ میں اسلام کا ایک مضبوط پودا نمودار ہوگا جو اسکی زندگی کے عملی مظاہر کی نشاندھی کرے گا۔ جب یہ پودا مضبوط تناور درخت کی شکل اختیار کرلے گا تو پھر اس شجر طیب کی مانند ہوگا جو ہر قسم کے آندھی، طوفان کا باسانی مقابلہ کرتا ہے۔ لوگوں کو میٹھے پھل اور ٹھنڈا سایہ مہیا کرتا ہے اور یوں وہ شخص تقوٰی اور احسان کی بلند ترین روحانی ترقی پالیتا ہے روحانی ترقی کا یہ راستہ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بھی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسکے مستقل قیام کی خاطر اسلام نے انسان کی زندگی میں ایک عملی تربیتی مشق روزانہ فرض کردی ہے۔ اس ترقی کے معیار کو برقرار رکھنے کے لئے اور اسے مزید تقویت دینے کے لئے سالانہ تربیتی نظام بھی فرض کردیا ہے ان عملی مشقوں سے نہ صرف روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ بلکہ بے اندازہ مادی و جسمانی فیوض بھی حاصل ہوتے ہیں۔ عملی مشقیں درج ذیل ہیں۔

(۱) **نماز**:۔ دن میں پانچ مرتبہ فرض کی گئی ہیں (۲) **روزہ**:۔ سال میں پورے ماہ رمضان کے روزے فرض کردیئے گئے۔ (۳) **زکوٰۃ و عشر**:۔ مسلمانوں میں مالی ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے سال میں ایک مرتبہ صاحب نصاب پر فرض کی گئی ہے (۴) **حج**:۔ زندگی میں ایک مرتبہ صاحب استطاعت پر فرض ہے۔

(ج) تعمیر معاشرت ــــــــ كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ

تعلق مرد و زن:۔ کسی بھی معاشرہ کی اساس خاندان پر ہوتی ہے۔ یہ ایک بنیادی اکائی ہے جس کے بغیر معاشرت پنپ نہیں سکتی۔ خاندان کی ابتداء ایک مرد اور عورت کے ملاپ سے ہوتی ہے۔ جس سے ایک نسل اور پھر پورا معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے اگر خاندانی نظام صحیح اصول، نظم و ضبط اور دائرۂ اخلاق میں محدود ہوگا تو لامحالہ اس کا خوشگوار اثر پورے معاشرے پر پڑے گا۔ لیکن اگر وہ ان بندھنوں سے آزاد ہوگا تو خاندانی نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ اور اس کا تباہ کن اثر نتیجتاً معاشرہ پر پڑے گا۔

اسلام نے معاشرہ کی بھلائی کے لئے اسی بنیادی اکائی کی اصلاح و تربیت پر بھرپور توجہ دی ہے اور اس کے لئے قوانین و ترغیبات وضع کئے ہیں۔ اور اس طرح خاندان کی اساس گویا بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ کردی ہے۔ خاندان کی بناڈالنے کے لئے عورت و مرد کے ملاپ کو صرف اس صورت میں جائز ٹھہرایا جب وہ دونوں معاشرتی ذمہ داریاں قبول کرنے کے لئے تیار ہوجائیں۔ وہ ملاپ جو عارضی طور پر بے راہ روی غیر ذمہ داری اور جنسی خواہش کے تحت وجود میں آئے، اسلام نے

اس کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں اور اس کی سخت سزا مقرر کی۔

شریعت اسلامی نے ان تمام عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کے لئے حرام کر دیا جو باہم مل کر رہنے یا نہایت قریبی تعلقات رکھنے پر مجبور ہیں۔ مثلاً ماں اور بیٹا باپ اور بیٹی، بھائی بہنیں۔ پھوپھی بھتیجا، چچا بھتیجی، خالہ، بھانجا، ماموں بھانجی، سوتیلا باپ اور بیٹی، سوتیلی ماں اور بیٹی، سوتیلی ماں اور بیٹا، ساس، داماد، خسر اور بہو، سالی اور بہنوئی اور رضائی رشتہ دار (النساء: 23-24) ان تعلقات کی حرمت قائم کرکے ان کو صنفی میلان سے کلیتاً پاک کر دیا اور اب ان رشتوں کے مرد اور عورت یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ ایک دوسرے کی جانب کوئی صنفی کشش رکھتے ہیں اس کے بعد دوسرا یہ قانون بنایا کہ ایسی تمام عورتیں بھی حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (نساء: 24) اسکے علاوہ جو خواتین باقی رہتی ہیں ان سے بے ضابطہ اور غیر شرعی صنفی تعلق حرام قرار دے دیا۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَّسَآءَ سَبِيْلًا ○ (بنی اسرائیل: 32)

اس طرح حدود و قیود عائد کرکے صنفی انتشار کے تمام راستے بند کر دئے گئے مگر انسانی سرشت کے اقتضاء اور نسل کو جاری رکھنے کے لئے ایک شرعی، باضابطہ اور علی الاعلان تعلق کو نکاح کی صورت میں جاری کر دیا۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ ...... فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ .... مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ (النساء: 24-25)

ان عورتوں کے سوا بقیہ عورتوں کو تمہارے لئے حلال کیا گیا کہ تم اپنے اموال کے بدلے میں (مہر دیکر) ان سے احصان (نکاح) کا باضابطہ تعلق قائم کرو نہ کہ آزاد شہوت رانی .... پس ان عورتوں کے متعلقین کی رضامندی سے ان کے ساتھ نکاح کرو .... اس طرح کہ وہ قید نکاح میں نہ ہوں نہ یہ کہ کھلے بندوں یا چوری چھپے آشنائی کرنے والیاں۔

نکاح کی صورت میں تعلق قائم کرنے کے سوا تمام راستے بند کر دیئے گئے اور یوں خاندانی نظام کی بنا ہی پاک صاف اور باضابطہ طور پر ہوتی ہے۔ خاندان کو مضبوط بنیاد فراہم کرنے کے بعد اسلام اسکی تنظیم و ترتیب، دیکھ بھال اور بود و باش کی ذمہ داری مرد کے شانوں پر ڈال دیتا ہے۔ اس طرح مرد اپنے خاندان کا ناظم و کفیل اور محافظ و حاکم ہوتا ہے۔ اور اس حیثیت میں اس کی بیوی اور بچوں پر اسکی اطاعت فرض ہے۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرۃ: ۲۲۸) اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النسآء: 34)۔ مردوں کو یہ اختیار دیکر اسلام یہ نہیں چاہتا کہ وہ ظالم و جابر بن کر اپنی

بیوی کو لونڈی بنالے۔ اِس خطرہ کے پیش نظر اس نے ایک اور راستہ کھول دیا ہے کہ جب کبھی باہمی احترام و محبت کم ہو جائے تعلقات کشیدہ ہو جائیں تو حالات کو مزید خراب کرنے کے بجائے یہ دونوں طلاق کے ذریعے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ مرد کو طلاق اور عورت کو خلع کا حق دیکر اسلام نے اس نظام میں ہر ممکن کجی اور بگاڑ کا قلع قمع کر دیا ہے اس سے جو خاندان، نسل اور معاشرہ وجود میں آئیگا وہ صالح اور باکردار اسلامی معاشرہ ہو گا۔

وَحدَت بَنی آدم:- دین حق انسانوں کی اصل بتاتا ہے :-

خَلَقَكُم مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (نساء : ۱) اللہ نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا ہے۔
چونکہ تمام بنی آدم کی اصل ایک ہے اور سب کے سب آپس میں ایک ہی گھرانے کے افراد کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے نسل یا رنگ یا وطن یا قومیت کی بنا پر ان کے درمیان کوئی اُونچ نیچ نہیں ہو سکتی اور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے لفظوں میں تمام انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہی ہوں گے۔ جب حقیقت یہ ہے تو رنگ یا نسل یا وطن یا قومیت کی بنا پر کسی کو کسی پر فضیلت بھی حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ان میں سے کوئی چیز فخر کی موجب بن سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰكُمْ (الحجرات)
اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
اَلنَّاسُ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا :-
يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى اَعْجَمِيٍّ وَلَا لِاَعْجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى۔
لوگو! تم سب کا ایک ہی رب ہے۔ تقویٰ اور خدا ترسی کے سوا کسی اور بنا پر نہ تو کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل ہے نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر نہ کوئی کالا کسی گورے سے افضل ہے نہ کوئی گورا کسی کالے سے۔
یہ انقلابی اعلان کسی قیاسی نظریہ یا کسی مصلحتی رائے کا اعلان نہیں ہے بلکہ یقین کی زبان سے بلند ہونے والا ایک عقیدہ اور ایمان کا اعلان ہے۔ انسان اور انسان کے درمیان اگر کوئی

وجہ امتیاز ہوسکتی ہے تو وہ خیالات اور اخلاق و کردار ہو سکتا ہے۔ ایک ماں کے دو بچے اپنے نسب کے لحاظ سے چاہے ایک ہوں لیکن اگر ان کے خیالات اور اخلاق ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو زندگی میں دونوں کی راہیں ایک ہی چھت تلے رہتے ہوئے بھی الگ الگ ہو جائیں گی۔ اس کے برعکس مشرق و مغرب کے انتہائی فاصلے پر رہنے والے دو انسان اگرچہ بظاہر کتنے ہی دُور اور مختلف ہوں لیکن اگر ان کا نظریہ ایک ہو گا تو زندگی کی راہ بھی ایک ہی ہوگی۔

اسلام اس نظریہ کی بنیاد نسلی، وطنی، لسانی یا قومی عصبیت پر نہیں رکھتا بلکہ اس کے برعکس ایک فکری اخلاقی اور اصولی معاشرہ تعمیر کرتا ہے جس میں انسان اور انسان کے ملنے کی بنیاد اس کی پیدائش نہیں بلکہ ایک عقیدہ اور ایک اخلاقی ضابطہ ہے ہر وہ شخص چاہے وہ کسی بھی علاقہ سے تعلق رکھتا ہو، کوئی بھی زبان بولتا ہو کسی بھی نسل سے ہو اگر اس عقیدہ کو تسلیم کرلے تو پھر اس عالمگیر معاشرہ میں شامل ہو سکتا ہے جس کی کوئی جغرافیائی حدود نہیں۔

لیکن جب ہم دورِ حاضر کو دیکھتے ہیں تو ہر طرف قبیلہ و برادری، قوم و نسل رنگ و وطن اور زبان کی عصبیت کا دور دورہ ہے۔ یہ نتیجہ ہے تنگ نظری، تنگ دامانی اور وحشت و بربریت کا یہ جاہلی عصبیت اس لئے انسان پر مسلط ہوئی کہ اسکی روح انحطاط اور پستی کا شکار ہو گئی۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "سڑاند" سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ ایسا مردار ہے کہ جس کی عفونت کی لپیٹیں اُٹھ رہی ہوں اور جس کی وجہ سے انسانیت کا ذوق نفیس کرب و کراہت میں مبتلا ہے۔ اسلام انسان کو اس چنگل سے نجات دلا سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اسلام نے رشتہ داروں، پڑوسیوں، مریضوں، مسافروں اور غلاموں سے بھی حُسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔

(د) قانونِ الٰہی کی حکمرانی ـــــــــ انسانی قانون کا خاتمہ

توحید، رسالت اور آخرت یہ وہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر قانون الٰہی کی بنیاد ہے اور اسی پر اسلامی ریاست وجود میں آتی ہے۔

چونکہ اس کائنات اور خود انسان کا خالق و مالک فقط ایک خدا ہے اس لئے وہی فرمانروا اور مدبر و منتظم بھی ہے۔ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ (السجدة: 5)

اس کائنات میں حاکمیت (Sovereignty) ایک اللہ کا حق ہے اِس کے سوا کسی اور کا

حق نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ (البقرۃ : ۱۰۷) وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ (فرقان : 2)

جیساکہ وہی خالق ومالک، مدبر ومنتظم اور حاکم اعلیٰ ہے اس لئے اطاعت بھی اسی کا حق ہے اسی کی بندگی کرنا چاہیے۔ اور چونکہ صحیح علم اسی کے پاس ہے اس لئے وہی صحیح راہنمائی کرسکتا ہے اور بس قانون بنانے کا حق بھی اسی کا ہے۔ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ (اعراف : 3)

ترجمہ: پیروی کرو اسی چیز کی جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے تمہارے رب کی طرف سے اور اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (الجاثیۃ: 18) **ترجمہ:** پھر ہم نے تجھ کو دین کے ایک خاص طریقے پر قائم کردیا پس تُو اسی کی پیری کر اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر جو جانتے نہیں۔

خدا کا قانون انسانوں تک پیغمبر کے ذریعے پہنچایا گیا ہے اور جو آج ہمارے پاس قرآن کی شکل میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان احکامات کو عملی شکل دی اور خود ان پر عمل کرکے دکھایا۔ اس لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت گویا خدا کی اطاعت۔

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء : ۸۰)

انسان اس دُنیا میں خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔ اس لئے اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ یہاں پر قانون الٰہی وسُنّتِ رسول ؐ کی حکمرانی ہو۔ انسانی حکومت کی صحیح صورت صرف یہ ہے کہ ریاست خدا کی بالادستی تسلیم کرکے اس کے حق میں حاکمیت اعلیٰ سے دست بردار ہو جائے اور حاکم حقیقی کے تحت خلافت (نیابت) کی حیثیت قبول کرلے۔ اس حیثیت میں وہ قانون الٰہی وسنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے متعیّن دائرہ میں محدود ہوگا۔ یہ خلافت کسی ایک شخص، یا خاندان یا کسی خاص طبقہ کی ملکیت نہیں ہوتی۔ خلافت کی حقدار فقط وہ جماعت (Community) اپنی مجموعی حیثیت میں ہوتی ہے جس نے صحیح اسلامی ریاست قائم کی ہو۔

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ۔ اس آیت کی روسے اہلِ ایمان کی جماعت کا ہر فرد خلافت میں برابر کا حصہ دار ہے۔ یہی چیز اسلامی خلافت کو ملوکیت طبقاتی حکومت اور مذہبی پیشواؤں کی حکومت سے الگ کرکے اسے اسلامی جمہوریت کے رُخ پر موڑتی ہے لیکن مغربی جمہوریت عوامی

حاکمیت کے اصول پر قائم ہوتی ہے جبکہ اس کے برعکس اسلامی جمہوریت میں خود عوام خدا کی حاکمیت تسلیم کرکے اپنے اختیارات کو برضا و رغبت قانون خداوندی کے حدود میں محدود کرتے ہیں۔

قانونِ الٰہی کی حکمرانی اور اسلامی ریاست کے قیام کے دو بنیادی مقاصد ہیں۔ اول یہ کہ انسانی زندگی میں عدل قائم ہو اور ظلم و ستم کی بیخ کنی کردی جائے۔ دوم یہ کہ مسلم حکومت اپنی قوت و وسائل کو نظام نماز و زکوٰۃ کو قائم کرنے میں صرف کرے۔ اچھائی و نیکی کو فروغ دیا جائے اور برائی و بدی کے خلاف اعلان جنگ کردیا جائے۔

(س) تعمیر معیشت ___ بے قید اور مقیّد معیشت کے بیچ آزاد معیشت

کیونسٹ اور مغربی تہذیب نے جہاں مسلمانوں کی زندگی کے دیگر پہلوؤں کو بری طرح متاثر کیا وہاں اس نے مسلم دنیا کی اقتصادیات پر بھی مضر اثرات مرتب کئے ہیں اور پیچیدہ مسائل اور الجھنیں پیدا کی ہیں۔ اشتراکی نظام (Community system) سرمایہ دارانہ نظام — (Capitalist system) جاگیردارانہ نظام (Feudal system) یا فاشزم یا نازی ازم یہ سب کے سب نظامہائے معیشت بری طرح ناکام ہوچکے ہیں۔ ان نظاموں نے دنیا کو نت نئے مسائل میں الجھا دیا ہے۔ اجتماعی فلاح کا انتظام کیا جاتا ہے تو افراد کی آزادی ختم ہوجاتی ہے۔ افراد کی آزادی کو بچایا جاتا ہے تو اجتماعی فلاح غارت ہوجاتی ہے۔ اب تک دنیا کوئی ایسا نظام نہیں پاسکی ہے جس میں صنعتی انقلاب تو اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ جوں کا توں چلتا اور بڑھتا رہے اور پھر انفرادی آزادی اور اجتماعی فلاح دونوں بیک وقت پورے اعتدال کے ساتھ نبھ جائیں اسی قسم کے ایک نظام معیشت پر دنیا کے مستقبل کا دارومدار ہے اگر یہ نظام دنیا کو نہ ملا تو صنعتی انقلاب ہی کے پستول سے انسان خودکشی کرلے گا۔ اس مرحلہ پر اب اسلام کا نمبر ہے کہ وہ میدان میں کود پڑے جس اسلامی ملک نے بھی اس کا ایک کامیاب نمونہ دنیا کے سامنے پیش کردیا تو بس سمجھ لیجئے کہ وہ امام دنیا بن گیا۔

اسلام نے اشتراکیت اور سرمایہ داری کے بیچ جو معتدل معاشی نظریہ اختیار کیا ہے اس کے لئے وہ سب سے پہلے فرد اور معاشرہ کی اخلاقی تربیت کرتا ہے جس کی بنیاد عقیدہ توحید، رسالت اور آخرت ہے جب معاشرہ کا نظریہ اور اخلاق راسخ ہوجاتے ہیں تو پھر ان کی آزادی پر پابندیاں عائد کرتا ہے تاکہ انفرادی اور اجتماعی مفاد باہم متصادم نہ ہوں بلکہ پھلے پھولیں۔

ذرائع آمدن میں حلال و حرام کی قید :-

دولت صرف حلال ذریعہ سے کمائی جا سکتی ہے وہ تمام ذرائع آمدن حرام ہیں جس میں ایک کا نقصان اور دوسرے کا فائدہ ہو۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ (نساء : 29-30)

ترجمہ :- اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقوں سے نہ کھایا کرو بجز اس کے کہ لین دین آپس کی رضامندی سے ہو اور تم خود اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ لین دین کی دو شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ لین دین باہمی رضامندی سے ہو اور دوسرے یہ کہ ایک کا فائدہ اور دوسرے کا نقصان نہ ہو۔ ان دو شرائط کی رُو سے چوری، رشوت، قمار، دغا و فریب، جُوا، قحبہ گری، سود اور دیگر ناجائز تجارتی طریقے حرام قرار پاتے ہیں کیونکہ ان ذرائع سے یا تو ایک کا نقصان ہوتا ہے اور دوسرے کا فائدہ یا پھر باہمی رضامندی نہیں ہوتی۔

قارونیت کی ممانعت ـــــ دولت کی گردش :-

جو دولت جائز ذرائع سے حاصل ہو اسے بھی جمع نہ کیا جائے بلکہ خیرات و صدقات کرو تاکہ دولت کی گردش جاری رہے۔ اور وہ محض چند ہاتھوں تک محدود نہ رہے۔ بلکہ معاشرہ کے ہر فرد کو اس سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہو۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (توبہ : 34) اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی خبر دے دو۔ دولت کی یہ گردش سرمایہ داری کی ضد ہے کیونکہ سرمایہ دار دولت جمع کرتا ہے اور پھر اسے مزید دولت کمانے کے لئے استعمال کرتا ہے جبکہ اسلام نے حکم دیا ہے کہ اپنی ضرورت سے زائد جو کچھ بچ رہے فی سبیل اللہ خرچ کرو۔ قارون بن کر مال جمع نہ کرو۔

پھر اسلام نے یہ تعلیم دی کہ جو زائد مال ہے اس کا حقدار کون کون لوگ ہیں :-

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (نساء : 36)

اور نیک سلوک کرو اپنے والدین کے ساتھ اور اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور ناداروں، مسکینوں اور قرابت دار پڑوسیوں اور اجنبی ہمسایوں اور اپنے ملنے جلنے والے دوستوں اور مسافروں اور لونڈی غلاموں کے ساتھ۔

اسلام حکم دیتا ہے کہ جو خیرات و صدقات کرو اس کا احسان مت جتاؤ (بقرہ : 264)۔ جو کچھ دیتا ہے تو فقط اللہ کی محبت کی خاطر دو (دھر: 9:8) اور جو مال بھی دو وہ عمدہ اور اعلیٰ ہو، چھانٹ کر بدتر مال خدا کی راہ میں مت خرچ کرو (بقرہ : 267)

پھر اسلام نے تعلیم دی کہ صدقات علانیہ دو تو بھی صحیح لیکن اگر چھپا کر دو گے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ (بقرہ : 271)۔ ان اسلامی تعلیمات سے باہمی محبت پروان چڑھتی ہے۔ معاشرہ سے بھوک، افلاس وغربت بھاگ جاتی ہے اور اجتماعی خوشحالی کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف سے سرمایہ دار خرچ کا تصور بھی نہیں کرسکتا اور اگر خرچ کریگا تو اس سے مزید مال بٹورنے کے چکر میں پڑ جائے گا وہ سمجھتا ہے کہ جو مال خرچ ہوا وہ ضائع گیا۔ اسلام کہتا ہے کہ نہیں وہ ضائع نہیں گیا بلکہ اس سے بہتر فائدہ تمہاری طرف پلٹ کر آئے گا۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا (البقرۃ : 268)

ترجمہ:۔ شیطان تمہیں ناداری کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ مگر اللہ تم سے بخشش اور مزید عطا کا وعدہ کرتا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (البقرۃ : 272)

ترجمہ:۔ اور تم نیک کاموں میں جو خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا ملے گا اور تم پر ہرگز ظلم نہ ہوگا۔

اقتصاد ــــــ کفایت شعاری ــــــ ایک معتدل راہ

ایک طرف اسلام نے دولت کو تمام افرادِ قوم میں گردش دینے اور مالداروں کے مال میں ناداروں کو حصہ دار بنانے کا انتظام کیا ہے تو دوسری طرف اس نے قناعت پسندی اور افراط و تفریط سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (بنی اسرائیل : 29) نہ اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھے رکھ (کہ کھلے ہی نہ) اور نہ اس

کو بالکل ہی کھول دے کہ بعد میں حسرت زدہ بن کر بیٹھا رہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا ٥ (الفرقان: ٦٧)

ترجمہ:۔ اللہ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل برتتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان معتدل رہتے ہیں۔

لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ٥ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ۭ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا ٥ (بنی اسرائیل: 26 - 27)

ترجمہ:۔ فضول خرچی نہ کرو۔ فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

مُمانعت سُود ـــــــ قارونی بنیاد پر شدید ضرب

تعمیر اخلاق ومعیشت کے سلسلے میں اسلام اپنے پیرو کاروں کے اندر جہاں اخلاقی وروحانی حس کو تقویت پہنچاتا ہے وہاں وہ ان کے درمیان باہمی اخوت ومحبت اور امداد باہمی کا جذبہ بھی پروان چڑھاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اوّل تو مسلم کو چاہیئے کہ وہ اپنے ضرورتمند بھائی کو اس کے سوال کرنے سے پہلے اسکی مدد کردے۔ لیکن اگر وہ خود اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد جو بچ رہے اسے مدد کے طور پر دے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے تسریعی بھائی کی وقتی طور پر قرض کی شکل میں مدد کرے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسلام نے یہ شرط عائد کردی کہ یہ قرض بلا سُود ہوگا۔ پھر تعلیم دی کہ ادائیگی قرض کی مقررہ مدت گزرنے کے بعد اگر مقروض تنگ دست ہو اور رقم ادا کرنے کے قابل نہ ہو تو اس پر تقاضے میں سختی بھی نہ کرو۔ حتیٰ کہ اگر مقروض کا قرض معاف کردیا جائے تو یہ افضل ہے۔

وَاِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بقرہ: 280)

دوسری طرف سرمایہ دار ایسا کرنے کے بارے میں تصوّر تک نہیں کرسکتا۔ وہ اگر قرض دیگا توسود پر۔ قرضدار اگر مقررہ مدت تک رقم ادا نہیں کرے تو سود اور رأس المال وصول کرنے کے ساتھ ساتھ کپڑے اور گھر کا دیگر سامان بھی قرق کرلیتا ہے۔ سرمایہ دار سمجھتا ہے کہ سود سے مال بڑھتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ نہیں سود سے تو دولت کم ہوجاتی ہے۔ اسے بڑھانے کا راز تو خیرات

وصدقات میں پوشیدہ ہے ۔ یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ (البقرۃ : 276)

اللہ سود کا مٹھ مار دیتا ہے اور صدقات کو نشوونما دیتا ہے ۔ ارشادِ نبوی ہے ۔

اِنَّ الرِّبٰا وَاِنۡ کَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَہٗ تَصِیۡرُ اِلٰی قُلٍّ ۔ سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو مگر انجام کار وہ کمی کیطرف پلٹتا ہے ۔

مولانا مودودی اپنی کتاب " اسلام اور جدید معاشی نظریات " میں سود کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" یہ ایسے نظریات ہیں جو بظاہر عجیب معلوم ہوتے ہیں سننے والا سمجھتا ہے کہ شاید ان سب باتوں کا تعلق محض ثواب آخرت سے ہو گا اس میں شک نہیں کہ ان باتوں کا تعلق ثواب آخرت سے بھی ہے اور اسلام کی نگاہ میں اصلی اہمیت اسی کی ہے ' لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس دنیا میں بھی معاشی حیثیت سے یہ نظریات ایک نہایت مضبوط بنیاد پر قائم ہیں ۔ دولت کو جمع کرنے اور اس کو سود پر چلانے کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ دولت سمٹ سمٹ کر چند افراد کے پاس اکٹھی ہو جائے ۔ جمہور کی قوت خرید (   ) روز بروز گھٹتی چلی جائے ۔ صنعت اور تجارت اور زراعت میں کساد بازاری رونما ہو ، قوم کی معاشی زندگی تباہی کے سرے پر جا پہنچے اور آخر کار خود سرمایہ دار افراد کے لئے بھی اپنی جمع شدہ دولت کو افزائش دولت کے کاموں میں لگانے کا کوئی موقع باقی نہ رہے بخلاف اس کے خرچ کرنے اور زکوٰۃ وصدقات دینے کا مآل یہ ہے کہ قوم کے تمام افراد تک دولت پھیل جائے ' ہر ہر شخص کو کافی قوت خرید حاصل ہو ، صنعتیں پرورش پائیں ، کھیتیاں سرسبز ہوں تجارت کو خوب فروغ حاصل ہو اور چاہے کوئی لکھ پتی اور کروڑ پتی نہ ہو مگر سب خوشحال و فارغ البال ہوں "۔

ٹھیک یہی کساد بازاری اور قلیل قوت خرید (Reduced purchasing power) آج ہم دیکھ رہے ہیں ۔ اس صورت حال کو محسوس کر کے امریکہ نے حال ہی میں دوسری مرتبہ اپنی شرح سود کم کرنے کا اعلان کر دیا اس کے علاوہ اس نے مغربی جرمنی ، فرانس ، برطانیہ اور دیگر یورپی ملکوں سے بھی شرح سود کم کرنے کو کہا ہے ۔

(بی بی سی اگست 1986)

زکوٰۃ و عشر ——— بین الاقوامی انجمن امداد باہمی

حکم خداوندی ہے کہ :۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِہِمْ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمْ وَتُزَکِّیْہِمْ بِہَا (توبہ : ۱۰۳) ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کرو اور اس کے ذریعہ سے ان کو پاک اور طاہر کر دو۔

جائز ذرائع سے حاصل شدہ آمدنی ہوتی ہی ضرورت کے مطابق ہے اور پھر اسے معقول مد میں خرچ کرنے کے بعد بھی جو رقم بچ رہے تو اسے جمع کرنے کا بھی حکم نہیں بلکہ فی سبیل اللہ خرچ کر دو۔ لیکن اگر رقم خدا کے فضل سے بہت ہے اور جمع ہونے لگے تو اسلام نے ایک مقررہ نصاب پر ۲½% سالانہ زکوٰۃ فرض کر دی ہے۔ بارانی زمینوں کی پیداوار کا ۱۰½ فی صد اور چاہی و نہری زمینوں کی پیداوار کا ۵% حصہ بھی سالانہ عشر کے طور پر فرض کر دیا ہے۔ معدنیات اور دفینوں میں سے خمس بھی لیا جائیگا۔ اس نظام کی افادیت و اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مودودی اپنی مذکورہ بالا کتاب میں کہتے ہیں۔

"یہ مسلمانوں کی کوآپریٹو سوسائٹی ہے۔ یہ ان کی انشورنس کمپنی ہے۔ یہ ان کا پراویڈنٹ فنڈ ہے۔ یہ ان کے لئے بے کاروں کا سرمایہ اعانت ہے یہ ان کے معذوروں، اپاہجوں، بیماروں، یتیموں بیواؤں کا ذریعہ پرورش ہے۔ اور ان سب سے بڑھکر یہ وہ چیز ہے جو مسلمانوں کو فکر فردا سے بالکل بے نیاز کر دیتی ہے۔ اس کا سیدھا سادا اصول یہ ہے کہ آج تم مالدار ہو تو دوسروں کی مدد کرو۔ کل تم نادار ہو گئے۔ تو دوسرے تمہاری مدد کریں گے۔ تمہیں یہ فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ مفلس ہو گئے تو کیا بنے گا۔ مر گئے تو بیوی بچوں کا کیا بنے گا۔ کوئی آفت ناگہانی آپڑی، بیمار ہو گئے، گھر میں آگ لگ گئی، سیلاب آگیا، دیوالیہ نکل گیا۔ تو ان مصیبتوں سے مخلصی کی کیا سبیل ہو گی؟ سفر میں پیسہ پاس نہ رہا تو کیوں کر گزر بسر ہو گی؟

ان سب فکروں سے صرف زکوٰۃ تمہیں ہمیشہ کے لئے بے فکر کر دیتی ہے تمہارا بس اتنا کام ہے کہ اپنی پس انداز کی ہوئی دولت میں سے ۲½% دیکر اللہ کی انشورنس کمپنی میں اپنا بیمہ کرا لو۔ اس وقت تم کو اس دولت کی ضرورت نہیں یہ ان کے کام آئے گی جو اس کے ضرورت مند ہیں۔ کل جب تم ضرورت مند ہو گے یا تمہاری اولاد ضرورت مند ہو گی تو نہ صرف تمہارا اپنا دیا ہوا مال بلکہ اس سے بھی زیادہ تم کو واپس مل جائے گا۔"

قانونِ وراثت ـــــــــ قادیانیت پر آخری ضرب

جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے جو دولت حاصل ہو وہ اگر مندرجہ بالا ترغیبات اور احکامات پر عمل کرنے کے باوجود بچ رہے تو اسلام اسے بھی سمٹا رہنے نہیں دیتا بلکہ قانون وراثت کے ذریعے ہر پشت کے بعد دوسری میں اسے پھیلا دیتا ہے اس قانون کے ذریعے کسی شخص کے انتقال کے بعد اس کی چھوڑی ہوئی دولت اس کے رشتہ داروں میں درجہ بدرجہ تقسیم کر دی۔ لیکن اگر کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو پھر یہ دولت اسلامی ریاست کے بیت المال کا حصہ ہے اور پھر یوں پوری مسلم سوسائٹی اس سمٹی ہوئی دولت سے مستفید ہوگی۔

یہ ہے وہ اسلامی نظام زندگی جس کی بنیاد توحید، رسالت و آخرت کے عقیدہ پر ہے یہ نظام جب کسی مسلم معاشرہ میں صحیح طور پر نمودار ہو گا تو وہ مثالی اور قابل تقلید معاشرہ ہو گا لیکن اسلام اپنا یہ عقیدہ اور یہ مکمل نظام حیات کس طرح لوگوں کی زندگی میں نافذ کریگا۔ اسلام اپنا یہ کردار کس طرح ادا کریگا؟ اس سوال کا جواب سید قطب شہید "جادہ و منزل" میں اس طرح دیتے ہیں۔

"اسلام اپنا رول اس وقت تک ادا نہیں کر سکتا جب تک وہ ایک معاشرہ کی صورت میں جلوہ گر نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں اپنا صحیح رول ادا کرنے کے لئے اسلام کے لئے ایک امت اور قوم کی شکل اختیار کرنا ناگزیر ہے۔ دنیا نے کسی دور میں اور بالخصوص دورِ حاضر میں کبھی ایسے، خالی خولی نظریہ پر کان نہیں دھرا جس کا عملی مظاہرہ اسے جیتی جاگتی سوسائٹی میں نظر نہ آئے اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ امتِ مسلمہ کا وجود کئی صدیوں سے معدوم ہو چکا ہے کیونکہ امتِ مسلمہ کسی ملک کا نام نہیں ہے جہاں اسلام بستا رہا ہے اور نہ کسی قوم سے عبارت ہے جس کے آباؤ اجداد تاریخ کے کسی دور میں اسلامی نظام کے سائے میں زندگی گذارتے رہے ہیں بلکہ یہ اس انسانی جماعت کا نام ہے جس کے طور طریقے افکار نظریات قوانین وضوابط، اقدار و معیار، ردّو قبول سب کے سوتے اسلامی نظام کے منبع سے پھوٹتے ہیں۔ اِن اوصاف و امتیازات کی حامل امتِ مسلمہ اسی لمحہ سے نہاں خانۂ عدم کی نذر ہو چکی ہے جس لمحہ روئے زمین پر شریعت الٰہی کے تحت حکمرانی جہانبانی کا فریضہ معطل ہوا ہے۔ لیکن اگر اسلام کو دوبارہ وہ کردار ادا کرنا ہے جس کے لئے آج انسانیت چشم براہ ہے تو ناگزیر ہے کہ پہلے امت کے اصل وجود کو بحال کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے۔

آنسہ بشریٰ خان، جامعہ پنجاب، لاہور۔

اسلام :- خدا تعالیٰ کی نظر میں۔

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران ۱۹)

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر میں اسلام :

كَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ

أَسْلِمْ تَسْلَمْ

محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شہنشاہ روم ہرقل کو لکھا تھا کہ اسلام لے آؤ، ہر طرح کی سلامتی پاؤ گے۔

عصر حاضر :- وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

قسم ہے زمانے کی بے شک انسان بڑے خسارے میں ہے، مگر جو لوگ ایمان

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۝

اور نیک عمل کرتے رہے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے رہے

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہے۔

جیسا کہ آیت مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ اسلام خدا تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک یہ سلامتی اور فلاح کا راستہ ہے۔

معنی اور مفہوم : لغت کی رو سے "اسلام" کے معنی فرمانبرداری کے ہیں لیکن جب گفتگو دین

کی زبان سے ہو رہی ہو تو اس وقت اس لفظ کے معنی صرف اُس فرماں برداری کے ہوتے ہیں جو اللہ تعالٰی کے لئے ہو۔ اور "مسلم" وہ ہوتا ہے جو احکام الٰہی کے مطابق چلے اور ان سے سرتابی نہ کرے۔

احکامِ الٰہی کیا ہوتے ہیں۔ وہ احکام جو خدا تعالٰی کی طرف سے ہوں۔ احکام الٰہی کہلاتے ہیں۔ یہ دو طرح کے ہوتے ہیں ۱۔ تکوینی احکام ۲۔ تشریعی احکام۔

تکوینی احکام:۔ یہ وہ احکام ہیں جن پر عمل چار و ناچار کرنا ہی پڑتا ہے اور جن کی خلاف ورزی ناممکن ہے۔ کیونکہ مخلوق ان کی اطاعت کرنے پر مجبور پیدا کی گئی ہے اور اسے پیدائشی طور پر اس بات کی آزادی بالکل نہیں دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر سُورج کو اس کے اور پوری کائنات کے مالک کا حکم ہے کہ وہ مقررہ وقت پر نکلے اور پھر ایک مقررہ وقت پر ڈوب جائے۔ زمین سے ایک مقررہ فاصلے پر رہے اور روشنی اور گرمی پہنچائے اور انسانوں کو حکم ہے کہ وہ زبان سے بولیں کان سے سنیں، سب کے سب اس بات پر مجبور ہیں کہ ان حکموں کی پابندی کریں۔ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا ان کے بس میں نہیں ہے۔

۲۔ تشریعی احکام:۔ اللہ تعالٰی کے اِن حکموں کو کہتے ہیں۔ جن کی پیروی پیدائشی مجبوری کے ساتھ نہیں ہوتی۔ بلکہ آزاد مرضی کے ساتھ ہوتی ہے۔ مخلوق کو اِن پر عمل کرنے کا بھی اختیار ہوتا ہے اور عمل نہ کرنے کا بھی اختیار ہوتا ہے۔ مثلاً انسان کو حکم ہے کہ وہ ایک خدا کی بندگی کرے۔ لیکن وہ ایسا کرنے کے لئے پیدائشی طور پر مجبور نہیں ہے۔ بلکہ اس کو اس بات کا اختیا دیا گیا ہے کہ چاہے تو اسی ایک خدا کی بندگی کرے، چاہے تو ساتھ، ہزاروں کو خدا بنائے۔ چاہے تو سرے سے خدائی ہی سے انکار کر بیٹھے۔ ان کو شرعی احکام بھی کہتے ہیں۔

دونوں قسم کے احکام، اللہ تعالٰی کے احکام ہیں، اللہ تعالٰی کی اطاعت کا نام "اسلام" ہے یہ ایک کھلی حقیقت ہے۔ اسلام بے ارادہ اور بے اختیار کا بھی دین ہے وہ سب کے سب مسلم ہیں۔ یہ بات صرف عقل و قیاس کی بنا پر نہیں کی جا رہی ہے بسلّمہ حقیقت ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد قرآن حکیم کی تصریحات پر ہے۔

أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران:۸۳)

کیا یہ منکرین حق اللہ کے دین کی بجائے اور دین کے طالب ہیں۔ جبکہ وہ تمام کے تمام اسی کے "مسلم" (فرمانبردار) ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

ہر قوم کا دین اسلام تھا۔ اور قوم کا دین اسلام ہے۔

چونکہ تشریعی احکام کے وہ سارے مجموعے جو پہلے دین سے آج تک آئے ہیں سب کے سب اللہ تعالٰی ہی کے بھیجے ہوئے تھے۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک کی اطاعت اللہ تعالٰی کی اطاعت تھی اور اس بنا پر ان میں ہر ایک کا مجموعہ احکام یعنی ایک دین دراصل "اسلام" ہی تھا۔ ان کے ماننے والے سب کے سب "مسلم" تھے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر عقل کا فیصلہ اور قرآن مجید کی شہادت دونوں متفق ہیں۔

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ بلکہ ایسے مسلم تھے جو ہر طرف سے کٹ کر اللہ کیلئے یکسو ہو چکے تھے۔

"اسلام" اس دین کا نام ہے جو احکام خداوندی کا مکمل مجموعہ ہے۔ یہ دین آنحضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بدولت ہم تک پہنچا ہے اور انشاء اللہ قیامت تک رہے گا۔ احکام الٰہی ہماری ہدایت کے لئے مکمل طور پر آچکے ہیں۔ کوئی نیا مذہب اور نہیں آئے گا۔ اسلام راستہ ہے فلاح کا، نجات کا، اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے بحیثیت دین کے "اسلام" کو پسند کیا ہے۔

اسلام نہ تو رہبانیت کو صحیح سمجھتا ہے اور نہ اس کا دائرہ انفرادی زندگی کے مسائل تک محدود ہے اس کی نوعیت آپ سے آپ متعین ہو گئی ہے۔ یعنی انسانیت کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو اس کے دائرے سے باہر ہو۔ یہ ایک ایسا دین ہے ہر جگہ انسان کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ جو بھی قدم اٹھانا چاہتا ہے اس کی ہدایت کو سامنے موجود پاتا ہے۔ یہ عصر حاضر

کے ہر تقاضے کو پورا کرنا ہے۔

المختصر:۔ یہ ایک ایسا نظام ہے۔ جو انسانی زندگی کے اعتقادی، فکری، اخلاقی اور عملی پہلوؤں کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہے۔

عصرِ حاضر:۔ "سودۃ العصر" کا حوالہ اس لئے دیا ہے تاکہ ہم عصر حاضر کو اسلامی نقطہ نگاہ سے سمجھیں۔ عصر حاضر کو خدا تعالیٰ اور رسولؐ کی پیش گوئی کے حوالے سے پیش کر سکیں۔ آج ہمیں غور کرنا ہے کہ عصر حاضر میں کہاں کہاں گرھیں پڑ گئی ہیں یہ دیکھنا الجھاؤ کہاں کہاں ہے۔ عقدہ کشائی کی صورت کیا ہے کس کس رشتے میں بگاڑ پیدا ہوا ہے۔ اسے از سرِ نو استوار کرنے کی کیا تدبیریں کی جا سکتی ہیں۔ عصر حاضر کے تقاضے کیا ہیں۔

ہمیں پہلے عصر حاضر کا جائزہ لینا ہے کہ کس دھارے پر ہے ہمیں سورہ عصر کی مکمل تشریح و تفسیر دیکھنی ہے۔

اگرچہ مجاہد قتادہ، اور مقاتل نے اسے مدنی سورت کہا ہے لیکن مفسرین کی عظیم اکثریت اسے مکی قرار دیتی ہے اور اس کا مضمون شہادت دیتا ہے یہ مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہوگی جب اسلام کی تعلیم کو مختصر اور انتہائی دل نشین فقروں میں بیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ سننے والے ایک دفعہ ان کو سُنکر بھولنا بھی چاہیں تو نہ بھول سکیں اور وہ آپ سے آپ زبانی لوگوں کی زبان پر چڑھ جائے۔

"العصر" یہ سورت جامع اور مختصر کلام کا بے نظیر نمونہ ہے اس کے اندر چچے تلے الفاظ میں معنی کی ایک دنیا بھر دی گئی ہے۔ جس کو بیان کرنے کا حق ایک پوری کتاب میں بھی مشکل سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ اس میں بالکل دو ٹوک طریقہ بتا دیا گیا ہے کہ انسان کی فلاح کا راستہ کون سا ہے اور بربادی کا راستہ کون سا۔ آج ہم کہاں کھڑے ہیں۔ ہم نفع بخش نہیں خسارے میں ہیں۔ عہد حاضر میں ہماری وقعت کیا ہے۔ کیا واقعی ہم عہد حاضر کے تقاضے نبھا رہے ہیں۔ ہر بات کا جواب سورہ مبارکہ سے ملتا ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا اگر لوگ اس سورہ پر غور کریں تو یہی ان کی ہدایت کے لئے کافی ہے صحابہ کی نگاہ میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حصن الدارمی ابو مدینہ سے روایت کے مطابق اصحاب رسولؐ میں سے جب دو آدمی ایک دوسرے سے ملتے تو اس وقت تک جدا نہ ہوتے جب تک ایک دوسرے کو سورہ عصر نہ سنا دیتے (طبرانی)

سُننے کا مقصد کیا تھا ، صرف ایک دوسرے کے ذہن میں لانا کہ ہم خسارے میں ہیں ۔ ہم خدا اور رسول کو بھولے ہوئے ہیں ۔ ہمیں اُن لوگوں کو دیکھنا چاہیے جو احکام خداوندی پر ایمان لائے ۔ عمل اچھے کرتے رہے ۔ اچھی اچھی باتیں ایک دوسرے کو بتاتے رہے ۔ مشکل کے وقت میں صبر کی تلقین کرتے رہے ۔ وہ لوگ متقی تھے جب کہ ہم خسارے اور تباہی کے دھارے پر کھڑے ہیں ۔ عصر حاضر کا پہلا اور سب سے اہم تقاضہ یہ ہے کہ ہم قرآن کو مضبوطی سے تھام لیں اور ہر کام اسکی روشنی میں کریں ۔

پسِ منظر :۔ زمانے کا لفظ گذرے ہوئے زمانے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور عہدِ حاضر یعنی گذرتے ہوئے وقت کے لئے بھی ۔ جس میں عہدِ حاضر درحقیقت کسی لمبی مدت کا نام نہیں ہے ، ہر آن گذر کر ماضی بنتا ہے اور ہر آن عہدِ حاضر کو مستقبل بنتا ہوتا ہے ۔ یہاں چونکہ مطلقاً زمانے کی قسم کھائی ہے ۔

اس کا مطلب یہ ہے انسانی تاریخ اس بات پر شہادت دے رہی ہے کہ جو لوگ اِن صفات سے خالی تھے وہ بالآخر خسارے میں پڑے رہ گئے ۔ اور عہدِ حاضر کی قسم کھانے کا مطلب سمجھنے کے لئے بھی پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ جو زمانہ گذر رہا ہے وہ دراصل وہ وقت ہے جو ایک ایک شخص اور ایک ایک قوم کو کرنے کے لئے دیا گیا ہے ۔ اس کی مثال اس وقت کی سی ہے جو امتحان گاہ میں طالب علم کو پرچے حل کرنے کے لئے دیا جاتا ہے ۔ یہ وقت جس تیز رفتاری کے ساتھ گذر رہا ہے اس کا اندازہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی گھڑی میں سیکنڈ کی سوئی حرکت ہوتے دیکھنے سے آپ کو ہو جائے گا ۔ حالانکہ ایک سیکنڈ بھی وقت بہت بڑی مقدار طے کر لیتی ہے ۔ اور خدا تعالیٰ کی خدائی میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو روشنی کی رفتار فی سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کا راستہ طے کرتی ہے ۔ تیز ہیں خواہ وہ ابھی تک ہمارے علم میں آئی ہوں یا نہ آئی ہوں ۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم جو کچھ اچھا عمل یا برا فعل کرتے ہیں ۔ وہ سب کچھ محدود مدت اور عمر میں وقوع پذیر ہوتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا اصل سرمایہ تو یہی وقت ہے جو تیزی سے گذر رہا ہے ۔

پابندی وقت :۔ ہمارے عہدِ حاضر کا بہت بڑا تقاضا ہے جو اسلام نے اس سورہ عصر کی مدد سے ہمیں سمجھانے کی کوشش کی ہے ۔

☙

امام رازی نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے۔

میں نے سورہ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے ! رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے اُس کی آواز سُن کر میں نے یہ کہا وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ قسم ہے زمانے کی بے شک انسان خسارے میں ہے۔

عہدِ حاضر کے تقاضے

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ عہد حاضر کے بارے میں اگر میں منصفانہ رائے دوں تو زوال پذیر ہے۔ عہد حاضر کے تقاضے کیا کیا ہیں۔ جو ہمیں اس زوال پذیر زندگی سے بچالیں۔ عہد حاضر کے تقاضے کیا ہیں ! ہم نے تو زمین کو چھوڑا۔ چاند پر کمندیں ڈال دیں آج دوسرے سیاروں پر ہاؤسنگ سوسائٹیاں بنانے کا سوچ رہے ہیں۔ ہم کیوں خسارے میں ہیں ہمارے پاس تو دُنیا کی ہر آسائش موجود ہے۔

بات دراصل یہ ہے عہد حاضر کی بھاگ دوڑ زیادہ تر عیسائیت کے زیر اثر افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ خود عیسائیت سے دور ہو چکے ہیں۔ عصر حاضر کے زوال کے ذمہ دار درحقیقت یہ لوگ ہیں۔ عیسائی بطور عیسائیت کے غرق ہو چکے ہیں۔ آج وہ ایک فلاحی ادارہ یا ہسپتال بنا کر عیسائیت کی پرچار کرتے ہیں۔ ہم جیسے مفلوک الحال اور ناخواندہ لوگ آسانی سے اس جال میں پھنس جاتے ہیں۔

آج مادی یورپ اور چوٹی کی طاقتوں میں باہم طاقت آزمائی کی وجہ ایک دوسرے سے بازی لے جانا اور صرف طبقاتی برتری حاصل کرنا ہے۔ جبکہ وہ انسانیت کی بہبود اور بقا کے لئے کوئی کام نہیں کرتے زیادہ سے زیادہ (Brutal Force) بے لگام طاقت حاصل کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا تباہی کا شکار ہو جائے گی۔ مہذب انسان کا نام بھی باقی نہیں رہے گا اور پھر انسان اس تاریخی زمانے یعنی پتھر اور دھات کے زمانے سے دوچار ہوگا۔ اس لئے اقبال نے کہا ہے ؎

تمہاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے ایک دن خودکشی کریگی

جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا۔

ہمارے تقاضے کیا ہیں۔ دوسروں کی تباہی پر اپنے قلعے تعمیر کریں۔ ہم لوگ بے حس ہوچکے ہیں۔ بلکہ پوری دنیا اس کا شکار ہوچکی ہے۔

وائے ناکامیٔ متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا۔

قوموں کے تنزل و زوال خصوصاً مسلمانوں کے تنزل و زوال پر بہت کچھ خیال آرائی ہورہی ہے۔ اس سلسلے میں ہر مفکر اور ہر ادیب نے اپنی اپنی بساط کے مطابق وجوہات بیان کی ہیں لوگ پڑھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان باتوں پر غور نہیں کرتے۔

کام لشکر، نہ کمک پر زر و مال آتا ہے

اپنے اعمال برے ہوں تو زوال آتا ہے

عیش کوشی کی سزا مفلسی و دربدری

یا وہ طنطنہ وہ جاہ و جلال آتا ہے

دیکھی جاتی نہیں مسلمانوں کی ایسی حالت

دوستو! رحمتِ باری کو جلال آتا ہے۔

مسلمان دانشوروں نے وراثت میں ملنے والی الہامی سچائیوں کو طاقِ نسیاں پر رکھ دیا ہے اور خود جھوٹے نگوں کی ریزہ کاریوں پر فدا ہوگئے۔ سب سے پہلے فتنہ استبداد نے سر اٹھایا، پھر فتنہ حریت نے۔ معلوم ہوتا ہے علم، اخلاق۔ مذہب تقوے کوئی شے بھی اب زمانے کو مطلوب نہیں رہی۔ جو کہ عہد حاضر کے تقاضے ہیں۔

چند مجہول الفاظ کی رٹ لگانے والا دانشور ہے امام العصر ہے اور قائد ہے انقلاب، عوام مساوات، بھوک، ننگ، لیکن مسلمان تو شکم کا بندہ نہیں اقبال فرماتے ہیں۔

زوالِ بندہ مومن بے زری نہیں۔

یعنی تنگ دستی اور عسرت سے کبھی کسی مومن کا زوال نہیں آتا۔ یہ ایک گہری سازش ہے۔

آج ہمیں باور کرایا جارہا ہے کہ تمہاری پستی کا باعث تمہارا دین ہے۔ حالانکہ اب خود کفار دین اسلام کے برحق ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

أ وقت کا اہم تقاضا ـــــــــ اخلاقی نظام حیات کو بہتر بنانا۔

معمولی حالات میں، جبکہ زندگی کا دریا سکون کے ساتھ بہہ رہا ہو۔ انسان ایک طرح کا اطمینان محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ اوپر کی صاف شفاف سطح ایک پردہ بن جاتی ہے جس کے نیچے تہ میں بیٹھی ہوئی گندگیاں اور غلاظتیں چھپی رہتی ہیں اور پردے کی اوپری صفائی آدمی کو اس بات کا تجسس کرنے کی ضرورت کم ہی محسوس ہونے دیتی ہے کہ تہہ میں کیا چھپا ہے اور کیوں چھپا ہے۔ لیکن جب اس دریا میں طوفان برپا ہوتا ہے تو نیچے کی چھپی ہوئی ساری گندگیاں اور غلاظتیں اُبھر کر برسرِ عام سطح دریا پر بہنے لگتی ہیں۔

اس وقت اندھوں کے سوا ہر وہ شخص، جس کے دیدوں میں کچھ بھی بینائی کا نور باقی ہو۔ ہر اشتباہ کے بغیر صاف صاف دیکھ لیتا ہے۔ جب عام انسانوں میں اس ضرورت کا احساس پیدا ہو سکتا ہے کہ اس منبع کا سراغ لگائیں جہاں سے دریائے زندگی میں یہ گندگیاں آرہی ہیں اور اس تدبیر کی جستجو کریں جس سے اس دریا کو پاک اور صاف رکھا جاسکے فی الواقع اگر ایسے وقت میں بھی لوگوں کے اندر اس ضرورت کا احساس بیدار نہ ہو تو یہ اس بات، کی علامت ہے کہ نوعِ انسان اپنی غفلت سے مدہوش ہو کر سود و زیاں سے بالکل بے فکر ہو چکی ہے۔

یہ زمانہ جس سے ہم آجکل گذر رہے ہیں غیر معمولی حالات کا زمانہ ہے دریائے زندگی اسوقت طغیانی پر ہے ملک ملک اور قوم قوم کے درمیان سخت کش مکش برپا ہے اور یہ کشمکش اتنی گہرائی تک اُتری ہوئی ہے کہ بڑے بڑے مجموعوں سے گذر کر خرد برد تک کو نزاع کے میدان میں کھینچ لائی ہے اس طرح عالم انسانی کے بیشتر حصہ نے اپنے وہ تمام اخلاقی اوصاف اگل کر منظرِ عام پر رکھ دیئے ہیں۔ جنہیں وہ مدتوں سے اندر ہی اندر پرورش کر رہا تھا۔ اب ہم ان گندگیوں کو علانیہ سطح زندگی پر دیکھ رہے ہیں۔ جن کو تلاش کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ تعمق کی ضرورت تھی اب صرف ایک مادرزاد اندھا ہی اس غلط فہمی میں مبتلا رہ سکتا ہے کہ بیمار کا حال اچھا ہے۔ اور صرف وہی لوگ بیماری کی تشخیص اور علاج کی فکر سے غافل رہ سکتے ہیں جو حیوانات کی طرح

اخلاقی حس سے بالکل خالی ہو اُن کے احساسات پر فالج گر گیا ہو۔

"عصر حاضر اپنی تغیر پذیری اور زیادہ صحیح الفاظ میں اپنی تغیر پرستی یا اقبالؒ کے الفاظ میں تازہ پسندی کے لئے بھی زیادہ بدنام ہے اور بدکم ہے بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ زمانہ تغیر پذیری ہی کا نام ہے اس میں کوئی ٹھہراؤ نہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ عصر حاضر ثبات اور تغیر کے متوازن مرکب اور مجموعے کا نام ہے۔ جب کبھی اس کا تناسب بگڑ جائے گا یعنی ٹھہراؤ تغیر پر غالب آجائے گا یا تغیر ٹھہراؤ پر غالب آجائے گا تو زمانے سوسائٹی اور تہذیب کا اقوام بگڑ جائے گا ان دونوں کے تناسب کا معاملہ کیمیاوی اجزا کے تناسب سے بھی کہیں زیادہ نازک ہے زمانہ جہاں تغیر کی صلاحیت رکھتا ہے اس کو بدلنا چاہیے۔

وہ زندگی، زندگی کہلانے کی مستحق نہیں جس میں نمو کی صلاحیت مفقود ہو چکی ہو۔ درخت شاداب اور پر ثمر نہیں کہلایا جا سکتا جو اپنی نمو کی صلاحیت کھو دے۔ زمانہ تغیر قبول کرنے کے ساتھ ساتھ مقابلے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔

آج عصر حاضر کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ پوری انسانیت کا جسم اخلاقی حیثیت سے سڑ گیا ہے پہلے قحبہ خانے اور قمار خانے اخلاقی پستی کے سب سے بڑے پھوڑے سمجھے جاتے تھے۔ آج تو جدھر دیکھتے ہیں انسانی تمدن پورا پورا ہی پھوڑا نظر آتا ہے۔ قوموں کی پارلیمنٹ اور اسمبلیاں۔ حکومتوں کے سیکریٹریٹ اور وزارت خانے۔ عدالتوں کے ایوان اور وکالت خانے۔ پریس اور نشر گاہیں یونیورسٹیاں اور تعلیمی ادارے۔ بنک اور صنعتی تجارتی کاروبار کے مجامع سب کے سب پھوڑے ہیں جو کسی تیز نشتر کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ علم جو سب کا عزیز ترین جوہر ہے آج اس کا ہر شعبہ انسانیت کی تباہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

زندگی سے بھرپور فائدہ اُٹھانا، خاطر خواہ لطف اندوز ہونا اور فی الواقع کامیاب زندگی گذارنا ہمارا حق ہے لیکن اُسی وقت! جب ہم زندگی کا سلیقہ جانتے ہوں۔ کامیاب زندگی کے اصول و آداب سے واقف ہوں اور نہ صرف واقف ہوں بلکہ عملاً ان اصول و آداب سے اپنی زندگی کو آراستہ و شائستہ بنانے کی کوشش میں پیہم سرگرم بھی ہوں۔

ادب وسلیقہ، وقار شائستگی، نظامت و پاکیزگی، تمیز و حسن، انتخاب، ترتیب و تنظیم لطافت

احساس و ذوق ، عالی ظرفی اور شرافت طبع ، ہمدردی اور خیر خواہی ، نرم خوئی اور شیریں کلامی ۔ تواضع اور انکساری ۔ ایثار و قربانی ، بے غرضی اور خلوص ، استقلال و پامردی ، فرض شناسی اور مستعدی ، خدا ترسی ۔ پرہیزگاری ، توکل و جرأت اقدام

یہ اسلامی زندگی کے وہ دلکش خد و خال ہیں جن کی بدولت مومن کی بنی سنوری زندگی وہ غیر معمولی کشش اور اتھاہ جاذبیت پیدا ہوتی ہے کہ صرف اہل اسلام بلکہ اسلام سے ناآشنا بندگان بھی بے اختیار اسکی طرف کھنچنے لگتے ہیں اور عام ذہن یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جو انسانیت نواز تہذیب، تہذیب زندگی کو نکھارے ، سنوارنے اور غیر معمولی جاذبیت سے آراستہ کرنے کے لئے انسانیت کے یہ بیش بہا اصول و آداب عطا کرتی ہے ۔

کسی شخص کی رُوح میں پاکیزگی ہے یا گندگی ۔ اس بات کی پہلی اور سب سے عام کسوٹی اس کے اخلاق ہوتے ہیں ۔ باطن جس طرح کا ہو گا اخلاق بھی ویسے ہی ظہور میں آئیں گے ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انسان کے اخلاق ہی اس کی انسانیت کے آئینہ دار مانے جاتے ہیں ۔ جہاں تک دین اسلام کا تعلق ہے اس کا فیصلہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس نے حُسنِ اخلاق کو بڑی زبردست اہمیت دی ہے ۔ اتنی کہ ایک پہلو سے گویا حاصلِ دین یہی ہے ۔

حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بقول

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ ٥

میں اس لئے بھیجا گیا ہوں ، تاکہ حسن اخلاق کی تکمیل کروں (مشکوٰۃ بحوالہ موطا)

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ (مسلم)

نیکی حسن خلق کا نام ہے ۔

ہمیں اسلامی اخلاقیات کی حیثیت جان لینی چاہیے یعنی یہ کہ اسلام میں ہمیشہ اچھے اور بُرے اخلاق طے شدہ ہیں ۔ اگر طے شدہ ہیں تو ہمیشہ کے لئے طے شدہ ہیں ۔ یا حالات زمانہ کی بنا پر ان میں کوئی تغیر ہو سکتا ہے ۔ ان سوالوں کا جواب یہ ہے کہ اچھے اور بُرے اخلاق کا فیصلہ کرنے والی ایک متعین اتھارٹی ہے اور وہ ہے اللہ رسول ؐ کی اتھارٹی ۔ اخلاق اچھا وہ ہے جس کو اللہ رسول ؐ نے اچھا کہا ہو اسی طرح بُرا اخلاق وہ ہے جس کو اللہ رسول ؐ نے بُرا کہا ہو ۔ اسی طرح اچھے اور بُرے اخلاق کا مسئلہ طے شدہ ہے ۔ اخلاقیات کی ایک مستقل بنیاد ہے اور وہ سب کی

سب اسلام کے بنیادی اصولوں کا راست ثمرہ ہیں اس لئے وہ مستقل اور ناقابل تغیر بھی ہیں۔

عصر حاضر کا کوئی تقاضہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کے لئے ان اخلاقیات
کا ایک شوشہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا دیا جا سکتا ہو۔

سچائی اور دیانت داری ہر حال میں بہترین انسانی صفت رہے گی۔ انصاف اس وقت بھی ضروری ہوگا۔ جبکہ اپنا نقصان ہو رہا ہو۔ وعدہ خلافی کسی دشمن سے بھی روا نہیں۔ غرض اخلاقیات ہر حال میں اپنی جگہ پر قائم رہنے والی ہیں۔

یہ اسلامی اخلاقیات کی حیثیت۔ اسے ذہن میں رکھ کر اب ان کے جائزے کی طرف آئیں۔ پہلے ان اخلاقیات کو لیتے ہیں۔ جن کا تعلق انسان کی عام زندگی سے ہے اِن اخلاقیات کی ہمیں قدم قدم پر ضرورت ہوتی ہے اِن کا سہارا چھوڑ دیں تو تباہی یقینی ہے۔

اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (قصص : ۷۷)

لوگوں کے ساتھ بھلائی کر، جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران ۱۳۴)

(ان متقیوں کے لئے) جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ (حج : ۳۸)

بلاشبہ اللہ کسی دغا باز اور ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (بنی اسرائیل:۲۶)

اور فضول خرچی نہ کرو۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان : ۱۸)

لوگوں سے باتیں کرتے وقت اپنے گالوں کو ٹیڑھا نہ رکھ، نہ زمین پر اترا کر چل۔ کوئی شک نہیں کہ اللہ کسی مغرور اور شیخی باز کو بالکل پسند نہیں کرتا۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (ہمزہ : ۱)

ہلاکت ہے ہر طعنہ دینے والے اور عیب لگانے والے کیلئے حضور ؐ نے فرمایا ہے۔

"بلاشبہ سچائی نیکی کی طرف اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے۔"
"اور جھوٹ بدی کی طرف اور بدی دوزخ کی طرف راہ دکھاتی ہے۔" (بخاری و مسلم)
"تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے۔" (مشکوٰۃ)
"نرمی اختیار کرو، درشتی اور بدکاری سے دور رہو۔" (مسلم)
"چغلی کھانے والا جنت سے محروم رہے گا۔" (مسلم)
"اللہ اس شخص پر رحم نہ کرے گا جو دوسرے لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔" (بخاری)
"دغاباز، بخیل اور احسان جتلانے والے جنت میں نہ جائیں گے۔" (ترمذی)
"اسلام کی اِن عام اور بنیادی قسم کی اخلاقی تعلیمات کے بعد اِن اخلاقیات کی طرف آیئے جس کی اس نے زندگی کے مخصوص دائروں کو سامنے رکھتے ہوئے کی ہے۔

(i) انسانی زندگی کا سب سے پہلا دائرہ اسکی گھریلو زندگی ہے۔ جہاں اس کا اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ فطری طور پر بڑی گہری محبت ہوتی ہے اس لئے وہ عموماً اِن کے ساتھ ایثار و قربانی کا سلوک بھی لازماً کرتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ یہ سلوک محض ایک تقاضائے فطرت ہی نہیں بلکہ دینی فریضہ بھی ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (نساء: ۱۹)
اپنی عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے رہو سہو۔

حضورؐ کا ارشاد ہے۔ خِيَارُكُمْ، خِيَارُكُمْ لِنِسَائِكُمْ۔ (ترمذی)
تم میں سے سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں اچھے ہوں۔

(ii) **خاندانی زندگی**: گھریلو زندگی کے آگے خاندانی زندگی کا دائرہ آتا ہے۔ جہاں انسان کا واسطہ ماں باپ اور بہن بھائی وغیرہ قریبی رشتہ داروں سے پیش آتا ہے۔ والدین کے ساتھ جس رویے کے اختیار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا اندازہ صرف اِسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے اِن کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم اپنی بندگی کے ساتھ ساتھ دیا ہے۔

"اِن کے لئے فروتنی کے بازوؤں کو رحم و شفقت سے جھکا دو اور دعا کرو کہ پروردگار ان پر رحمت نازل فرما۔ جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا۔
"تمہارے والدین تمہاری جنت اور دوزخ ہیں (ابن ماجہ بحوالہ مشکوٰۃ)
جو نیکوکار اولاد اپنے والدین پر محبت اور شفقت کی نظر ڈالتی ہے اللہ تعالٰی اس کی

ایسی ہر نظر کے بدلے اسے ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرماتا ہے (بحوالہ مشکوٰۃ)
رشتہ داروں سے ہمہ گیر حسنِ سلوک کی ہدایت فرمائی ہے۔ رشتہ داروں کے ساتھ اچھے سلوک کو اصطلاح میں صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔ جس کے معنی ہیں خونی رشتوں کو جوڑے رکھنا اور ان کی پاسداری کرنا قرآنِ حکیم نے صلہ رحمی کو انسانیت اور دینداری کا ایک بنیادی پتھر قرار دیا ہے اور اسکی بار بار تلقین کی ہے رسول کریم ؐ فرماتے ہیں کہ صلہ رحمی ایمان کے لوازم میں سے ہے۔

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ (بخاری)

جو کوئی اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ (بخاری)

رحمی رشتے کاٹنے والا جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔

iii **اہل پڑوس اور اہل محلہ** :۔ خاندان کے بعد پڑوس اور محلے کا دائرہ آتا ہے حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے۔

" جبریل مجھے پڑوسی کے حق میں برابر وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہو چلا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے ؟

جس شخص کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہو وہ جنت میں نہ جائے گا۔

iv **معاشرتی زندگی کا دائرہ** :۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (نساء : ۳۶)

ترجمہ :۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اچھا سلوک کرنے کا، والدین نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں، اجنبی ہمسایوں پہلو میں بیٹھنے والوں، مسافروں اور غلاموں کے ساتھ"

انسانی تعلقات کی رو سے لوگوں کی جتنی قسمیں ہو سکتی تھیں اِس آیت نے اِن میں سے ایک

ایک کا نام لیکر گنا دیا ہے اور سب کے بارے میں یہ جامع ہدایت کر دی ہے کہ عام زندگی میں ہمارا ایک دوسرے کا رویہ لازماً احسان اور بھلائی کا ہونا چاہیے۔ یہ اسلام ہے۔ یہ عصر حاضر کے تقاضے ہیں۔ جن کی مثال کسی ماڈرن علم۔ کسی مذہب سے نہیں ملتی ہے۔

حکومتی دائرہ

حکومتی دائرہ:- ہم دیکھ رہے ہیں کہ پوری پوری قومیں بڑے پیمانے پر اُن بدترین اخلاقی، صفات کا مظاہرہ کر رہی ہیں جن کو ہمیشہ سے انسانیت کے ضمیر نے انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ بے انصافی، بے رحمی، جھوٹ۔ دغا۔ ظلم وستم۔ مکر، بدعہدی، خیانت، بے شرمی نفس پرستی اور استحصال بالجبر ایسے جرائم ہیں جو انفرادی جرائم نہیں بلکہ قومی اور حکومتی اخلاق کی حیثیت سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی قومیں اجتماعی حیثیت سے وہ سب کچھ کر رہی ہیں۔ جس کا ارتکاب کرنے والے افراد جیلوں میں ٹھونسے جاتے ہیں۔ ہر قوم نے چھانٹ چھانٹ کر اپنے بڑے سے بڑے مجرموں کو اپنا لیڈر بنایا ہے۔ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف جھوٹ تصنیف کر کے علانیہ نشر کر رہی ہے اور ریڈیو کے ذریعے ان جھوٹ سے فضائے اثیر تک کو گندہ کر دیا ہے پورے پورے ملکوں اور براعظموں کی آبادیاں لٹیروں اور ڈاکوؤں میں تبدیل ہو گئی ہیں اور ہر ڈاکو عین اس وقت ڈاکہ مار رہا ہوتا ہے جب وہ نہایت بے شرمی کے ساتھ اپنے مخالف کی ساری گناہ کاریوں کا شکوہ کرتا ہے جن سے داغدار ہونے میں اسکا اپنا دامن بھی اپنے حریف سے کچھ کم سیاہ نہیں ہوتا۔

اسلامی سوسائٹی میں ہر فرد کی سیاسی اور انتظامی پہلو سے ایک متعین حیثیت ہوتی ہے یا تو وہ صاحب امر ہو گا یا مامور ہو گا۔ حاکم کا مقام رکھتا ہو گا یا رعایا کا۔ اگر وہ صاحب امر ہے اور حاکم کا مقام رکھتا ہے تو اپنی رعایا کے ساتھ اس کا جو رویہ ہونا چاہیے اس کی وضاحت ارشادِ نبوی سے ہوتی ہے۔

"اور جو کوئی امیر مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار ہوتے ہوئے بھی ان کے لئے مشقتیں نہیں جھیلتا اور نہ ان کی خیر خواہی کرتا ہے وہ اِن کے ساتھ جنت میں نہ جائے گا۔"
آپؐ نے فرمایا" دین خیر خواہی اور وفاداری کا نام ہے پوچھا گیا کس کی وفاداری کا؟ فرمایا اللہ کی اس کے رسولؐ کی مسلمانوں کے امراء کی اور سارے اہل اسلام کی۔

یعنی دینداری اور عہد حاضر کے تقاضوں میں یہ بات لازماً شامل ہے کہ امراء کا رویہ اپنی رعایا کے ساتھ اور رعایا کا رویہ اپنے امراء کے ساتھ دونوں کا خیرخواہی اور خلوص ہو۔

اخلاق انسانی کے لئے آخری کونسی بنیاد ہے وہ یہ کہ اخلاق کو سنوارنے کے لئے صرف ایک ہی بنیاد صحیح ہے وہ اسلام فراہم کرتا ہے یہاں فلسفہ اخلاق کے تمام بنیادی سوالات کا جواب ہم کو ملا ہے اور ایسا جواب ملتا ہے جس کے اندر وہ کمزوریاں موجود نہیں ہیں جو فلسفیانہ جوابات میں پائی جاتی ہیں یہاں مذہبی اخلاقیات کی اُن کمزوریوں میں بھی کوئی کمزوری موجود نہیں جن کی وجہ سے نہ صرف مستحکم سیرت کی تعمیر کر سکتے ہیں۔ اور یہ نہ انسان کو تمدن کی وسیع ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل بناتے ہیں یہاں ایک ہمہ گیر اخلاقی راہ نمائی ملتی ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں ترقی کے انتہائی ممکن درجات تک ہمیں لے جاسکتی ہیں یہاں وہ اخلاقی اصول ہم کو ملتے ہیں جن پر ایک صالح ترین نظامِ تمدن قائم ہوسکتا ہے۔ اگر ان اصولوں پر انفرادی و اجتماعی کردار کی بنیاد رکھی جائے تو انسانی زندگی اُس فساد سے محفوظ رہ سکتی ہے جس سے وہ اس وقت دوچار ہے۔

یہ وہ بنیادیں جو اخلاقِ انسان کی تعمیر کے لئے اسلام نے فراہم کی ہیں اسلام کسی ایک قوم کی جائداد نہیں بلکہ تمام انسانیت کی مشترکہ میراث ہے اور سارے انسانوں کی فلاح اس کے پیشِ نظر ہے۔ اس لئے ہر اُس شخص کو جو اپنی اور انسانیت کی فلاح کا خواہش مند ہو یہ سوچنا چاہیے کہ آیا انسانی اخلاق کی تعمیر کے لئے یہ بنیادیں بہتر ہیں جو اسلام ہمیں دے رہا ہے یا وہ روحانی مذاہب یا فلسفیانہ مسالک ہم کو دیتے ہیں۔

عالمی امن واخوت ________ وقت کا نازک ترین مسئلہ

ہر شخص کے لئے اور دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ایک پریشان کن گتھی بنا ہوا ہے کہ آخر ہم انسانوں کی زندگی سے امن چین کیوں رخصت ہوگیا ہے؟ کیوں آئے دن مصیبتیں ہم پر نازل ہو رہی ہیں۔ کیوں ہماری زندگی کی کل بگڑ گئی ہے۔ قومیں قوموں سے ٹکرا رہی ہیں۔ ملک ملک میں کھینچا تانی ہو رہی ہے۔ آدمی آدمی کے لئے بھیڑیا بن گیا ہے۔ لاکھوں انسان لڑائیوں میں برباد ہو رہے ہیں۔ کروڑوں اور اربوں روپے کے کاروبار غارت ہو رہے ہیں۔ بستیوں کی بستیاں

اُبھر رہی ہیں۔ طاقتور کمزور کو کھائے جا رہے ہیں۔ حکومت میں ظلم ہے۔ عدالت میں بے انصافی دولت میں بد مستی۔ اقتدار میں غرور ہے۔ دوستی میں بے وفائی ہے۔ امانت میں خیانت انسان پر انسان کا اعتماد اُٹھ گیا ہے۔ ہر گروہ دوسرے گروہ کو دغا، ظلم بے ایمانی، ہر ممکن طریقہ سے نقصان پہنچانا کارِ ثواب سمجھ رہا ہے۔ یہ ساری خرابیاں آخر کس وجہ سے ہیں۔

خدا کی خدائی میں اور ہم جس طرف دیکھ رہے ہیں امن ہی امن ہے۔ ستاروں میں امن ہے۔ ہوا میں امن ہے۔ پانی میں امن ہے درختوں اور جانوروں میں امن ہے۔ تمام مخلوقات کا انتظام پورے امن سے چل رہا ہے۔ کہیں فساد یا بدنظمی کا نشان نہیں پایا جاتا ہے۔

مگر ایک انسان ہی اس نعمت سے محروم ہو گیا ہے جواب یہ ہے۔

آدمی نے اپنی زندگی کو حقیقت اور واقعہ کے خلاف بنا رکھا ہے اس لئے وہ تکلیف اُٹھا رہا ہے اور جب تک وہ حقیقت کے مطابق نہ بنائے گا وہ کبھی چین نہ پا سکے گا

آدمی کو قابو میں رکھنے والی چیز صرف ذمہ داری کا احساس ہی ہے۔ اگر کسی شخص کو یقین ہو جائے کہ وہ جو چاہے کرے کوئی اس سے جواب طلب کرنے والا نہیں ہے اور نہ اس کے بغیر ایسی کوئی طاقت ہے جو اسے سزا دے سکے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ شتر بے مہار بن جائے گا۔ یہ بات جس طرح ایک شخص کے معاملے میں درست ہے اُسی طرح ایک خاندان، ایک قوم اور تمام دنیا کے انسانوں کے معاملے میں بھی صحیح ہے ایک خاندان جب یہ محسوس کرتا ہے کہ اس سے کوئی جواب طلب نہیں کر سکتا تو وہ بے قابو ہو جاتا ہے۔ ایک طبقہ جب ذمہ داری اور جوابدہی سے بے خوف ہو جاتا ہے تو دوسروں پر ظلم ڈھانے میں اُسے کوئی تامل نہیں ہوتا۔ ایک قوم جب اپنے آپ کو اتنا طاقتور پاتی ہے تو اپنی زیادتی کے کسی بُرے نتیجہ کا خوف اُسے نہیں ہوتا۔ تو وہ جنگل کے بھیڑیے کی طرح کمزور بکریوں کو پھاڑنا شروع کر دیتا ہے۔ دنیا میں جتنی بدامنی پائی جاتی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہی تسلیم ہے۔

جب تک اسے یقین نہ ہو کہ مجھ سے اوپر کوئی ایسا ہے جس کو مجھے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اور جس کے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہے کہ مجھے سزا دے سکتا ہے۔ اس وقت تک یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ ظلم کا دروازہ بند ہو اور صحیح امن قائم ہو سکے۔

اسلام ایک امن دوست، امن پرور اور امن آفرین دین ہے جس کے ایک ایک امر و نہی

حکم وحکمت اور امت ومحبت اور اخوت اسی طرح پیوست ہے جیسے گلاب کی پنکھڑیوں میں خوشبو اور بہترین ذائقہ رچا ہوا ہوتا ہے نیز اس کے ایک ایک جزو سے بدامنی اور انتشار پسندی اس طرح منقطع ہوگئی ہے جس طرح سورج سے ظلمت اور چمکتے ہوئے دن سے اندھیرا دور ہے۔ دنیا عالم کے مذاہب کے بارے میں ہے کہ کسی بھی مذہب نے بدامنی اور انتشار اور فرقت باہمی پسندی نہیں کی۔ بلکہ امن کا ہی پیغام دیا ہے۔ ہمیں اصولاً اس سے انکار نہیں کہ دنیا کے مذاہب نے انتشار اور بدامنی کو پسند نہیں کیا۔ لیکن مذاہب کی تاریخ سے یہ اندازہ کر لینا کچھ مشکل نہیں کہ اور مذاہب نے اگر فتنہ انتشار سے بچایا، تو اسلام نے۔ فتنہ انتشار کو جڑ بنیاد سے مٹایا ہے انسانی زندگی کے کسی گوشے میں انتشار و فرقت کے جراثیم کو پلنے کا موقع نہیں دیا۔

اس نقطہ نظر سے اسلام کے اصول و فروغ کو اگر سرسری نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو مجموعی حیثیت سے پورا اسلامی امن وآشتی کا پیغام اور اخوت اور ملنساری، امن وسکون کا ایک مکمل پروگرام اور عالمی امن کا ایک ایسا فطری نظام نظر آئے گا کہ مسلمان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا اسلام لائے بغیر کبھی بھی امن وسکون کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔

ارشاد ربانی ہے۔

پس اس دین کا بنیادی عنوان ایمان ہی امن کا ایک مستقل اعلان ہے۔

عادت ہو یا عبادت، معاشرت ہو یا معیشت، خلوت ہو یا جلوت، انفرادیت ہو یا اجتماعیت ہر دائرہ میں عالمی امن، بین الاقوامی اخوت، محبت ومروت، شفقت وایثار اور نرم خوئی کا ہی منظر پیش کیا تاکہ کوئی فرد فرد کے لئے اور کوئی قوم قوم کے لئے درد اور اذیت کا باعث نہ بنے۔ غرض اسلام نے زندگی کے ہر دائرہ اور ہر موڑ سے بدامنی انتشار پسندی اور تفرقہ اندازی کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی ہیں۔

یہ اسلام ہے جو عالمی امن واخوت کا درس دیتا ہے۔

جہاد - ایک اہم مسئلہ - فوری توجہ کا حامل

آج کا جہاد، وقت کا فریضہ اور عصر حاضر کی سب سے بڑی دینی ضرورت یہ ہے کہ لادینیت کی اِس طوفانی موج کا مقابلہ کیا جائے جو عالم اسلام کے سر سے گذر رہی ہے نہیں بلکہ اس کے قلب و مرکز پر حملہ کیا جائے۔ وقت کا تجدیدی کام یہ ہے کہ امت کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے میں اسلام کی اساسات و عقائد اس کے نظام و حقائق اور رسالت محمدی پر وہ اعتماد واپس لایا جائے۔ جس کا رشتہ اس طبقے کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔

آج کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اس فکری اضطراب اور ان نفسیاتی الجھنوں کا علاج بہم پہنچایا جائے جن میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بُری طرح گرفتار ہے اور اس کی عقلیت اور علمی ذہن کو اسلام پر پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔

آج کا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جاہلیت کے وہ بنیادی افکار جو دل و دماغ میں گھر کر گئے ہیں۔ ان سے علم اور عقل کے میدانوں میں نبرد آزمائی کی جائے یہاں تک کہ اسلام کے اصول و مبادی پورے ایمانی جذبات کے ساتھ ان کی جگہ لے لیں۔

کامل ایک صدی گذرتی ہے کہ یورپ ہمارے نوجوان اور ذہین طبقے پر چھاپے مار رہا ہے۔ شک والحاد، نفاق وارتیاب کا ایک طوفان ہے جو اس نے ہمارے دل و دماغ پر برپا کر رکھا ہے۔ غیبی اور ایمانی حقائق پر اعتماد متزلزل ہو رہا ہے اور سیاست اور اقتصاد کے مادہ پرستانہ نظریات اس جگہ پر قابض ہو رہے ہیں۔ کامل ایک صدی سے اس شکست و ریخت کا سلسلہ جاری ہے لیکن ہمیں اس کے مقابلے کی کوئی فکر نہیں ہوئی۔ ہم نے اسکی کوئی پروا نہیں کی کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق قدیم علمی ترکہ پر اضافہ کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔

ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی کہ یورپ کے فلسفیوں کو سمجھیں اور پھر ان کا علمی محاسبہ بلکہ سرجنوں کی طرح پوسٹ مارٹم کریں۔ ہمارا سارا وقت سطحی بحث کی نظر ہو رہا ہے یہاں تک کہ آج ہمارے سامنے گویا یکایک یہ منظر آیا کہ ایمان و عقیدہ کی دنیا متزلزل ہے اور ایک ایسی نسل تیار ہو کر بر سر اقتدار آ چکی ہے

جو نہ اسلام کے عقائد و مبادی پر ایمان رکھتی ہے اور نہ اسلامی جذبات اور اسلامی حمیت سے معمور ہے اور نہ اس کا کوئی علاقہ اپنی مومن و مسلم قوم سے اس کے سوا ہے اب یہ حال ہے کہ لادینی مزاج اور لادینی انداز فکر، ادب و ثقافت اور صحافت و سیاست کے راستے سے جمہور تک پہنچ چکا ہے اور مسلمان قوموں کے سر پر عمومی پیمانے کی لادینیت کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔

مقدس ترین جہاد

دعوتِ ایمان

یہ وقت عالم اسلامی میں ایک نئی اسلامی دعوت کا متقاضی ہے اس دعوت و جدوجہد کا نعرہ اور نشانہ ہو۔

"آؤ پھر سے اسلام پر ایمان پیدا کریں"

بے غرض داعیوں کی ضرورت:۔ آج عالم اسلام کو ایسے مردانِ کار کی ضرورت ہے جو صرف اسی دعوت کے پیچھے ہو رہے ہیں۔ اپنا علم اپنی صلاحیتیں اور اپنا مال و متاع اس کے لئے وقف کر دیں کسی جاہ و منصب یا عہدہ حکومت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں کسی کے لئے ان کے دل میں کینہ و عداوت نہ ہو۔ فائدہ پہنچائیں مگر خود فائدہ نہ اٹھائیں، دینے والے ہوں لینے والے نہ ہوں۔ اخلاص ان کا شعار ہو اور نفس پرستی۔ خود پسندی اور ہر قسم کی عصبیت سے بالاتری اِن کا امتیاز ہو۔

دعوت ایمان کیلئے علمی اداروں کی ضرورت

آج ایسے علمی اداروں کو عالم اسلامی کی بڑی اہم ضرورت ہے جو ایسا طاقتور نیا اسلامی ادب پیدا کریں جو ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دوبارہ کھینچ کر اسلام ــــ وسیع معنی میں اسلام ــــ کی طرف لاسکے، جو انہیں مغرب کے اِن فلسفیوں کی ذہنی غلامی سے نجات دلاسکے نوجوانوں کے دماغوں میں از سرِ نو اسلام کی بنیادیں اُٹھائے اور قلب و روح کی غذا بنے۔ اس کام کے لئے عالم کے لئے عالم اسلام کے ہر گوشے میں آج ایسے ارباب عزیمت درکار ہیں جو معرکے کے اختتام

تک اس علمی محاذ پر جمے رہیں ،

عصرِ حاضر میں جدید سائنس کا تعلّق مذہب سے اہم تقاضا

جدید سائنس کی باگ ڈور چونکہ زیادہ تر عیسائیت کے زیر اثر افراد کے ہاتھوں میں رہی ہے اور وہ اپنے مذہب اور سائنس میں مطابقت تلاش نہیں کرسکے اس لئے وہ مذہب ہی سے بیزار ہوگئے ہیں۔ عسائیت اپنی اصلیت سے ہٹ چکی ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک مذہب کا ایک ہی مصرف رہ گیا ہے۔ دنیا میں سیاسی بے چینی۔

اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو ہر قوم اور ہر زمانے کی راہ نمائی کرسکتا ہے۔ سائنس کی ایجادات اسلامی تعلیمات کی تائید کر رہی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ سائنس کے اصولوں میں سے کسی بھی اسلام کے اصولوں کا ٹکراؤ یا تصادم نہیں ہوا۔ جو لوگ کہتے ہیں اِن دونوں میں متابلہ ہے۔ وہ غلطی پر ہیں۔ وہ اِن کی حدود اور دائرہ ہائے کار کا تعین نہیں کر پائے۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام اصولِ کُل ہے اور سائنس کُل کا بھی ایک حِصّہ۔ ایک حصّے کا اپنے کل سے کیا ٹکراؤ ہو سکتا ہے ؟ مذہب اِس محسوسات کی دنیا سے بھی تعلق رکھتا ہے اور آخر کے معاملات سے بھی کیوں کہ یہ دنیا آخرت سے علیحدہ نہیں۔ دنیا میں دین ہے۔

الدُّنیا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ

دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

یہ تصور اسلام نے دیا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اپنے ہر معاملے کو اسلام کی رُو سے دیکھنا چاہیئے۔ وہ گھریلو زندگی سے شروع ہو۔ یا حکومت کا سیاسی پہلو ہو۔ سائنس کی دنیا صرف تنگ و دو یا صرف مادیات تک محدود ہے۔ سائنس اپنے مشاہدات اور انکشافات کی روشنی میں اپنے پہلے مؤقف میں ترمیم کرتی رہتی ہے۔

جب کہ اسلام کے اصول ناقابلِ تنسیخ اور اٹل ہوتے ہیں۔ قیامت تک ان میں کوئی ترمیم نہیں ہوگی۔ سائنس انسان کی اخلاقی بہبود اور معاشرتی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتی بلکہ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس پر عمل پیرا ہے۔ جس کے ہاتھوں میں سائنسی آلات ہیں وہ سر غنڈہ بن گیا ہے۔

سائنس کی یہ بے راہ روی۔ تباہ کاری اور ناجائز تصرف
اسی وجہ سے ہے۔ اس کے قابو میں رکھنے اور معقول
استعمال کی یقین دہانی کا کوئی نظام موجود نہیں ہے
اور دوسروں کی تباہی پر اپنے قلعے تعمیر کرنے کا رجحان
پا گیا ہے جو نسل انسانی کے لئے نہایت خطرناک ہے۔

اسلام میں ساری نوع انسان کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ حقوق العباد کی بڑی اہمیت ہے چاہے کوئی دشمن ہی نہ ہو۔ اس کے بھی کچھ حقوق ہوں گے۔ ہمیں چاہیے کہ سائنسی ذرائع ابلاغ سے صرف ایسا کام لیں جو اسلامی غیرت و حمیت کو اجاگر کرے۔

ہم کہتے ہیں کہ طبیعی علوم جنہیں فطری علوم کہنا زیادہ مناسب ہے صرف جدید سائنس کا حصہ ہیں اور ان کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ طبیعی علوم اسلامی علوم ہیں۔ قرآن حکیم میں حق تعالیٰ نے ارباب فکر کو زمین و آسمان کی مخلوقات میں غور و فکر کی یہ تکرار و تاکید کی ہے۔

قرآن میں عبادات و معاملات پر صرف ڈیڑھ سو آیات ہیں۔ جبکہ مطالعۂ کائنات کے متعلق ۷۵۰ آیات ہیں قرآن حکیم میں مشاہدہ کی تاکید آئی ہے جو کہ سائنس کا بھی رہبر اصول ہے۔ قرآن پاک انسان کو اس دنیا کے بارے میں دعوت فکر دیتا ہے اور یہی سائنس ہے۔ جس کی طرف غفلت نے آج یہ دن دکھایا ہے کہ ہم مسلمان سب سے زیادہ پسماندہ اور سب سے کم علم ہیں۔

حالانکہ علم کے خزانے ہمارے پاس ہیں۔

جدید سائنس کی ایجادات سے مرعوب ہونے کی بجائے ہمیں دین کے دائرے میں رہتے ہوئے خود آگے بڑھنا اور نسل انسانی کی بہتری کے لئے نافع ایجادات منظر عام پر لانی چاہئیں۔

عصرِ حاضر میں

استاد اور شاگرد کا رشتہ، مسئلہ نازک

ہمیں غور سے دیکھنا ہے کہ عصر حاضر میں اُستاد شاگرد کا رشتہ کیسا جا رہا ہے۔ کیونکہ میرے نزدیک آجکل کے دور کی بنیاد ہیں۔ اگر استاد شاگرد کا رشتہ مضبوط ہوگا تو ہمارا اخلاقی نظام زندگی بہتر ہوگا۔ اچھے اُستاد اچھے شاگرد پیدا کریں گے۔ ملک مضبوط ہوگا، ملک مضبوط ہوگا تو ہم سائنس پر زیادہ

توجہ دے سکیں گے جب ہمارا سائنسی نظام بہتر ہوگا تو زندگی کی اور آسائشیں مہیا ہوں گی۔

مادیت سے جہاں ہماری بہت سی اور اخلاقی اور روحانی قدریں برباد ہوتی ہیں اُستاد، شاگرد کا رشتہ بھی متاثر ہوا ہے۔ یہ المیہ ہے کہ یہ رشتہ جو محبت و تعظیم کا رشتہ تھا یہ رشتہ جو تعلق خاطر کا رشتہ تھا۔ کاروباری سطح پر آگیا ہے۔ جب ماحول۔ مادیت سے متاثر ہو تو شاگرد کی منطق یہ ہوتی ہے کہ میں فیس ادا کرتا ہوں اس لئے مجھے حق ہے کہ میں کلاس روم میں بیٹھوں یا لیکچر سنوں۔ میں اُستاد کا رہن منت نہیں۔

اساتذہ بھی اسی ماحول کی پیداوار ہیں۔ اکثر اساتذہ۔ اور یہ میں معذرت سے کہہ رہی ہوں اسی دور میں علم اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ وہ کسب معاش کر سکیں۔

جب علم محض کسب معاش کی خاطر حاصل کیا جائے تو وہ ہڈیوں میں رچتا نہیں ہے۔ علم بڑا غیور واقع ہوا ہے وہ ان لوگوں کے نشیمن نہیں بنتا جو غیر کی خاطر اس سے رسم و راہ رکھتے ہیں۔ طالب علم سوال پوچھتے ہیں اُستاد انہیں دباتا ہے (Snub)

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاق

جب استاد شاگردوں کو دباتا ہے تو گو ان کی زبانیں چپ ہوتی ہیں مگر ان کے چہرے صاف بول رہے ہوتے ہیں کہ یہ آپ کے لئے زیبا نہ تھا۔ ان کے جی میں اُستاد کی محبت و تعظیم باقی نہیں رہتی اور اُستاد یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اتنی تنخواہ کے عوض اتنے گھنٹے کام کرنا ہے اِس معین مدت کے ختم ہو جانے کے بعد طالب علم کا مجھ پر کوئی حق نہیں۔

کچھ وہ کھچے کھچے رہے کچھ ہم تنے تنے
اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

یوں یہ رشتہ کاروباری سطح پر آنے کی وجہ سے اپنی تمام جاذبیتیں کھو بیٹھا ہے اسلامی تعلیمات کی رُو سے اس کا حل۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔

ترجمہ :۔ جو چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا ہے اور بڑوں کا احترام نہیں کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

شاگردوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ اُساتذہ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ اساتذہ ان کی ذہنی پرورش کرتے ہیں۔ وہ اُن کے محسن ہیں اور نجابت کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے محسن کے سامنے انسان کی نگاہیں جھکی رہیں، انسانیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس شخص سے انسان فیض حاصل کرتا ہو اُس کے گریبان میں ہاتھ نہ ڈالے۔ اور

استاد کو یہ سمجھنا کہ ان معین گھنٹوں کے بعد شاگرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ میرے دروازے پر دستک دے۔ صریحاً غیر اسلامی ہے۔ شاگرد اُن کی معنوی اولاد ہیں۔

حضور علیہ السلام اور صحابہ رضؓ میں اُستاد، شاگرد کا رشتہ تھا۔ اور اُستادِ کبیر سے بات کرنے کا سلیقہ قرآن مجید میں یوں سکھلایا گیا ہے

ترجمہ :۔ تم اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے اونچا مت ہونے دو۔ اور ان سے یوں زور، زور سے باتیں مت کیا کرو جیسے تم آپس میں کریا کرتے ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحؒ نے تفہیمات میں لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے استاد کی آواز سے اپنی آواز اونچا کرنا صریحاً ناشائستگی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ فرماتے ہیں۔

یعنی جس سے ایک حرف میں نے سیکھا وہ میرا محسن ہے۔ میں نے اُس سے فیض حاصل کیا ہے۔

اُستادوں کے ساتھ ناشائستگی کو تو کبھی قابل تحسین قرار نہیں دیا جا سکتا ہے بے مروتی اور بدلحاظ کا نام تو تجدد پسندی نہیں ہے۔

اقبالؒ فرماتے ہیں ۔

زمانہ ایک ، حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصّہ جدید و قدیم

اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ طالبعلموں کی تربیت کے لئے سلام میں خود پہل کرتے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ بلکہ عین سنت ہے ۔ حضور علیہ السلام کے بارے میں ہم نے حدیث میں پڑھا ہے "کہ وہ خود بچوں کو سلام کیا کرتے تھے"

ہماری درسگاہوں میں طالب علم اُستاد کے کمرے میں جائیں تو وہ کھڑے رہتے ہیں اور بالعموم انہیں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی ۔ یہ سب فرنگیوں کا اڑایا ہوا غبار ہے ۔

دل توڑ گئی اِن کا دو صدیوں کی غلامی
یہ سب مغربی تہذیب کے برگ و بار ہیں
اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ کوئی تعلیم چاہے روحانی ہو ۔ یا اخلاقی ہو ۔ نظام حکومت ہو یا معاملہ سیاست کا ۔ سائنس ہو یا تسخیر کائنات اس وقت تک یہ علم پنپتے نہیں ، جب تک کسی استاد سے نہ ملیں ۔ صحیح اُستاد ہوں اچھے شاگرد ملیں گے اور اس طرح علم کی یہ شمع جلتی رہے گی ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے۔

مبین الحق ہاشمی۔ بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی ملتان

کرہ ارض پر بسنے والے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے رب جلیل نے مختلف ادوار میں مختلف پیغمبر بھیجے اور اپنی کتب نازل کیں۔ اگر ہم تاریخ کا بغور مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام کی آمد، حضورؐ کی نبوت اور قرآن مجید کے نزول سے پہلے ہر نبی کے بعد دوسرے نبی کی ضرورت محسوس کی گئی۔ جب کسی پیغمبر کی دی ہوئی تعلیمات سے لوگ روگردانی کرنے لگتے تو اللہ تعالےٰ ان کی رشد و ہدایت کے لئے دوسرا نبی بھیج دیتا اور ان کے ذریعے اپنا کلام انسانوں کی بھلائی کے لئے پھیلا دیتا۔

مگر اسلام وہ واحد مذہب ہے جس کی تعلیمات کو آنے والے تمام ادوار کے لئے مخصوص کردیا گیا۔ رسول کریمؐ پر سلسلہ نبوت کا خاتمہ ہوا اور قرآن مجید کے بعد کسی اور آسمانی کتاب کی ضرورت باقی نہ رہی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

"آج کے دن پورا کیا میں نے واسطے تمہارے
دین اور پوری کی اوپر تمہارے نعمت اپنی
اور پسند کیا واسطے تمہارے اسلام کو دین"!

دور جدید میں سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ انسان نے فطرت کے عوامل کو بھی تابع کرنے کی کوشش کی۔ فصلوں کی ضرورت کے لئے مصنوعی بارش کی، آسمان کی وسعتوں میں پوشیدہ راز جاننے کے لئے چاند تک کا سفر کیا۔ انسانی ذہانت ناپنے کے لئے دماغ کے نازک حصے کھول ڈالے دل جیسی حساس چیز مصنوعی طور پر تیار کرلی۔ فاصلوں کو قربتوں میں بدلنے کے لئے آواز سے زیادہ رفتار کے ہوائی جہاز بنا ڈالے اور انسانی ذہن کے بدل کے طور پر کمپیوٹر ایجاد کئے۔

غرض مادی ترقی کا یہ سیلاب اہل مغرب کو مذہب سے دور لے گیا اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ سائنس

کی ان حیرت انگیز کامیابیوں میں صرف ان کی محنت اور ریاضت کا ہاتھ ہے اور خدا کا وجود بے معنی ہے مشہور ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ نے مذہب کا تمسخر کچھ اس انداز سے اڑایا "انسانی زندگی تین واضح نفسیاتی ادوار سے گذرتی ہے، دورِ وحشت، دورِ مذہب اور دورِ سائنس۔ اب سائنس کا دور ہے لہٰذا مذہب کی باتوں میں اب کوئی معنویت نہیں۔ وہ فرسودہ ہو چکا ہے اور اپنی تمام قدر و قیمت کھو چکا ہے" لامذہب یورپی دانشوروں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے نہ صرف غیر مسلم ناسمجھ بے عقل لوگ مذہب سے دور ہونے لگے بلکہ مذہب کے بعض "مسلمان" مخالفین بھی ان لادین لوگوں کی فہرست میں شامل ہو گئے ہیں انہوں نے کسی گہری سوچ کا سہارا لئے بغیر یہ فرض کر لیا کہ مذہب سے پیچھا چھڑا لینا چاہیئے اس طرح ہم مادی ترقی کی دوڑ میں کمال دکھا سکیں ورنہ لوگ ہمیں قدامت پسند اور وحشی کہیں گے۔ اس طرح یہ مسلمان اسلام سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دین اسلام موجودہ زندگی کے تقاضوں پر شاید پورا نہیں اتر سکتا۔ مگر وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی بھی ایسا پہلو نہیں جہاں اسلامی احکامات Applicable نہ ہوں۔

موجودہ ترقی یافتہ ممالک جس سائنسی ترقی پر گھمنڈ کرتے ہیں اس سائنسی ترقی پر بوعلی سینا، رازی اور جابر بن حیان جیسے مسلمان سائنسدانوں اور مفکروں کے احسانات ناقابل فراموش ہیں جنہوں نے سائنسی ایجادات کی اساس عبادت اور ریاضت پر رکھی۔ مذہب کو سائنسی علوم سے جدا نہیں کیا بلکہ جب کبھی کوئی مشکل پیش آئی تو بارگاہ خداوندی میں دعا کا سہارا لیا۔ المختصر آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی اسلام کی تعلیمات پر عمل کر کے ہم زندگی کے ہر موڑ پر کامیابی اور کامرانی سے سرخرو ہو سکتے ہیں۔ مگر دیکھا جائے تو دنیا کے بیشتر اسلامی مملکتوں میں اسلامی احکامات کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے۔ رسول کریمؐ کے دیئے ہوئے درس کی بجائے نام نہاد مسلمانوں نے لادین قوتوں کے بنائے ہوئے راستے کو اپنا لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا مسلمان دنیا میں خوار ہو رہا ہے۔ مگر یاسیت کا شکار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اگر آج بھی ہم صحیح راستہ پر گامزن ہو کر اسلامی معاشرے کو فروغ دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنا کھویا ہوا مقام حاصل نہ کر لیں۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

انسانی زندگی کا کوئی بھی پہلو اسلامی تعلیمات کے دائرہ سے باہر نہیں۔ روزمرہ زندگی کے مسائل سے لیکر تصوف، منطق اور جدید علوم تک کے مسائل پر اسلامی تعلیمات کا اطلاق ہوتا ہے۔

ذیل میں ہم اسلام کے حوالے سے جدید دور کے کچھ اہم تقاضوں کو زیر بحث لائیں گے۔

اسلام اور دور جدید کے نسوانی تقاضے

دور جدید کی مشینی زندگی نے جہاں فطرت کے حسین اور نازک مظاہر کو اپنے رنگ میں رنگ لیا وہاں عورت جیسی پاکیزہ اور نازک ہستی کو بھی اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ مغرب زدہ لوگ دین اسلام پر تنقید کرتے ہیں کہ اسلام کے عورت سے متعلق نظریات فرسودہ ہو گئے ہیں۔ آج کی اس ماڈرن سوسائٹی میں اسلام کے وہ احکامات جو ۱۴ سو سال پہلے صادر ہوئے عورت پر لاگو نہیں کیے جا سکتے۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو ترقی کی موجودہ بے لگام دوڑ میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ یورپ کی آزاد خیال، حیا سے عاری عورت کی تقلید کرتے ہوئے آج کی مسلم خواتین جدید عہد کے ساتھ ساتھ چلنے کے لئے پردہ سے انحراف کر رہی ہیں۔ ان کے نزدیک چادر اور چار دیواری میں کیا رکھا ہے۔ اصل حیا تو عورت کی آنکھ میں ہوتی ہے مگر یہ رویہ ٹھیک نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ایماندار عورتوں سے کہہ دیجئے وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مردوں کے دیکھنے سے بچائیں (نیز ان کی پر شہوت آوازیں نہ سنیں جیسا کہ دوسری نفوص میں ہے) اور اپنی ستر کی جگہ کو پردے میں رکھیں اور اپنی زینت کے اعضاء کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے (یعنی گریبان اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں)، یہ وہ تدبیر ہے کہ جس کی پابندی ٹھوکر سے بچا سکتی ہے"

مگر آج مسلم معاشرے میں یہ ہو رہا ہے کہ سڑکوں اور بازاروں میں بے مقصد گھومتی خواتین اوڑھنی تو کیا مردانہ لباس میں ملبوس ہو کر اپنے تہذیب یافتہ ہونے کا ثبوت دیتی ہیں۔ مغرب کی آوارہ نسوانیت نے وقت کی نزاکت کا عنوان دے کر مسلم معاشرے کی خواتین کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا ہے۔ موجودہ دور کی سائنسی ترقی نے عورت کو کیا دیا ہے۔ یہی انعام کہ وہ اپنی گھریلو ذمہ داریوں سے غفلت برتنے اور زیادہ سے زیادہ آسائشوں کی طلب میں اپنی نسوانیت داؤ پر لگا دے۔ یہ عورت کا قصور بلکہ جدیدیت کا قصور ہے کہ اس نے عورت کی ذمہ داریوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ آج

کے جدید دور کا مرد عورت کا بحیثیت ماں، بیٹی اور بیوی کا بوجھ اٹھانا نہیں چاہتا۔

دنیا کے تمام مذاہب کی نسبت اسلام نے عورت کو سب سے بلند مقام دیا۔ اس نے بیٹیوں کو بھوک کے خوف سے زندہ دفن کرنے سے سختی سے منع کیا۔ ماؤں کے پاؤں تلے جنت کی خوشخبری دی اور بیویوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ

(عورتوں کے حق شوہروں پر ویسے ہی ہیں جیسے شوہروں کے حق عورتوں پر) اسلام نے جہاں عورت پر چادر اور چار دیواری کی شرط عائد کی ہے وہاں مجبور حالت میں گھر سے باہر آ کر بھی فرائض کی ادائیگی کی اجازت دی ہے۔ اسلام کے سنہری دور میں بھی بوقت ضرورت مسلم خواتین نے میدان جنگ اور دوسرے کاموں میں مردوں کا ساتھ دیا۔

اسلام پر یہ الزام ہے کہ یہ موجودہ دور کے نسوانی تقاضوں پر پورا نہیں اترتا۔ یہ الزام اسلام دشمن عناصر کی ایک منظم سازش ہے جس کا مقصد اسلام کو بدنام کرنا ہے۔ دیکھا جائے تو اسلام نے عورت کو صدیوں پہلے جو حقوق دیئے ان کا حقیر سا حصہ گیارواں صدی بعد یورپی عورت کو ملا۔ پھر بھی آج کی مادی ترقی کے علمبردار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام قدامت پسند مذہب ہے جس کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اسلام نے ۱۴ سو سال پہلے عورت اور مرد میں برابری کا درس دیا۔ مگر آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی انگلستان کے سرکاری محکموں میں عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں کم تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ ظہور اسلام سے پہلے اگر عورت کسی وجہ سے شوہر سے علیحدگی کی طالب ہوتی تھی تو اسے غلط طریقے استعمال کرنے پڑتے تھے مگر اسلام نے صدیوں پہلے عورت کو یہ حق دیا کہ وہ جب چاہے علیحدگی کر سکتی ہے بلکہ اسے یہاں تک اختیار دیا کہ وہ اپنی مرضی سے جس مرد سے چاہے شادی کرے اور اپنی پسند کے آدمی کو شادی کا پیغام دے۔ مگر جدید دور میں یورپ کی عورت کو یہ حق اٹھارویں صدی میں ملا۔

ارشاد نبوی ہے:۔

(کسی بیوہ کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کسی کنواری کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر نہ کرو۔ کنواری کی رضامندی اس کی خاموشی ہے۔

زندگی کے تمام معاملات میں اسلام نے عورت کو جتنی اہمیت دی اتنی کسی اور مذہب یا نظام نے نہیں دی۔

اسلام اور دور جدید کے تقاضے

انسان کے معاشی مسائل ہر دور، ہر قوم اور ہر ملک میں تھے، ہیں اور رہیں گے ۔ ہر انسان اپنی زندگی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے ۔ معاشرے میں پھیلے مختلف پیشے انسان کی روزی کا ذریعہ ہیں ۔ دور جدید میں انسان جو مادی لحاظ سے جو ترقی کی اس کی وجہ سے آج کا انسان پرانے دنوں کے انسان سے کئی گنا زیادہ معاشی مسائل کا اسیر نظر آتا ہے ۔ آج کے لوگوں نے اپنی ضروریات زندگی کچھ اتنی بڑھالی ہیں کہ انہیں رات اور دن معاش کی فکر لاحق رہتی ہے ۔ مگر اصل میں تو ان ضروریات زندگی میں سے زیادہ تعداد ایسی خواہشات کی جن کے بغیر بھی زندگی آسودگی کے ساتھ گذاری جا سکتی ہے ورنہ

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

جدید دور نے افراد کو خواہشات کا غلام بنا کر رکھ دیا ہے مگر اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے واضح کر دیا کہ انسان کے لئے قناعت وجہ سکون ہے ۔ رسول کریمؐ کی زندگی قناعت کا عمدہ نمونہ ہے ۔

ایک دفعہ حضور اکرمؐ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا

" اے ابوذر مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو اور تیسرے دن تک اس میں سے میرے پاس ایک اشرفی بچی رہے سوائے اس کے جو ادائے قرض کے لئے ہو تو اے ابوذر میں اس مال کو دونوں ہاتھوں سے خدا کی مخلوق میں تقسیم کر کے اٹھوں گا ۔"

اپنی جائز اور ناجائز خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے افراد ہر جائز و ناجائز ذریعہ استعمال کرتے ہیں ۔ کبھی رشوت کا سہارا لیتے ہیں کبھی چوری کا، کبھی بددیانتی کرتے ہیں کبھی ذخیرہ اندوزی کبھی سود کھاتے ہیں کبھی دوسروں کا حق، کبھی رہزنی کرتے ہیں، کبھی قتل کبھی ایمان بیچتے ہیں کبھی عصمت اور دیدہ دلیری دیکھیے کہ ان تمام بدبودار افعال کو ذریعہ معاش کہتے ہیں ۔ معاش کے یہ ذرائع کس نے بنائے آج کے جدید دور کی خواہشات نے جدیدیت کا نعرہ بلند کرنے والے دانشور حضرات ۔ کیا زمانہ جاہلیت میں بھی مردوں کی ہڈیوں کی سوداگری ہوتی تھی ۔ سوچو اور فیصلہ کرو کیا آج کے حالات اور زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کے حالات میں مشابہت نہیں پائی جاتی ۔

صدیوں پہلے بھی اسلام نے ان رستے ہوئے ناسوروں کا علاج کیا تھا اور آج بھی ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی ان سیاہ کاریوں کا سدباب کر سکتے ہیں ورنہ تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی ۔ آج کے جدید دور میں اسلام کے نظریہ حلال و حرام کو فراموش کر دیا گیا ہے ۔ اگر ہم ذرائع معاش کے ضمن میں اسلام کے اس نظریہ کو اپنائیں تو ہماری بہت سی ناجائز ضروریات خود بخود دم توڑ

دیں گی۔ مال کمانے وقت ہیں یہ احساس رہے گا کہ آیا یہ حلال کی کمائی ہے یا حرام کی۔ اس طرح معاشرے میں پھیلی لاتعداد برائیاں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ دولت کمانے کے ذرائع میں اسلام نے جتنی باریک بینی کے ساتھ جائز و ناجائز کی تفریق کی دنیا کے کسی مذہب اور قانون نے نہیں کی۔ اسلام ان تمام ذرائع آمدن کو حرام قرار دیتا ہے جن سے ایک شخص دوسرا اشخاص یا بحیثیت مجموعی پوری سوسائٹی کو اخلاقی یا مادی نقصان پہنچا کر اپنی روزی حاصل کرتا ہے۔ شراب اور دوسری منشیات بنانا اور بیچنا، جوا، فحش کاری اور رقص و سرور کا پیشہ، سٹہ اور لاٹری ایسے تجارتی طریقے ہیں جن کے ذریعے ایک شخص کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان ہوتا ہے۔ اسلام ایسے تمام تجارتی ذرائع کو حرام قرار دیتا ہے۔ مگر اس تہذیب یافتہ دور کے بڑے بڑے تاجر حضرات ان ذرائع سے دولت کما کر ارب پتی بنے ہوئے ہیں۔ اسلام نے نہ صرف جائز طریقوں سے روزی کمانے کی تلقین کی ہے بلکہ دولت کو جائز کاموں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔

اسلام اور دورِ جدید کے تعلیمی تقاضے

آج دنیا بھر کی اقوام اس بات پر زور دے رہی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ افراد تعلیم حاصل کریں تاکہ ایک تعلیم یافتہ، باشعور معاشرہ قائم ہو۔ دور جدید کے اس اہم تقاضا کو اسلام نے صدیوں پہلے بھانپ لیا تھا اس لئے اس بات پر زور دیا گیا۔

طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

جدید وقت کا یہ تقاضا نہیں کہ ہم صرف سائنسی تعلیم حاصل کریں اور دینی تعلیم یکسر فراموش کر دیں۔ مسلم معاشرے میں دیکھا گیا ہے کہ لوگ اولاد کو دنیاوی تعلیم تو دلاتے ہیں مگر دینی تعلیم کے زیور سے محروم رکھتے ہیں۔ دنیا کا علم صرف دنیا کی ضروریات پورا کرتا ہے۔ اس سے ہم دنیاوی کامیابی و کامرانی حاصل کر سکتے ہیں مگر دینی تعلیم حاصل کئے بغیر صالح عمل نہیں کر سکتے۔ دینی علم حاصل کرنے سے مسلمان اسلام کے بتائے ہوئے صحیح راستے پہچانتا ہے۔ اس طرح اس کی آخرت سنورتی ہے۔ یہ بات سراسر بہتان ہے کہ دین اسلام جدید علوم کے حصول سے منع کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے خود انسان کو دعوت دی کہ وہ کائنات میں چھپے بیش قیمت خزانے تلاش کرے مگر اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ یہ خزانے غلط مقاصد کے لئے استعمال ہوں۔ اس سے انسان کی بھلائی کی بجائے ہلاکت کا کام لیا جائے جیسا کہ آج کے جدید دور میں انسان نے جہاں زمین سے زیادہ سے زیادہ اناج اگانے کے طریقے دریافت کئے ہیں وہاں انسان کی ہلاکت

کے لئے مہلک ہتھیار بھی بنائے ہیں۔

جدید سائنسی تعلیم کے ذریعہ انسان نے جہاں خلا کو تسخیر کیا، زمین کی پاتال تک پہنچا، سمندروں کے سینے پر اپنی فتح کے پرچم لہرائے وہاں اس جدید تعلیم کے خطرناک اثرات بھی مرتب ہوئے۔ آج کا مسلم طالب علم ان اعلیٰ صفات کا مالک نہیں جو پہلے وقتوں کے طالب علم کی شان سمجھی جاتی تھیں۔ آجکل طالب علم استاد کی عزت کرنے کی بجائے اس کی تذلیل کر کے فخر محسوس کرتا ہے۔ والدین کے ضمن میں بھی طالب علم کا رویہ قابل اعتراض ہے۔ معاشرے کی بڑی بڑی برائیوں مثلاً منشیات کی عادت، چوری، قتل، رہزنی وغیرہ میں اکثر پڑھے لکھے لوگ نظر آتے ہیں۔ اس تعلیمی پستی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ افراد جدید سائنسی تعلیم کو مذہبی تعلیم پر فوقیت دیتے ہیں۔ آج کا طالب علم مذہبی تعلیم کو کوئی اہمیت نہیں دیتا جبکہ یہ حقیقت ہے کہ مذہبی تعلیم انسان کی شخصیت کو نکھارنے میں بڑی مدد دیتی ہے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس کی تعلیمات ہر دور کے علوم سے ہم آہنگ کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ یہ دین کسی ایک خاص دور کے لئے نہیں بلکہ آنے والے تمام ادوار کے لئے ہے۔ اسلام کا درس یہ ہے کہ علم کو انسانیت کی بھلائی کے لئے استعمال کرو مگر آج کا اہل علم طبقہ انسانیت کو کبھی ڈاکٹر، کبھی وکیل، کبھی انجینئر کے روپ میں اور بہت سے بھیسوں میں لوٹ رہا ہے۔ اور یہ سبق کس نے دیا۔ جدید علم نے۔ انسان چاند ستاروں کو تو تسخیر کر رہا ہے مگر دنیا کے بیشتر ممالک خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں آج بھی جہالت کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔

جن سے انسان کے زخموں کا مداوا نہ ہوا

آج وہ چاند ستاروں کی خبر لائے ہیں

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم جدید علوم کے ساتھ ساتھ دینی علم بھی حاصل کریں۔

اسلام اور دور جدید کے سیاسی تقاضے

اسلام نے سیاست کا ایک انقلابی نظریہ پیش کیا۔ دور جدید کے بڑے بڑے سیاسی لیڈر اور سیاسی تجزیہ نگار جمہوریت کا نعرہ بلند کرتے وقت بھول جاتے ہیں کہ سیاست میں جمہوریت کا بنیادی درس اسلام نے دیا البتہ جو چیز اسلامی جمہوریت کو مغربی جمہوریت سے الگ کرتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مغرب "جمہوریت حاکمیت" کا قائل ہے اور اسلام "جمہوریت خلافت" کا۔ اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد تین اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ "توحید، رسالت اور خلافت"

زبور کے معنی یہ ہیں کہ اصل حکمرانی اللہ تعالےٰ کی ہے اور تمام اختیارات خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ اور کائنات کی حکمرانی میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ کسی فرد یا طبقہ کو حکمرانی کا حق نہیں پہنچتا۔ ساری کی ساری حاکمیت اس کائنات کو تخلیق کرنے والی طاقت کی ہے۔

رسالت کے معنی ہیں ذریعہ جو بندوں تک اللہ تعالےٰ کا قانون پہنچاتا ہے۔ اس ذریعے سے ہمیں دو چیزیں ملتی ہیں۔ ایک وہ کتاب جس میں پروردگار نے اپنا قانون بیان کیا ہے اور دوسری رسول کریمؐ کی شخصیت جو قرآن مجید کا عملی نمونہ۔

خلافت کے معنی یہ ہیں کہ انسان زمین پر اللہ تعالےٰ کا نائب ہے۔ اس پر شرط عائد ہوتی ہے کہ وہ زمین پر خدا کے بنائے ہوئے احکامات پر عمل کرنے اور اسے اپنی من مانی کی ہرگز اجازت نہیں۔

آج کے تہذیب یافتہ دور میں دنیا کے بیشتر ممالک میں جمہوریت کا کوئی تصور نہیں البتہ کچھ خطوں میں جمہوریت کا نام تو ہے مگر عملی طور پر جمہوریت کا وجود نہیں۔ اکثر اسلامی ریاستوں میں اسلامی جمہوریت کا فقدان ہے مغربی فکر و نظریات سے متاثر حضرات کی دلیل ہے کہ اسلامی جمہوریت آج کے سائنسی اور ترقی یافتہ معاشرے میں قائم نہیں کی جاسکتی۔ ان کے نزدیک اسلامی سیاسی نظام ایک قدیم نظام ہے جو آج کے انسان پر مکمل طور پر لاگو نہیں کیا جا سکتا مگر آج بھی بے لاگ انصاف، بے لوث سچائی اور کھری ایمانداری کا اسلامی نظام سیاست مسلم ممالک میں رائج کیا جاسکتا ہے اس کے لئے سب سے پہلے عوام کو اسلام سے پوری طرح آشنا کرانا بہت ضروری ہے۔ انہیں شعور دلانا چاہیئے کہ دوسری اقوام سے مانگا ہوا سیاسی نظام کی بجائے اسلام کا پیش کردہ سیاسی نظام اپنائیں۔ ماضی میں بھی جتنی عظیم اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں ان کی اساس اسلامی نظام سیاست پر رکھی گئی تھی اس ضمن میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت کا ذکر بہت ضروری ہے۔ آپؓ نے ایک مثالی حکومت کا نقشہ پیش کیا۔ تاریخ میں اور بہت سے عظیم مسلم حکمرانوں کے نام اور کارنامے سنہری حروف سے لکھے ہوئے ہیں جنہوں نے اسلام کا نظام سیاست اپنایا۔

اسلام کے نظریہ سیاست پر قائم کی گئی اسلامی ریاست اور حکومت میں انسانی حقوق کا مکمل احترام کیا جاتا ہے۔ عورت، بچے، بوڑھے، بیمار اور زخمی پر دست درازی کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔ عورت کی عصمت کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بھوکا آدمی روٹی کا، بے گھر آدمی گھر کا، ننگا آدمی کپڑے کا مستحق ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کی حدود میں رہنے والے غیر مسلموں کی جان مال اور عزت کی حفاظت کی جاتی ہے۔ انہیں مذہبی طور پر مکمل آزادی ہوتی ہے۔ مگر آج کے جدید دور میں دنیا کے بیشتر حصوں میں قائم مختلف حکومتوں میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی پامالی

ہوتی ہے۔ انگلستان جو جمہوریت کا سب سے بڑا علمبردار بنتا ہے۔ وہاں کے ریستورانوں کے باہر لکھا ہوتا ہے "کالوں اور کتوں کا داخلہ ممنوع ہے"۔ کیا یہی انسانیت ہے۔ کیا رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اشتراکی ممالک میں انسانوں کے ساتھ جانوروں کی طرح کا سلوک کیا جاتا ہے۔
آج کے جدید دور کی عالمی سیاست میں غنڈہ گردی، بدمعاشی اور تخریب کاری کو اعلیٰ سیاست کا نام دیا جاتا ہے۔ کیا افغانستان میں سیاست ہو رہی ہے۔ کیا ہوائی جہازوں اور عمارتوں کو تباہ کرنا سیاست ہے۔ اسلام اس کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔

اسلام نے جہاں حکمرانوں پر شرط عائد کی کہ رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرو وہاں رعایا پر بھی زور دیا کہ حکمران کا احترام کرو۔

ایک حدیث کی رو سے

"حاکم عادل کی تعظیم کرنا خدا کی تعظیم میں داخل ہے"

ایک اور حدیث ہے

"عادل اور منصف حکمران اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر اور اللہ کی کتاب کے مطابق حکمرانی کرے تو تم اس کی اطاعت کرو اور اس کا حکم مانو"

اسلام اور دور جدید کے روحانی تقاضے

دور جدید کی ماڈرن سوسائٹی کے افراد مادہ پرستی میں اتنے غرق ہو گئے ہیں کہ ہر فرد روحانی طور پر بے سکونی کا شکار ہے۔ دنیا کی تمام آسائشوں اور آرام حاصل ہے مگر اس کے باوجود نہ دن کو چین نہ رات کو سکون کی نیند۔ رات کو نیند کی گولیاں کھا کر سوتے ہیں مگر پھر بھی صبح کو وہی پہلے والی بے چینی۔ اس انسانی بے سکونی اور بے چینی کی اصل وجہ روح کا بوجھل پن ہے۔ جب انسان روحانی طور پر بے قرار ہو تو جسم بھی پژمردہ ہو جاتا ہے۔ مادہ پرستی کے پیروکار جدید دور کے انسان روحانیت سے دوری کے باعث اخلاقی اور تہذیبی قدروں کو فراموش کر چکے ہیں۔ مغربی ممالک میں مرد کے مرد سے اور عورت کے عورت سے نازیبا تعلقات قائم ہیں۔ یہ ایک غیر فطری عمل ہے۔ اس گندگی کے باعث ایڈز جیسی موذی بیماریوں نے جنم لیا۔ اخبارات میں آئے دن آتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنی بیٹی کے ساتھ منہ کالا کر لیا۔ یہ انسانی پستی صرف یورپ تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی عام ہو رہی ہے۔

روحانیت سے متعلق اسلام کا نقطہ نظر دنیا کے تمام مذہبی اور فلسفیانہ نظاموں سے مختلف

اور واضح ہے۔ دنیا کے دوسرے مذاہب اور فلسفیانہ نظاموں نے روح کو جسم کی ضد قرار دیا ہے۔ اور لوگوں کو یہ باور کرایا کہ روحانیت کا راستہ دنیوی زندگی کے اندر سے نہیں بلکہ باہر سے گذرتا ہے اور روحانیت اور دنیا داری کے راستے ایک دوسرے سے جدا ہیں یعنی جو شخص روحانی ترقی چاہتا ہے اسے دنیا داری چھوڑنی پڑے گی اور جو دنیا داری کرنا چاہتا ہے وہ روحانیت کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

اس کے نتائج یہ نکلے کہ جو لوگ دنیا داری میں پڑے وہ بالکل مادہ پرست ہو گئے اور معاشرت، تمدن، سیاست اور معیشت جیسے دنیوی شعبے روحانیت کے نور سے خالی ہو گئے۔ دوسری طرف جو لوگ روحانیت کی طرف مائل ہوئے انہوں نے جنگلوں، پہاڑوں اور غاروں کے گوشوں کو روح کی ترقی کے لئے موزوں سمجھا۔ مگر اسلام کا روحانیت سے متعلق نقطہ نظر بہت مختلف ہے۔ اسلام نے روحانی ترقی کا راستہ دنیاوی زندگی کے درمیان سے بتایا ہے۔ اسلام راہبانہ طرز زندگی کو پسند نہیں کرتا۔ اسلام یہ دنیاوی درس نہیں دیتا کہ روحانیت میں ایسے کھو جاؤ کہ دنیا اور اس کے مسائل سے قطع تعلق کر لو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے منہ موڑ کر آبادیوں سے دور نکل جاؤ بلکہ اسلام کہتا ہے کہ دنیا داری بھی کرو اور روحانی ترقی کے لئے بھی کوشاں رہو۔ اسلام مادہ پرستی کی بھی اجازت نہیں دیتا جو آج کل کے جدید دور میں لوگوں نے اپنالی ہے۔ دنیا کی رنگینیوں اور رعنائیوں میں کھو کر جسم کی خواہشات پروری کرنا اسلام میں ممنوع ہے۔

اسلام نے انسانوں کے روحانی ارتقاء کا جو راستہ بتایا اس کی پہلی منزل ایمان ہے یعنی اگر کوئی شخص یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ اس کا معبود، مالک اور حاکم صرف خدا ہی ہے تو وہ ثابت قدمی کے ساتھ راہ روحانیت پر چل پڑے گا۔ دوسری منزل اطاعت ہے یعنی خدا کی حاکمیت کو سچے دل سے تسلیم کرنا اور اس کے ہر حکم کو ماننا۔ تیسری منزل تقویٰ ہے جس کا مطلب ہے کہ آدمی زندگی میں کوئی کام کرنے سے پہلے یہ سوچے کہ اسے اس کا اللہ کو حساب دینا ہے اور برائیوں سے اجتناب کرے اور اچھائیوں کو اپنائے۔ روحانی ارتقاء کی آخری اور اہم منزل احسان ہے۔ احسان کے معنی یہ ہیں کہ بندے کی مرضی خدا کی مرضی کے ساتھ متحد ہو جائے جو خدا کو پسند ہے وہی بندے کو بھی پسند ہو اور جو بات خدا کو ناپسند ہے بندے کو بھی وہ ناپسند ہو۔ ایک حدیث پاک کی رو سے

"احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پھر اس طرح کہ تو اسے نہیں دیکھ رہا وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

انسانوں کی روحانی ترقی کے لئے اسلام نے ایک انقلابی پروگرام ترتیب دیا ہے۔ اس نظام کا پہلا رکن نماز ہے۔ دن میں پانچ وقت نماز پڑھنے سے انسان پاکیزہ اور گناہوں سے دور رہتا ہے۔ نماز آدمی کے دل میں ہر وقت خدا کی یاد تازہ رکھتی ہے۔ دوسرا رکن روزہ ہے جو جسمانی اور روحانی طور پر انسان

کو برائیوں سے پاک رکھتا ہے۔ تیسرا رکن ہے زکوٰۃ جو مسلمانوں کے درمیان مالی ایثار اور آپس کی ہمدردی اور تعاون کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

چوتھا رکن ہے حج جو خدا پرستی کے محور پر اہل ایمان کو ایک عالمگیر برادری بناتا ہے۔ اس مختصر بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ "اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے" اور جدید دور کے تمام روحانی تقاضوں پر پورا اترتا ہے۔

اسلام اور دور جدید کے اخلاقی تقاضے

آج کے انسان نے زندگی کے ہر میدان میں ناقابل یقین فتوحات حاصل کیں اور ناقابل فہم ایجادات کیں۔ تعلیم کو پھیلانے کے لئے جدید سائنسی ذرائع استعمال کئے ہیں۔ جدید دور کا انسان ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا غاروں کے دور سے نکل کر خلائی دور میں داخل ہو گیا ہے۔ عملی میدان میں بھی اس نے قدیم انسان پر سبقت حاصل کر لی ہے۔ مگر ترقی یافتہ ہونے کے باوجود آج کے انسان نے اخلاقی میدان میں کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہیں کی۔ آج بھی کرہ ارض پر اخلاقی قدروں کی پامالی ہوتی ہے۔ بچوں کو اغوا کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے۔ ایک تازہ اخباری خبر میں درج تھا کہ مڈل ایسٹ کے کچھ علاقوں میں اونٹوں کی ریس (دوڑ) کے دوران معصوم بچوں کو اونٹ کی پشت پر رسیوں سے باندھ دیا جاتا ہے اور اونٹوں پر بندھے بچوں پر کوڑے برسائے جاتے ہیں۔ ان نازک پھولوں کی چیخ و پکار سے اونٹ تیز دوڑتے ہیں تہذیب یافتہ ہونے کے دعویدار انسان کیا یہ انسانیت ہے آج ہی غریب پسماندہ ممالک سے عورتوں کو خرید کر امیر اور سرمایہ دار ممالک میں فروخت کیا جاتا ہے۔ جدید دور کے انسان میں اور دور جہالت کے انسان میں کیا فرق باقی رہ گیا ہے۔ اس وقت بھوک کے خوف سے بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا آج زندہ رکھ کر ان سے زندگی چھین لی جاتی ہے۔

اخلاقی پستی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ مغربی ممالک میں مرد کو مرد سے شادی کی اجازت ہے۔ چھوٹی چھوٹی لڑکیاں ماں بن جاتی ہیں کیا یہ مقام ماتم نہیں۔ چاند کو تسخیر کرنے والی دنیا کی دونوں سپر طاقتوں نے دنیا کے اخلاقی نظام کو درہم برہم کر دیا ہے۔ ایک طاقت نے لبنان کے نہتے مسلمانوں کے گھروں پر ٹینک چڑھائے اور دوسری طاقت افغانستان کے مسلمانوں کو کیمیائی ہتھیاروں سے جھلسا رہی ہے۔

اخلاقیات کا سب سے عمدہ سبق دین اسلام نے دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اے نبیؐ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مندرجہ ذیل اشیاء کو حرام ٹھہراتا ہے۔ (۱) ابنائے جنس

کے مقابلے میں، فحش، بے حیائی کی سب قسموں کو جن کا تعلق ظاہری باطنی حالات سے ہو اور شرک جس کی کوئی دلیل نہیں۔"

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہوا

"اللہ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے وہ یہ ہیں۔ عدل اور احسان اور قرابت والوں سے فیاضانہ سلوک۔ اللہ جن چیزوں کے کرنے سے قطعاً روکتا ہے وہ یہ ہیں۔ سب بے حیائیاں، سب ایسے کام جو قابل انکار ہوں اور بغاوت۔"

۱۴سو سال پہلے دین اسلام نے دنیا کی سب سے اخلاقی باختہ قوم کو اخلاقیات کا وہ درس دیا کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بھائی بھائی بن گئے۔ خانہ بدوشوں اور بدوؤں نے دنیا بھر کے انسانوں کو اخلاق کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور عرب کے جاہل اسلام کی تعلیمات پر عمل کر کے تہذیب یافتہ کہلائے۔ آج کے جدید دور کی نفسا نفسی کی دنیا میں اسلام کی اعلیٰ تعلیم انسانوں کو سچائی، انصاف، پاس عہد، امانت، ضبط نفس، خودداری، شائستگی، ملنساری، والدین کی خدمت، ہمسایوں سے حسن سلوک کی طرف راغب کر سکتی ہے۔

اسلام اور دور جدید کے عدلی تقاضے

آج کے جدید دور کا انسان گذرے وقتوں کے انسان کی نسبت بہت زیادہ باشعور ہے اس نے ترقی کی مختلف منازل طے کرتے ہوئے اپنی بہت سی خامیوں کو دور کیا مگر جرائم کے خاتمے کے سلسلے میں آج کے انسان نے ماضی کی نسبت کوئی خاص ترقی نہیں کی صرف اتنا ہوا کہ ان جرائم کی شکلیں تبدیل ہو گئی ہیں۔ چوریاں آج بھی ہوتی ہیں۔ ڈاکے آج بھی ڈالے جاتے ہیں آبرو آج بھی محفوظ نہیں بلکہ دیکھا جائے تو آج کے جرائم پہلے کی نسبت اور زیادہ دہشت ناک ہو گئے ہیں۔ ان جرائم کو روکنے کے لئے جدید دور کے انسان نے سخت قوانین رائج کئے مگر انصاف کا حصول اور زیادہ کٹھن ہو گیا ہے۔

مغربی سرمایہ دارا اور انفرادیت پسند ممالک میں یہ تصور قائم ہے کہ مختلف جرائم میں ملوث افراد نفسیاتی الجھنوں اور جسمانی عوارض کا شکار ہوتے ہیں۔ فرائڈ کی رائے میں مجرم افراد جنسی مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔ اشتراکی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جرائم معاشی پریشانیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اگر مغرب کی بات مانتے ہیں تو یہ کہنا بھی پڑتا ہے کہ آج کے انسان کی نفسیاتی الجھنوں کی اصل وجہ موجودہ دور کی مادہ پرستی ہے۔ مغرب ہو یا مشرق مذہب سے روگردانی اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ

نے انسان کو خود غرض بنا دیا ہے۔ اپنی خود غرضی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے افراد جرائم کا سہارا لیتے ہیں اور عدل و انصاف کی راہ میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ یہی مادہ پرستی اور ہوس زر ہے۔ معاشرے کے غریب افراد کے لیے عدل و انصاف کے دروازے سفارش اور رشوت کے بغیر نہیں کھلتے یعنی انصاف کا حصول بھی بہت مہنگا ہو گیا ہے۔ موجودہ ترقی یافتہ دور میں عدل و انصاف کے اداروں میں بھی ناانصافیوں کا دور دورہ ہے۔ یہ حالات صرف پسماندہ ممالک میں ہی نہیں بلکہ ترقی یافتہ ممالک میں بھی افراد کو درپیش ہیں۔

جرم و سزا اور عدل و انصاف کے جتنے قابل ستائش قوانین اسلام نے پیش کیے دنیا کے کسی مذہب یا نظام نے نہیں دیئے۔ فرائیڈ کا دعویٰ کہ "جرائم کی وجہ جنسی الجھنیں ہوتی ہیں" اور اشتراکی نظریہ کہ "جرائم کی وجہ معاشی مسائل ہوتے ہیں"۔ یہ دونوں نظریات کوئی نئی بات نہیں بلکہ جنسی الجھنوں اور معاشی مسائل کی وجہ سے جنم لینے والے جرائم کی ضرورت کے پیش نظر اسلام نے صدیوں پہلے جائز قانونی ذریعہ۔ نکاح۔ کا دروازہ کھول دیا اور معاشی مسائل کے حل کے لیے انقلابی پروگرام پیش کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے۔

عبداللہ فیصل۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

"اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے"، احاطۂ تحریر میں لانے کے لئے پہلے اگر تین باتیں یعنی ......

اسلام کیا ہے ؟

عصر حاضر کیا ہے ؟

اور

تقاضے کیا ہیں ؟

مختصراً معلوم ہو جائیں تو پورے مضمون کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

اسلام کیا ہے ؟

اسلام کسی ایسے مذہب کا نام نہیں۔ جو صرف انسانی کی ذاتی اور انفرادی زندگی کی اصلاح کا علمبردار ہو۔ اور جس کا کل سرمایہ حیات کچھ عبادات، چند اذکار اور مٹھی بھر رسوم پر مشتمل ہو۔ بلکہ یہ ایک جامع اور مکمل ضابطہ حیات ہے، جو خدا اور اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی روشنی میں زندگی کے تمام شعبوں کی تعمیر اور زندگی کے ہر پہلو کو خدا کے نور سے منوّر کرتا ہے۔ اس میں انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی، معاشرتی معاملات ہوں یا تمدنی، مادی معاملات ہوں یا رُوحانی، معاشی معاملات ہوں یا سیاسی، ملکی معاملات ہوں یا بین الاقوامی۔ غرض کہ کسی بھی شعبۂ زندگی کے معاملات ہوں۔ اسلام کا اصل منشا اور اس کی اصل دعوت یہی ہے کہ خدا کی زمین پر اسی کا قانون مکمل طور پر راسخ کیا جائے اسلام زندگی سے فرار کی نہیں بلکہ تعمیر کی تعلیم دیتا ہے۔ ہدایت کے اسی نظام کا نام دین ہے۔

دین کا مفہوم :۔

لغتِ عرب میں لفظ دین مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اگر اس کے سارے استعمالات کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ لفظ چار بنیادی تصورات کی ترجمانی کرتا ہے

۱۔ غلبہ و تسلط

کسی ذی کی طرف سے

ب ۔ اطاعت اور بندگی

صاحبِ اقتدار کے آگے جھک جانے والے کی طرف سے

ج ۔ قاعدہ وضابطہ

یعنی جس طریقے سے پابندی کی جائے ۔

د ۔ محاسبہ، فیصلہ ۔

اور جزا و سزا

اور لفظ دین قرآن کی زبان میں پورے نظامِ زندگی کی نمائندگی کرتا ہے ۔ جس کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱ ۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور اس کا اقتدار اعلیٰ

۲ ۔ اس حاکمیت کے مقابلہ میں تسلیم و اطاعت

۳ ۔ وہ مکمل نظام فکر وعمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر ہے ۔

اور .....

۴ ۔ جزا و سزا جو اقتدارِ اعلیٰ کی طرف سے جو اس کے نظام فکر وعمل کی وفاداری و اطاعت یا سرکشی و بغاوت کے صلہ میں دی جائے ۔

مولانا ابو علیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" میں دین کو یوں بیان کیا ہے ۔

"قرآن دین کو ایک جامع اصطلاح کی حیثیت سے استعمال کرتا ہے ۔ اور اس کی زبان میں اس سے مراد ایک ایسا نظام زندگی ہے جس میں انسان کسی کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کرکے اس کی اطاعت و فرمان برداری قبول کرے ۔ اس کی فرمانبرداری پر عزت، ترقی اور انعام کا امیدوار ہو ۔ اور اس کی نافرمانی پر ذلت و خواری اور سزا سے ڈرے ۔"

حاکمیت کا یہ مرتبہ صرف اور صرف خدائے واحد کو حاصل ہے اور دین اسلام کی بنیاد اسی حاکمیت پر قائم ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے صحیح طریقۂ زندگی قرار دیا ہے ۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں ۔ اور تمہارے لئے "اسلام" بحیثیت دین پسند کیا ۔ المائدہ ۔ ۳

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ

بے شک اللہ کے نزدیک تو اصلی دین اسلام ہے ۔ آل عمران ـ ۱۹

ان آیات مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اسلام کی پیروی لازمی ہے ۔ اور اس کی پیروی میں فلاح ہے ۔ کیونکہ اسلام کے لغوی معنی اطاعت ، سر تسلیم خم کرنے اور مکمل سپردگی کے آتے ہیں اور لفظی معنوں میں یہ امن ، سلامتی اور آشتی کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔ لہٰذا اسلام ایسا دین ہے ۔ جو خدا کی حاکمیت کی اساس پر قائم ہوا ہے ۔ اور جامع ضابطۂ زندگی پیش کرنے کے بعد انسان سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کو قبول کرے ۔ اس کو قبول کرنے میں دراصل ایک نکتہ پنہاں ہے کہ جب انسان اسلام کو تہیہ دل سے مان کر اللہ کی بندگی اور اطاعت کرے گا ۔ تو اس سے لامحالہ زندگی کا ایسا نقشہ سامنے آئے گا ۔ جس میں لوگ امن سے رہیں گے ۔ ایک دوسرے کی عزتیں محفوظ ہوں گی ۔ بھائی چارے کا دور دورہ ہوگا ۔ اور پھر مزید یہ کہ اس سے دل و دماغ کو سکون میسر ہوگا ۔ جس سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حقیقی امن اور سکون جاری و ساری ہوگا ۔ اور پھر اس کے بعد آنے والی زندگی میں بھی انسان کو ابدی آرام و سکون ملے گا ۔

عصر حاضر کیا ہے ؟

عصر کے لغوی معنی "زمانہ" ، اور حاضر کے معنی "موجود" کے ہیں ۔ یعنی یہ کہ موجودہ زمانہ میں انسانی زندگی کن خطوط پر گامزن ہے ۔

آج کے دور میں اگر دیکھا جائے ۔ تو اسلام کے مقابلے مغربی تہذیب اور اشتراکیت اپنا پرچار کر رہی ہے ۔ یہ انسان کی زندگی کو ان خطوط پر گامزن کرنا چاہتی ہیں ۔ جس سے انسانی خصوصیات کا خاتمہ اور انسانیت کی تباہی ہے ۔ کیونکہ اگر انسانی خصوصیات ہی مٹ جائیں ۔ تو انسانیت کی خود اپنی بقا ناممکن ہے

اُن کی زندگی کے موجودہ خطوط انسانی خصوصیات کو تباہ کر کے انسان کو مشین اور حیوان بنانے میں سرگرم عمل ہیں ۔ مزید یہ کہ مغربی تہذیب جن بنیادوں پر استوار ہے ۔ وہ خالص مادی ہیں ۔ اور دین کی روحانیت اور باطنی اثرات سے بہت بعید ہیں ۔ اس کا بالآخر لازمی اور منطقی انجام یہ ہے ۔ کہ اس سے لوگوں میں مادیت پرستی ، لادینیت اور اپنی حاکمیت (من مانی) کی وبا زور پکڑ رہی ہے ۔ دوسری طرف اشتراکیت نے مغربیت کے ساتھ مل کر انسانیت کے امن و سکون کو غارت اور اس کے اعلیٰ مقاصد کو پامال کر کے رکھ دیا ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تہذیب نے محض مادی خوشحالی کو اپنا "حقیقی ھدف" ٹھہرا لیا ہے ۔ اور اس "حقیقی ہدف" کو پورا کرنے کے لئے سمگلنگ ، بلیک مارکیٹنگ ، رشوت ستانی ، ذخیرہ اندوزی غرض کہ ہر قسم کی برائیاں جن سے ان کی مادی خوشحالی منسلک ہے کرنے سے گریزاں نہیں ، اپنی اپنی برائیوں کے جراثیم تو آج کل ترقی پذیر ملکوں میں منتقل کرنے میں مصروف ہیں ۔ اب مسلمان کے لئے ہوش میں آنے اور سمجھنے کا مقام ہے ۔ کہ وہ دیکھیں کہ ان کے عناصر ترکیبی میں کسی غیر قوم کے جراثیم

تر داخل نہیں ہوئے ہیں جو اُن کی اساس کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیں۔

تقاضے کیا ہیں ؟

عصر حاضر میں جو برائیاں جنم لے رہی ہیں ان سے بچنے کے لیے لازم ہے۔ کہ مسلمان ہی نہیں بلکہ دنیا میں بسنے والے تمام لوگ اسلام کو جو ایک ہمہ گیر اور جامع دین ہے۔ اپنے زندگی کے لئے مکمل طور پر لازم وملزوم کر لیں غیر اسلامی افکار کو اپنی تہذیب و تمدن سے باہر نکال کریں۔ غیر اسلامی نظام کی جگہ ملک میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے۔ اسلام کے پیغام کو دنیا کے کونے کونے تک پھیلایا جائے۔ مسلمانوں میں جوش عمل اور محنت کا جذبہ جو کم ہوتا جا رہا ہے۔ پھر سے بیدار کیا جائے۔ معاشرہ میں پیدا شدہ برائیوں، رشوت ستانی، چوری، ذخیرہ اندوزی اور دوسری برائیوں کو بدلائل ثابت کیا جائے کہ یہ چیزیں اسلام کی اساس کے خلاف ہیں اور آخرت کے تصور کو ابھارا جائے۔

اب اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے جاننے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان عوامل یا عناصر ترکیبی کو معلوم کیا جائے جس پر عصر حاضر کو چلانے کی سعی کی جا رہی ہے۔ اور جن تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اسلام کی اشد ضرورت ہے۔ ذیل میں پہلے یورپ اور پھر اشتراکیت کے عصر حاضر کے عناصر ترکیبی کو مختصراً بیان کیا جائے گا۔ اس کے بعد ان کا تجزیہ اور پھر اسلام کے تقاضوں کو احاطہ تحریر میں لایا جائے گا۔

مادیت پرستی

فلسفہ مادّیت پرستی سے مراد دو چیزیں ہیں اوّل، مابعد الطبیعاتی نظریہ جو زندگی کے میکانکی تصوّر سے ماخوذ ہے۔

اور ......

دوم ۔ مادیت کا اخلاقی نظریہ

اوّل الذکر کے مطابق دنیا میں مادے کے سوا کوئی چیز حقیقی نہیں۔ یہاں تک کہ انسان کا شعور و ارادہ بھی سالمیہ اور برقیہ ہی کی کرشمہ سازی ہے۔ اور اگر کائنات کو سمجھنا اور جاننا ہے۔ تو اس کے لئے طبعی قوانین کے علاوہ اور کسی چیز کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔ اور ...

موخر الذکر نظریہ کے مطابق جو فی الواقعہ مادیت کے مابعد الطبیعاتی نظریہ ہی کا منطقی انجام ہے کہ انسان کو صرف ان چیزوں کی ضرورت اور احتیاج ہے جو اس کی تسکین کا اہتمام و انصرام کر سکے۔ اور اس کے علاوہ اور کوئی اس کے نزدیک اہمیت کی حامل نہیں۔ لہٰذا اس سے صاف عیاں ہے کہ انسان کی کوشش کا محور و مرکز صرف وہی چیزیں ہوں گی جو اس کے لئے بالفعل

یا بالفعل لذت و تسکین کا باعث ہوں۔

فلسفۂ لادینیت یا دنیویت

مادی طرزِ فکر کا لازمی اور منطقی نتیجہ لادینیت ہے۔ یعنی اگر مادہ ہی سب کچھ ہے اور کائنات خود بخود وجود میں آگئی ہے تو لامحالہ (نعوذ باللہ) کائنات کا کوئی مالک ہے اور نہ ہی خالق۔ اور پھر جب خالق و ناظم نہیں تو اعمال کا حساب ان کی جزا و سزا کا تصور سرے سے ہی نہیں باندھا جا سکتا۔ چنانچہ میکانکی تصورِ حیات کے اثر کی وجہ سے مغربی ممالک کے بہت کم لوگ خدا کے قائل ہیں اور اپنے مذہب سے والہانہ محبت کے باوجود لادینی خیالات کے غلبہ کی وجہ سے دوسرے مذاہب سے بغض اور تعصب و عناد کے علاوہ کسی اور طریقۂ فکر پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے اور زندگی کے اس بہتے ہوئے سمندر کا رُخ کسی اور طرف موڑنے کے قابل نہ ہو سکے۔

عوام کی حاکمیت

مادی طرزِ فکر کا دوسرا لازمی انجام حاکمیت انسان ہے۔ جب (نعوذ باللہ) یہ نظریہ بنیاد ٹھہرا کہ کائنات بغیر کسی خالق کے وجود پذیر ہوئی ہے۔ تو پھر ایسی ہستی کا ذکر کرنا ہی بے معنی ہے۔ جس سے کسی قسم کی ہدایت و راہبری اور نفع و نقصان کی امید کی جا سکے۔ لہٰذا انسان خود ہی مالک و ناظم ہے۔ جس طرح اور جیسے وہ چاہے اصول وضع کرے۔ اور اپنا نفع حاصل کرنے کے بعد وہ جب چاہے اصول توڑ دے۔ لیکن اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں کی سوچوں اور ان کے خیالات میں بڑا واضح فرق اور عظیم اختلاف ہوتا ہے۔ ان کی رائے مانی جائے تو کس طرح؟ اور اقتدار تسلیم کیا جائے تو کس کا؟۔ اس کے جواب میں روسو نے رائے عامہ کا لفظ تجویز کیا ہے۔ مزید یہ کہ قوم کے عوام اپنی خواہشات اور آرام میں ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہیں وہ جو چیز چاہیں۔ اپنے لئے حلال ٹھہرا لیں اور جس چیز کو مناسب سمجھے حرام قرار دیں۔ مذہب و اخلاق کا کوئی ضابطہ ان کے فیصلہ کی راہ میں رکاوٹ کا باعث نہیں بن سکتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ بتائی گئی۔ کہ چونکہ کسی بھی ریاست کی اصل طاقت کا انحصار وہاں کے عوام پر ہوتا ہے۔ اس لئے منطقی اور استدلالی نتیجہ یہ اخذ کیا گیا کہ حاکمیت بھی انہی کی ہونی چاہیئے۔ لیکن اس کے لئے ایک مشکل یہ ہے کہ خود اُن کی فلاح کے لئے ضروری ہے کہ ایسے اصول و ضوابط وضع ہوں جو انصاف و فلاح کا کام سرانجام دیں۔ اور جن میں کسی قسم کی کج روی یا خود غرضی رتی برابر بھی شامل نہ ہو اور پھر یہ کام اور مرتبہ دینِ حق کو ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ جس کی راہبری اور اصولوں کی پابندی اپنے اوپر عائد کر کے جمہور فلاح کے راستے پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

جذبہ قوم پرستی

قوم پرستی ایک ایسا جذبہ ہے۔ جو مذہب کے خاتمہ کے بعد اجتماعی نصب العین اور اتحادی عامل کی کمی پورا کرتا ہے

اسی قوت نے قرون وسطیٰ میں مسیحیت یورپ کے مختلف ممالک کو جوڑنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس اشتراک کی بنا پر پورا یورپ باوجود سیاسی تقسیم کے ایک وحدت تصور کیا جاتا تھا۔ اور مذہب کے کلی استیصال کے بعد قوم ہی اصل وحدت قرار پائی اس طرز فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف قوموں اور ملکوں نے ہر اس چیز کو باطل قرار دیا۔ جو اُن کی خاک وطن سے تعلق نہ رکھتی تھی۔ اور پھر مزید یہ کہ انہوں نے غیر ملک کی اُن اعلیٰ اقدار کو نہ صرف اپنے ملک میں لاگو کیا بلکہ ماننے سے انکار کر دیا۔ جن کو خدا کے پاک بندوں نے وقتاً فوقتاً پیش کیا تھا جس میں نہ صرف ایک قوم یا ایک مخصوص طبقے کا مفاد پنہاں تھا بلکہ پوری نوع انسانی کی فلاح مطلوب تھی۔

فلسفہ حیوانی ازدواج

اس خطرناک فلسفہ کے معنی یہ ہیں۔ کہ شرم و حیا اور عصمت و عفت جن کو انسان اب تک قابل قدر صفات سمجھتا رہا ہے وہ سب اضافی ہیں جو زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ آج کے دور میں ان کی حیثیت ماضی کے انسانوں سے زیادہ نہیں۔ درحقیقت یہ وہ زریں جال ہیں۔ جو عورت کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ عورتیں ہر لحاظ سے مرد کے برابر ہیں۔ انہیں زندگی دوڑ دھوپ میں برابر کا شریک ہونا چاہیئے۔ عورت کے لئے خانہ داری امور میں مقید رہنا غیر فطری ہے۔ مزید یہ کہ جنس جو کہ ایک حیوانی جذبہ ہے، کی تکمیل کے لئے نہ تو کسی خاص انتظام کی ضرورت ہے۔ اور نہ ہی زن و شوہر کے مختلف کردار کی دلیل واضح ہوتی ہے۔ اس غلط اور بے بنیاد فلسفہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پہلے نکاح پر گرفت کمزور ہوئی۔ پھر اس سے بیزاری کا رجحان فروغ پایا۔ پھر اولاد جو خاندان کو مضبوطی سے باندھنے کا ذریعہ ہے کی خواہش سرد ہوئی۔ اور پھر رفتہ رفتہ خاندانی نظام کی مضبوط عمارت پیوند خاک ہوگئی۔

موجودہ سماج نے سب سے فاش غلطی یہ کی ہے۔ کہ اس نے تربیت کے لئے خاندان کے مقابلے میں مدرسوں پر اعتماد کیا۔ آج کی ماں اپنے بچے کو نرسری سکول میں صرف اس غرض کے لئے چھوڑ آتی ہے کہ وہ اپنی معاش کے لئے آزاد شہوت رانی کے لئے فضول قسم کی آرٹ پرستی کے لئے اور برج کھیلنے یا سینما جانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت بچا سکے۔ اور اس طرح ایک طرح کی مشغول بیکاری میں منہمک رہے۔ اس طرز زندگی نے خاندان کے نظام کو جس کے زیر اثر رہ کر بچہ بہت کچھ سیکھتا ہے۔ بالکل درہم برہم کر دیا ہے۔"

روس بھی اسی مرض میں مبتلا ہے۔ وہاں اشتراکیت نے اخلاقی سطح کو اور بھی پست کر دیا ہے۔ اشتراکی سوسائٹی نے اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا ہے۔ کہ جنسی عمل میں انسان کو اس کے مذاق اور طبیعت پر چھوڑ دیا جائے

د آزاد جنسی تعلقات کی استواری کے کلی اختیارات تفویض کردیئے جائیں۔ اس کھلی آزادی کا یہ اثر پڑا ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں جہاں اشتراکی سوسائٹیاں موجود ہیں۔ اور جہاں اشتراکی اخلاقیات اور صنفی انارکی کا براہ راست اثر پڑا ہے۔ وہاں اخلاقی اقدار بالکل ختم ہوگئی ہیں۔

مزید دیکھنے کے لئے ملاحظہ ہو۔

Russia without Illusion by پیٹ سیبون۔

یہ مغربی تہذیب کے عناصر ترکیبی تھے۔ لیکن اس ضمن میں ایک بات بطور خاص ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ خواہ یورپ کی لادینی جمہوریت ہو یا روس وچین کی اشتراکیت یا ہٹلر اور مسولینی کی فسطائیت۔ یہ دراصل ایک ہی تہذیب کی مختلف شاخیں ہیں۔ اور ان کی بنیادی روح اور اساس ایک ہی ہے۔ ان میں باہم اختلاف بجا۔ لیکن ہیں یہ ایک ماں باپ کی اولاد۔

یورپ کے عناصر ترکیبی کے بعد اب ہم اشتراکیت کو اختصار کے ساتھ بیان کریں گے کیونکہ عصر حاضر میں یہی ہر قوم کی روح میں پیوست ہوتی جارہی ہیں۔ اور قوم کی بنیاد اور اساس میں اپنی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے اسلام کے عصر حاضر کے تقاضے اور بھی بڑھ جاتے ہیں۔

اشتراکی نظریۂ حیات

اشتراکیت کے حامی اور اس کے مخالف عام طور پر اپنی بحث کا آغاز تاریخ کی مادی تعبیر سے کرتے ہیں یہی اُن کے نزدیک اشتراکی فلسفہ کی جان ہے۔

مارکسی فکر کی بنیاد یہ ہے۔ کہ اس کائنات کی اصل حقیقت مادہ ہے۔ جو جواہر کے مجموعے سے عبارت ہے۔ اور جن کی تشریح طبیعیات کے اصول موضوعہ کے ذریعہ ہی سے کی جاسکتی ہے۔ اور جو کچھ بھی اس عالم میں موجود ہیں نظر آرہا ہے وہ قوانین کا پابند ہے۔ مزید یہ کہ کسی بالاتر ہستی کا وجود یا اس کی فرماں روائی پر ایقان وایمان نہ صرف انسانیت کے لئے خطرناک اور مہلک بلکہ خلاف عقل وفطرت بھی ہے۔

اس میکانکی تصور حیات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے تحمل میں غیر ذمہ دار ہوتا ہے۔ معاشرتی زندگی میں تعاون کے بجائے مخالفت کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے اور اس معاشرہ میں چین سکون کی بجائے فساد واضطرابات کا دور دورہ ہوتا ہے۔

طبقاتی نزاع

تاریخ کی مادی تعبیر سے ہی طبقاتی نزاع کو اخذ کیا گیا ہے کیونکہ مارکس کے نزدیک ہر معاشی نظام جب ترقی کرتے کرتے ایک خاص مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو اس کے اندر سے نئی پیداواری قوتیں نمودار ہوتی ہیں۔ اور یہ قوتیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں۔ کہ معاشی نظام جس طبقاتی تقسیم پر مبنی ہے اسے بدل کر طبقوں میں تقسیم کو از سر نو عمل میں لایا جائے۔ اور وہ ملکیتی نظام بھی از سر نو مرتب کیا جائے۔ جو معاشرہ اور افراد کے درمیان تعلقات متعین کرتا ہے۔ اس طرح غالب و مغلوب، مظلوم و ظالم کے درمیان ایک مسلسل اور نہ ختم ہونے والی کشمکش جاری رہتی ہے جسے عرف عام میں طبقاتی نزاع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مارکس کے نزدیک ہر انقلاب اسی کشمکش کا نتیجہ تھا اور ہر اہم جنگ کے پس منظر میں یہی چیز کارفرما رہی ہے۔

نظریۂ توفیر

Surplus value

کسی بھی شئے کی اصل قدر محنت کی وہ مقدار ہے جو اسے پیدا کرنے میں صرف ہو۔ چنانچہ بقول مارکس اس شئے کی قیمت کا واحد حقدار صرف مزدور ہے۔ اس کے نزدیک اس دور میں مزدور میں اتنی سکت نہیں کہ وہ مہنگی اور قیمتی اشیاء خرید سکے کیونکہ وہ مجبور ہے۔ اور وہ تو اس پر قناعت کرے گا جو اسے صنعت کار بخش دے۔ ایک شئے کی اصل قیمت مزدور کو دی جانے والی اجرت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جسے نظریہ توفیر یا نظریۂ قدر زائد کہا جاتا ہے۔ حقیقتاً تو یہ مزدور کا حصہ ہے لیکن صنعت کار اسے "قانونی ڈاکہ زنی" کے ذریعے ہڑپ کر جاتا ہے۔

تصورِ ریاست

اس کے مطابق ریاست ایک ایسا ادارہ ہے جس کا کام بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ دولت مندوں اور برسرِ اقتدار طبقہ کی پاسبانی کرے۔ اشتراکیت کے ان بنیادی تصورات پر اشتراکی تحریک کی جو عمارت تعمیر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے ذریعے لوگوں کو بتایا گیا کہ ان تصورات کو اپنانے سے نہ صرف خوشحالی کا دور دورہ کرے گا بلکہ جو قوم ان تصورات کو قبول کرے گی۔ اسے وہ منفعتیں حاصل ہوں گی کہ جن کا تصور کرنا بھی محال ہے۔

جن میں مثلاً

۱۔ اس کے اندر طبقاتی تقسیم ناپید ہوگی۔

۲۔ کوئی طبقہ دوسرے طبقے پر ظلم نہ کر سکے گا۔

۳۔ مساواتِ شکم کے اصول پر کاربند ہونے سے معاشرتی عدل قائم ہوگا۔

۴۔ ریاست جو جبر کا سب سے بڑا اوزار ہے۔ خود بخود ختم ہو جائے گی۔

اشتراکیت جن ذرائع سے ان مقاصد کو حاصل کرنا چاہتی تھی ۔ اس کے بنیادی اصول یہ ہیں ۔

۱۔ دولت کی شخصی ملکیت کا استحصال کر دیا جائے گا ۔

۲۔ دولت اور وسائل دولت آفرینی پر تمام حقوق مالکانہ جماعت کو حاصل ہوں گے ۔

۳۔ دولت آفرینی اور تقسیم دولت کا پورا نظام جماعت کے ہاتھ میں ہو ۔ جس کی طرف سے حکومت اس فریضہ کو سرانجام دے ۔

اس مشترک ملکیت کا حصول بہر حال اتنا آسان کام نہ تھا کہ ہنسی خوشی انجام پاتا ۔ جہاں کہیں بھی اشتراکی برسر اقتدار آنے میں کامیاب ہوئے ۔

اول تو خود فریبی اور قتل و غارت کا بازار گرم کر کے وہ کرسئ اقتدار تک پہنچ سکے اور پھر مزید یہ کہ مسلسل نہایت ہولناک ظلم و ستم کے بعد اجتماعی ملکیت کا نفاذ ہو سکا ۔ صرف روس میں اس مقصد کے لئے اس قدر ظلم و ستم ، تشدد اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا گیا کہ جس کا اعداد و شمار پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ پھر

طبقہ داری تقسیم کا انداز تنخواہوں کے اس تفاوت سے ہوتا ہے ۔ روس میں ایک عام مزدور کی تنخواہ ۴۰۰ ماہانہ روبل ہے ۔ جبکہ منتظمین اور ماہرین ۳۰۰۰۰ روبل ماہانہ لیتے ہیں ۔ تنخواہوں میں اتنا بڑا فرق کسی دوسرے جمہوری ملک میں بھی نہیں ۔

اوپر کے حصہ میں عقلی اور تاریخی نقطۂ نظر سے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ کہ مغربی اور سوشلسٹ ممالک اپنے افکار اور عناصر ترکیبی کے ذریعے انفرادی زندگی پراگندہ اور اجتماعی زندگی کو فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا رہے ہیں

اب نہایت مختصراً پہلے یورپ اور پھر سوشلسٹ عناصر ترکیبی استدلال کے ساتھ رد کرنے کے عصر حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں احاطۂ تحریر کیا جائے گا ۔

مغربی فکر کے اس رجحان کا لازمی اور منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب ایک طویل عرصے سے نظریۂ حیات سے محروم رہا ۔ نتیجتاً مغرب کا انسان ہدایت سے محروم ہو کر صرف انسانی ذہن و فکر پہ تکیہ کرنے پر مجبور ہوا ۔ اس ذہن انسانی فکر نے اسے یہاں لا کھڑا کیا ۔ کہ اب وہ ایک مکمل اور جامع نظریۂ حیات کا ہی منکر ہو گیا ہے ۔ مزید یہ کہ مغربی دنیا کا یہ المیہ بھی رہا ۔ کہ ان کے نظام زندگی میں کبھی بھی یک رنگی نہیں رہی ۔ لادینیت ہو یا مادیت ، جذبہ قوم پرستی ہو یا حیوانی ازدواج کا نظریہ ، وہ زندگی کے کسی میدان میں مثبت تحریکیں نہیں پیش کر سکا بلکہ ان تحریکوں کو منفی راستوں پہ چلایا گیا ۔ لا محالہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مثبت نظام زندگی کا ڈھانچہ کبھی مقرر نہ کر پائے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ہر شعبے کا ارتقا جدا جدا بنیادوں پر اور مختلف تمدنی خطوط پر ہوا ۔ اور ان کی زندگی میں کوئی وحدت باقی نہ رہی ۔ معاشرت کی سمت میں جا رہی ہے تو معیشت کسی اور سمت میں ، سیاست کی اپنی الگ ڈگر ہے ۔ تو اخلاق و تمدن کا کچھ اور انداز ۔ غرض کہ ہر معاملہ میں متعدد معیار بن گئے ۔ اور کوئی ایسا پیمانہ

نہ رہا جس کے حیات کے ہر پہلو کو ناپا جاتا ہے۔

دوسری طرف جب یورپ کے عناصر ترکیبی قدرے زوال پذیر ہوئے تو اشتراکیت بہ حیثیت قوم ایک نظریہ حیات نے کر ابھری۔ اور آج کے دور میں اسے جو تھوڑی بہت کامیابی نصیب ہوئی اس میں اس چیز کا ہاتھ رہا کہ اُن کے پاس بظاہر نظریہ حیات ہے۔ لیکن اشتراکیت بھی اپنے اس نظریہ حیات کو یورپ کے منفی اثرات سے باز نہ رکھ سکی اور اس نے بھی اپنی بنیاد کو مادہ اور روح اور زندگی اور اخلاق کی تقسیم پر رکھا۔ مزید یہ کہ انسان سماج کی طبقاتی اساس اس کی اساس رہی۔ اس نے ایک ضابطہ عمل تو دیا مگر صحت مند، مکمل اور جامع نظریہ حیات پیش کرنے میں ناکام رہی۔ اور جب تک اشتراکیت محض ایک تحریک رہی۔ اس نے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کی۔ لیکن جب اس کے عملی نتائج سامنے آئے تو اس کی جاذبیت کم ہوتی چلی گئی۔

جب ہم اشتراکیت کے طبقاتی نزاع پر نظر دیکھتے ہیں۔ تو ہم بلا جھجک یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اسلام کا لایا ہوا ہمہ گیر انقلاب کس طبقاتی نزاع کا نتیجہ تھا؟ کیا مسلمانوں میں حضرت بلالؓ حبشی اور حضرت عثمانؓ غنی کا باہمی تعلق بھائیوں جیسا نہ تھا۔ کیا وہ اپنے ہی طبقے کے امراء اور غرباء سے اسلام کی سربلندی کی خاطر شانہ بشانہ نہیں لڑے۔ اور پھر رہی فرانس کے انقلاب کی بات تو فرانس میں معاشی عامل دوسرے بہت سے عوامل میں سے صرف ایک تھا۔ اگرچہ اس کا اثر دوسروں کی نسبت زیادہ تھا۔ اور اگر طبقات ہی اکلوتا سبب ہوتا تو انقلاب فرانس سے قبل زیادہ شدید تر انقلاب انگلستان میں آنا چاہیے تھا۔ اس لئے کہ وہاں زیادہ صنعتی ترقی کی بنا پر طبقات کی نئی تقسیم زیادہ واضح تھی۔ لیکن انقلاب انگلستان کو اس کے پُرامن اور غیر شدید ہونے کی بنا پر "شاندار انقلاب" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

نظریہ تو فیر( ) میں ہم بہ حیثیت مسلمان مارکس کی اس بات سے بڑھ کر حامی ہیں۔ کہ مزدور کو اس کا پورا پورا حق ملنا چاہیئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔"

اس حدیث شریف میں جہاں یہ معنی پنہاں ہیں کہ مزدور کی اجرت میں عجلت ضروری ہے۔ وہاں یہ معنی بھی ہیں کہ اجرت ایسی ہو کہ جو مزدور کے کام کے عین مطابق منصفانہ اجرت کہلانے کی مستحق ہو۔ لیکن یہ بات کوئی بھی ذی فہم اور ذی شعور آدمی ماننے کو تیار نہ ہوگا کہ شئے کی محض قیمت مزدور کی مزدوری کا ثمر ہے۔ حالانکہ کسی شئے کے مکمل ہونے میں موجد کی ذہنی قابلیت، زیادہ استعمال کی مشینوں کی شکست و ریخت کارخانہ دار کا حسن انتظام، کاریگر کی مہارت اور مزدور کی مزدوری سبھی کو دخل ہے اور پھر یہ کہ پورے کا پورا نفع مزدور کو دے دینا ناانصافی ہوگی۔

ریاست کے تصور میں یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ اکثر اوقات سرمایہ دار اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے سیاسی قوت اپنے مفاد کی خاطر استعمال کرتا ہے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ دنیا میں ایسی ریاستیں بھی رہی ہیں جن کو سرمایہ دار طبقہ باوجود کوشش

کے اپنے مفاد میں استعمال نہ کر سکا۔ لہٰذا اس سے یہ بات صاف طور سے عیاں ہے کہ ریاست کا اصل مقصد لوگوں کو عدل و انصاف مہیا کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ انسان کی بدقسمتی ہے کہ وہ اپنے مفاد اور خود غرضی کی بنا پر کبھی کبھی اسے ظلم و زیادتی کے لیے استعمال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اور یہ بات تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی گئی ہے۔ کہ مسلم ریاست میں ریاست کا کام برسراقتدار لوگوں کے مفادات ذاتی اغراض کو قائم رکھنا اور اس کی حفاظت مقصود نہ تھی۔ اس کی غرض و غایت معاشرہ میں مختلف طبقوں میں عدل و انصاف قائم کرنا تھا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اوّل اپنی ریاست کا بنیادی اور اساسی مقصد یہ بیان فرماتے ہیں:۔

"اور تم میں جو بے اثر ہیں۔ میرے نزدیک وہ با اثر ہیں۔ یہاں تک کہ میں ان کا حق واپس دلا دوں (انشاء اللہ)

اور تم میں جو با اثر ہیں وہ میرے نزدیک بے اثر ہیں۔ یہاں تک کہ میں اُن سے دوسروں کا حق وصول نہ کر لوں (انشاء اللہ)

ملّت اسلامیہ کے لیے عروج و زوال کا قانون دوسری قوموں سے بالکل الگ اور مختلف ہے۔ دوسری قوموں کے لیے تو یہ قانون ہے۔ کہ اگر وہ کچھ بنیادی قسم کی انسانی اخلاقیات اپنے اندر پیدا کر لیں۔ اور ترقی کی ضروری مادی تدبیریں اختیار کر لیں تو اوپر اٹھ سکتی ہیں۔ لیکن جب امتِ مسلمہ کا معاملہ ہو تو یہ چیزیں اس کی ترقی کے لئے زینہ کا کام نہیں دے سکتیں۔ اللہ کے دین کی علمبرداری اور دوسری قوموں کے سامنے حق کی گواہ اس کا منصب قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی منصب حقوق و فرائض کی ذمہ داریوں میں اختلاف چاہتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اگر دوسری قومیں راہ حق کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کریں تو اللہ کا قانون یہ کہتا ہے۔ کہ ان کا جرم اتنا شدید اور سخت تر نہ ہو گا۔ جتنا امت مسلمہ کی طرف سے سرزد ہو جانے کی صورت میں ہو سکتا ہے وہ اس لئے کہ دوسری قوموں کو اس بات کو اللہ کی طرف سے چھوٹ ملی ہے کہ وہ خدا کی فرماں برداری اختیار کئے بغیر بھی ترقی کر سکتی ہے لیکن امتِ مسلمہ کو اس قسم کی قطعاً اجازت نہیں۔ بلکہ اللہ کی حاکمیت میں انسان اس زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ اور اس کا قرب ہونے کی صورت میں اسے انعام و کرام سے نوازا جائے گا۔ اور نافرمانی کی صورت میں وہ سزا کا سزاوار ہو گا۔

مندرجہ بالا صراحتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو دنیا کی فلاح سے بھی خوب نوازتا ہے لیکن یہاں یہ سوال ذہن میں آتا ہے۔ ایسا کیوں۔؟ اور — کیسے ہوتا ہے۔؟ کیونکہ مذہب کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ کہ مذہب انسان کو آخرت کی ترغیب دیتا ہے۔ اور دنیا سے بے پرواہ بناتا ہے۔ پھر دین کا دامن پکڑنے سے یہ کونسی دنیا۔ کس طور سے ہاتھ آ جاتی ہے۔؟

ان سوالوں کے جواب میں یہ اصولی حقیقت ذہن نشین ہونی چاہیئے۔ کہ دولت و عزت اور حکومت و اقتدار جنہیں فلاح دین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ بذات خود یا فی نفسہٖ دین کی نگاہ میں بُری معیوب و معتوب چیزیں نہیں قرار دی گئیں، بلکہ یہ تو اس کی نعمتیں، اس کا احسان، فضل و کرم ہے۔ اور مزید یہ کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنی ان نعمتوں سے نوازتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ایک جگہ آواز دی۔

یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو جب اس نے تم پر انبیاء
بنائے اور تمہیں بادشاہت، اقتدار و حکومت سے سرفراز کیا۔ (المائدہ)

پھر دوسرے مقامات پر زندگی کی سہولتوں اور رزق کی فراوانیوں کو انعم اللہ سے تعبیر کیا گیا۔ اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:۔

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ

اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (الجمعۃ۔۱۰)

لیکن یہاں اس بات کا شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ پھر قرآن و حدیث میں "طلب دنیا" کی مذمت کیوں کی گئی ہے کہ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ جس دنیا کو ملعون اور جس کی طلب کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔ وہ اور چیز ہے۔ اور وہ دنیا جس میں مومن فلاح اور حق کا طلبگار رہتا ہے۔ بالکل دوسری چیز۔ اسلام نے انسان کو ملعون اور مذموم چیزوں سے بچنے کے لئے کہا ہے۔ وہ چیزیں جو انسان کو اللہ اور اس کے دین سے غافل کر دیں۔ لیکن جو دنیا انسان کو اللہ کی یاد سے غافل اور اس کے دین کے تقاضوں سے بے پرواہ بنانے کی بجائے معاون و مددگار ہو۔ وہ ہرگز مذموم اور قابل نفرت نہیں۔ بلکہ پسندیدہ اور قابل قدر نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ قرآن مجید نے انہیں (فی الدنیا حسنہ)" (دنیا کی بھلائی) اور "ثواب الدنیا" یعنی دنیا کا اجر قرار دیا ہے اور پھر مومن کے بارے میں قرآن و حدیث کا تصور یہی ہے۔ کہ وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا غلط استعمال نہیں کرتا۔ بلکہ اُسے اس کی رہنمائی اور ہدایت کے مطابق کام میں لاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ وہ چیزیں نہیں جو ملعون و معیوب ہیں بلکہ محمود و مقصود ہیں۔

رہی دوسری بات تو اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کا مطلب ہرگز نہیں۔ کہ ایک مومن دنیا سے دستبردار ہو جائے۔ بلکہ اس میں یہ بات رکھی گئی کہ دنیا کو حاصل کرتے وقت دین کے تقاضوں اور مقررہ حد کو تجاوز نہ کیا جائے۔ تاکہ آخرت کے مفاد کو ٹھیس نہ پہنچے۔ پھر مزید یہ کہ انسان اس دنیا میں اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے اور خلیفہ اور نائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کے نظام کو اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اور اسے خدا کی مرضی اور رضا کے مطابق چلائے۔ ان تفصیلات سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اقتدار و حکومت دنیا کی عزت و دولت دین و ایمان کے قطعاً منافی نہیں بلکہ یہ تو "اللہ کا فضل" اور اس کی نعمتیں ہیں۔ جو اس کے حق شناس بندوں کے لئے رکھی گئی ہیں۔

کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۝

فرما دیجئے کہ یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی اہل ایمان کے لئے ہی ہیں اور قیامت کے دن کو خالصتاً انہی کے لئے ہوں گی۔ الاعراف۔ ۳۲

ان امتیازی خصوصیات کے فہم وادراک کے بعد اسلام کے تقاضوں کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

اسلام دوسرے تمام مذاہب سے ممتاز ہے صرف اسلام ہی ایسا دین ہے جو ہر حیثیت سے کامل اور جامع ہے انسانوں کی نجات کے لئے ضروری ہے کہ اسی کی پیروی کی جائے اور خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلام کی دعوت دی۔ وہ مکمل اور ایسی جامع تھی کہ جس کے بعد کسی اور تعلیم کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی مزید یہ کہ یہ ہدایت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہر زمانے اور قوم کے لئے جامع اور مکمل ہوگی۔ رسالت محمدی کی اس امتیازی خصوصیت کے پیش نظر کچھ لازمی تقاضے پیدا ہو جاتے ہیں۔

جن میں ......

اسلام کو بحیثیت ایک جامع اور ہمہ گیر نظام زندگی کے پیش کیا جائے۔ اس کے ایک ایک پہلو کو معقول طریقے سے واضح کیا جائے۔ دماغوں کی تمام الجھنوں کو صاف کیا جائے۔ جو غیر اسلامی علوم وافکار اور تہذیب و تمدن کے غلبہ سے پیدا ہو گئی ہیں۔ اسلامی نظام کے برحق اور غیر اسلامی نظاموں کے باطل ہونے بدلائل ثابت کیا جائے۔ اور باطل کو مٹا کر حق کو عملاً قائم کرنے کی سعی وجہد کا جذبہ دلوں میں ابھارا جائے۔

انسانی زندگی کے پورے نظام کو اس کے تمام شعبوں سمیت جن میں فکر ونظر، عقیدہ وخیال، مذہب واخلاق سیرت وکردار، تعلیم وتربیت، تہذیب وثقافت، تمدن ومعاشرت، معیشت وسیاست، قانون وعدالت، صلح و جنگ اور بین الاقوامی تعلقات تک ہی معاملات شامل ہیں۔ خدا کی بندگی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے قانون حیات پر قائم کیا جائے۔

دلیل واخلاق اور منظم جدوجہد کے ذریعے سے ایسے ہر نظام کی جگہ اسلامی نظام زندگی قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔
مزید یہ کہ اسلام کا لازمی اور فطری تقاضا یہ بھی ہے۔ کہ دنیا کے تمام مذاہب منسوخ ہو چکے ہیں۔ اور اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

بے شک اللہ کے نزدیک مقبول دین تو صرف اسلام ہے۔ آل عمران - ۱۹

اس لئے یہ لازمی ہے کہ دین اسلام پر ایمان لایا جائے۔ اور ہر قوم، ہر ملک اور زمانے کا انسان اسی کے حلقہ اثر میں آجائے۔ نہیں تو ....

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا۔ تو اللہ کے یہاں اس کی طرف سے یہ دین ہرگز قبول نہ ہوگا۔ آل عمران ۸۵

لہٰذا جب دین اسلام ساری انسانیت کے لئے دین قرار پایا۔ تو لامحالہ اس کو لانے والا پیغمبر تمام بنی نوع کا پیغمبر ہوگا۔ لہٰذا اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ اب نہ تو کسی دین کی ضرورت ہے۔ اور نہ ہی کسی پیغمبر کا زمانہ آسکتا ہے۔ کیونکہ پیغمبر نے اس کا اعلان خود بحکم الٰہی کیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

لوگو میں (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم سب لوگوں کے لئے اللہ کا رسول ہوں ۔ (الاعراف : ۱۵۸

یہ ایک ایسی بات ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کے لئے خاص ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے جو انبیاء آئے تھے۔ اُن میں کسی کی حیثیت یہ نہ تھی۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں فرمایا۔

یعنی مجھ سے پہلے کا ہر نبی مخصوص طور پر اپنی ہی قوم کے پاس نبی بنا کر بھیجا جاتا تھا لیکن میں تمام کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت جس طرح عالمگیر ہے اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ وحی و رسالت کا سلسلہ اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہوگیا۔ اور اب قیامت تک کوئی رسول نہ آئے گا۔

وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ط

بلکہ وہ اللہ کے رسول اور سارے نبیوں کے سلسلے کو ختم کرنے والے ہیں ۔ (الاحزاب - ۴۰)

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ مبارک ہیں ۔

یعنی مجھ سے نبوت کی عمارت مکمل ہوگئی۔ اور میرے ذریعے رسولوں کا ذریعہ ختم ہوگیا۔

اب اس بات کا ثبوت کہ اسلام کی پیروی ہی لازمی اور ضروری ہے۔ کی شہادت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عمل سے ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ بات اگر قرآن کے پیش نظر ہوتی۔ کہ تمام مذاہب سچے اور کسی ایک رسول کی پیروی کافی ہے۔ تو یہ بات اس امر کا تقاضا کرتی کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ کو اسلام کی دعوت تو درکنار انہیں اسلام لانے کا مطالبہ بھی نہ فرماتے۔ کیونکہ وہ خود تو صاحب کتاب تھے۔ اس لئے اُن سے یہ فرماتے کہ تم تورات اور انجیل کی مخلصانہ طور پر پیروی کرو۔ لیکن ساری انسانیت جانتی ہے کہ ایسا قطعاً نہیں ہوا۔ آنحضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی ۔ جس طرح عرب کے مشرکوں کو اسلام کی دعوت دی تھی ۔ اور اسلام لانے کا مطالبہ ان کے لئے اسی قدر ضروری تھا جس قدر عرب مشرکوں کے لئے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ

اے اہل کتاب! اس کتاب پر ایمان لاؤ ۔ جسے ہم نے نازل کیا ہے ۔ جبکہ وہ اس کتاب کی پیش گوئیوں کے عین مطابق بھی ہے ۔ جو تمہارے پاس ہے ۔ قبل اس کہ ہم چہروں کو بگاڑ دیں اور انہیں پیچھے کی طرف پھیر دیں ۔ یا اُن پر لعنت کریں ۔ النساء ۔ ۴۷

قرآن نے انہیں اسلام لانے کی دعوت دی ۔ اور جنہوں نے انکار کیا ۔ انہیں صاف صاف الفاظ میں کفر کا مرتکب قرار دیا ۔ اور بعض مقامات پہ اُن کے اسلام کے انکار پر انہیں پکا کافر قرار دیا ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ الخ

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں ۔ اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کر دیں ۔ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہ مانیں گے ۔ اور اس طرح کفر و ایمان کے درمیان کوئی راہ اختیار کر لینا چاہتے ہیں تو وہ پکے" کافر ہیں ۔ اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ۔ النساء ـ ۱۵۰ ـ ۱۵۱

اس دعوت اسلام کے جواب میں وہ اس فلسفہ کا سہارا لیتے ہیں جو آج وحدت ادیان کی بنیاد بنا ہوا ہے ۔ یعنی یہ کہ جب ہمارے پاس اللہ کا دین اور اس کا رسول ہے ۔ تو پھر ہمیں اور کسی دین یا رسول پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے ۔ جبکہ ہم بھی حق پر ہیں اور دوسرے بھی ۔ لیکن اللہ اس فلسفے کو رد کرتا ہے ۔ اور اس رد کے ساتھ ساتھ کفر کا لیبل بھی لگا دیتا ہے ۔ مزید یہ کہ انہیں یہ بھی حق وہ بھی حق ،، کہنے پر اصل حق کا منکر د کافر قرار دیتا ہے ۔

اس بحث سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ تمام بنی نوع انسان کے لئے اسلام ہی کی پیروی لازمی اور فطری ہے کیونکہ اسلام کی پیروی ہی شرط نجات ہے ۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جن شریعتوں کو خود منسوخ ٹھہرا چکا ۔ وہ اس کی پیروی پر کسی کو کیسا اجر دے سکتا ہے ۔ اور پھر "ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ" کے ارشاد کے بعد وہ اس امر کا اعلان کر چکا ہے ۔

وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اور ایسا شخص آخرت میں قطعاً نامراد رہے گا ۔ آل عمران ـ ۸۵

اسلام کی پیروی کے لئے لازمی ہے کہ اسلام کو دنیا کے کونے کونے تک متعارف کروایا جائے ۔ اور اس پیغام کو

پوری انسانیت تک پہنچانے کی ذمہ داری امت مسلمہ کی ہے ۔ اس لحاظ سے امت مسلمہ کی اسلامی ذمہ داریاں دوسری اُمتوں کے مقابلے میں دوہری ہیں ۔

اس نے تمہیں منتخب کیا ہے اور تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے ۔ اپنے باپ ابراہیم کے راستے کی پیروی کرو ۔ اس نے پہلے سے ہی تمہارا نام "مسلم" رکھا ہے ۔ تاکہ رسول تمہارے (دین کا حق) شاہد ہو اور تم دوسرے تمام لوگوں کے شاہد بنو ۔"

اس آیت میں جہاں یہ بتایا گیا کہ امتِ مسلمہ کا نام اور مقام کیا ہے ۔ وہیں اسے اور ساری دُنیا کو یہ حقیقت بھی سمجھا دی گئی ۔ کہ اس نام اور کام کی وجہ سے اس کا وہ مشن ہے جو اس کے سپرد کیا گیا ہے ۔ اور اگر وہ اس کام کو سرانجام دیتی ہے تو یقیناً "وہ امت مسلمہ" ہے ۔ اسی لحاظ سے اس کی خدا کے حضور جواب دہی بھی دو طرح کی ہوگی ۔ ایک انسان کی اپنی ذات کے حوالے سے اور دوسرا پوری امت کی حیثیت سے اجتماعی طور پر ۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

پس ہم ضرور حساب لیں گے ان لوگوں سے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے ۔ اور ان پیغمبروں سے بھی ۔ الاعراف - ۶

انسان فطری طور پر ایسی ذہنیت کا مالک ہے کہ وہ مفلوک الحال، پس ماندہ اور وامندہ پست اور محکوم اقوام کا طریق زندگی، اُن کا نظریہ حیات، اُن کا فلسفہ اور ان کے دین کی طرف راغب نہیں ہوتا لہٰذا اس طور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ فکری، اخلاقی، معاشرتی، معاشی غرض کہ ہر شعبۂ ہائے زندگی میں دوسروں سے آگے نکل جائیں ۔

لیکن یہ بات کہتے ہوئے ہمیں کسی قسم کی عار محسوس نہیں ہونی چاہیئے کہ اس وقت مسلمانوں کی درماندگی کا بڑا سبب آج میں جوشِ عمل اور محنت کا فقدان ہے ۔ سہل انگاری، کم ہمتی اور کاہلی ان کی خصلت اور زندگی میں داخل ہو چکی ہے ۔ جب تک مسلمان ان خصلتوں اور خرابیوں میں مبتلا نہ تھے ۔ ان کا اخلاقی معیار بلند رہا ۔ انہیں دنیوی فلاح ملتی رہی ۔ وہ پس درماندہ نہ ہے ۔ ان کے اسی کردار سے اسلام کا آفتاب اس کرۂ ارض پر اپنی پوری آب و تاب سے چمکا ۔ اور دوسری اقوام اسلام سے کسی نہ کسی حالت سے استفادہ کیا ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے۔

امان اللہ شیخ۔ جامعہ پنجاب لاہور۔

موجودہ معاشرے کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ موجودہ معاشرہ مختلف مسائل کا شکار ہو چکا ہے۔ بیسویں صدی کی جدید ایجادات، جدید معاشی نظریات، تہذیب و تمدن نے ان مسائل کی پیچیدگی میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ جوں جوں معاشرہ ارتقاء پذیر ہو رہا ہے، انسانی مسائل میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ موجودہ مادہ پرستانہ ماحول میں افراد کی اکثریت اس گرہ کو ناحق تدبیر سے کھولنے کے لئے مغربی نظاموں کی طرف رجوع کر رہی ہے۔ مادیت پرستی کی وجہ سے ہی غیر مسلم متعصب مستشرقین واشگاف الفاظ میں اسلام کو ایک فرسودہ دین کہنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ اس مسئلے کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بعض کمزور ایمان مسلمان بھی مغربی مستشرقین کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اسی قسم کے خیالات میں بھٹک رہے ہیں۔ یہ محض دین اسلام کی ابدیت سے بیگانگی اور تعلیمات اسلامیہ سے عدم توجہی کا نتیجہ ہی ہے۔

اسلام وہ واحد دین ہے جو ازل سے قائم ہے۔ اور ابد تک قائم و دائم رہے گا۔ قرآن مجید میں بار ہا مرتبہ اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ سابقہ اُمتوں کو جو دین ودیعت کیا گیا وہ اسلام ہی تھا۔ سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۱۳ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جو شریعت تمہیں دی جا رہی ہے یہ وہی ہی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی۔ گذشتہ انبیاء کرام مخصوص خطوں یا طبقوں کے لئے مخصوص تھے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانیت کی رہنمائی کے لئے مبعوث کئے گئے۔ اس سلسلہ میں آیات قرآنیہ ملاحظہ ہوں۔

۱۔ اے پیغمبر آپؐ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کا اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (اعراف)

۲۔ ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے (اسبا ۲۸)

۳۔ ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

مذکورہ نصوص قرآنیہ سے حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آپؐ تمام انسانیت کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے

لہٰذا قوانین اسلامی ابد تک نافذ العمل ہیں کیونکہ " الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا " کے مصداق آپؐ نے دین کو مکمل کر دیا۔ آپؐ کی یہ تعلیمات تا قیامت جاری و ساری رہیں گی ۔ جیسا کہ سورۃ جمعہ میں مذکور ہے۔

حضورؐ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے تھے ۔ گو وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے ۔ اور ان کی تعلیم کا سلسلہ ان لوگوں کو بھی پہنچے گا جو ابھی آپؐ کو نہیں ملے "

مذکورہ آیت کریمہ کا موخر الذکر حصہ قابل غور ہے ۔ مزید برآں اللہ تعالےٰ نے اپنی الہامی کتاب قرآن مجید کے بارے میں واضح اعلان فرمایا " ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین "، یعنی کوئی ایسی خشک یا تر چیز ایسی نہیں جو اس کتاب میں نہ ہو۔

اللہ تعالےٰ نے جب واضح طور پر دنیا کے تمام مادی و روحانی مسائل کا حل اس کتاب مبین میں بیان کر دیا ہے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ مغرب کی چکا چوند روشنیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے مسائل کا حل قرآن مجید اور اسوۂ رسولؐ میں تلاش کیا جائے کیونکہ قرآن مجید میں تمام دنیا کے مسائل جمع کئے گئے ہیں اور اسوۂ رسولؐ " لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ " کے مصداق نہ صرف ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے بلکہ مستقبل میں آنے والی نسلوں کے لئے بھی مشعل راہ ہے ۔ چونکہ اسلام ابد تک نافذ العمل رہے گا ۔ اسی لئے ہی اسلام کے بنیادی ماخذ یعنی قرآن و سنت آج تک کسی قسم کی زیغ و کجروی سے محفوظ و مصئون ہیں ۔ اور تا قیامت ان کے محفوظ رہنے کی ضمانت دی جا سکتی ہے ۔ ہر دور کے نشیب و فراز کے مطابق تعلیمات اسلامیہ کو ڈھالنے کے لئے ہی قرآن سنت کے علاوہ اجتہاد قیاس اور استحسان کی گنجائش رکھی گئی ۔ تحقیق اسلامی کے سلسلہ میں عموماً یہ باطل تصور پایا جاتا ہے کہ یہ حقیقی اسلام کو مسخ کرنے کی سعیٔ ناتمام ہے ۔ حالانکہ تحقیق اسلامی سے اسلام کو مزید وسعت ملتی ہے ۔ حضور اکرمؐ نے بذاتِ خود جدّت کو پسند فرمایا ۔ چنانچہ غزوۂ خندق کے موقع پر آپؐ نے روایتی طریقۂ جنگ کو ترک کر کے مورچہ بند ہونے کا جدید طریقہ اپنایا ۔ اللہ تعالےٰ نے خود فرمایا ہے " فاعتبروا یا اولی الابصار "، یعنی غور و فکر کرو اے آنکھوں والو!

عیسائیت ، یہودیت ، بدھ مت ، ہندو مذہب ، جین مت کی حقیقی تعلیمات محض اسی لئے ہی خس و خاشاک میں مل گئیں کیونکہ ان مذاہب کے پیروؤں نے اپنے نظریات کو مغربی نظریات میں مدغم کر لیا ۔ چونکہ اسلام ایک ابدی دین ہے اسی لئے ہی سامراجی سازشوں کے باوجود اپنی انفرادیت برقرار رکھے ہوئے ہے ۔ اس کا دامن اس قدر وسیع ہے کہ ہر دور کی ضرورتوں کو پورا کر سکے ۔ اسلام نے عصر حاضر کے تقاضوں کو جس طرح پورا کیا ہے ۔ اس کا تفصیلی جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

اسلام اور عصر حاضر کے معاشی تقاضے

عصر حاضر کے انسانی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ معاشی مسئلہ ہے۔ معاشی موشگافیاں اس قدر پیچیدہ ہو چکی ہیں کہ ان کو حل کرنے کے لئے غیر اسلامی نظریات کا سہارا لیا جا رہا ہے۔ دنیا کے ایک کثیر حصہ میں سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام ہائے معیشت کی فرمانروائی ہے۔ بلاشبہ ان ممالک نے مادی اعتبار سے خاصی ترقی کر لی ہے اور دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال لیا ہے لیکن اس ظاہری ترقی کو ہم حقیقی کامیابی تصور نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان ممالک کی اخلاقی اعتبار سے حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ انسان جسم اور روح دونوں کا مجموعہ ہے۔ جس طرح روح کے بغیر جسم بیکار ہے۔ اسی طرح روحانی ترقی کے بغیر مادی ترقی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ لہٰذا اگر انسان کی صرف مادی ضروریات کی تشنگی کی سیرابی کے لئے سامان مہیا کر دیا جائے اور اخلاقی و روحانی اقدار کو پس پشت ڈال دیا جائے تو اسے ترقی معکوس کے نام سے ہی یاد کیا جا سکتا ہے۔ اسلام نے عصر حاضر کے جدید معاشی تقاضوں کو کس طرح پورا کیا ہے۔ اس پر بحث کرنے سے پیشتر دیگر نظام ہائے معیشت کا مختصر جائزہ ناگزیر ہے۔

ا پانچویں صدی عیسوی میں جب سلطنت یورپ کا شیرازہ بکھر گیا تو اس کے مختلف حصوں پر جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے قبضہ کر کے وسائل پیداوار کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس نظام سرمایہ داری کی بنیاد ہی ایسے اصولوں پر رکھی گئی جو معاشی عدل کے عین منافی تھے۔ مثلاً شخصی ملکیت کا لامحدود حق دے دیا گیا۔ ہر سرمایہ دار کو مکمل آزادی دے دی گئی کہ وہ معاشرتی و اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے منافع خوری کو منتہائے کمال تک پہنچائے۔ خواہ حصولِ منفعت کی اس جدوجہد میں معاشرے کو گزند پہنچنے کا اندیشہ ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ سرمایہ دار، مکمل منافع کا واحد مختار تھا۔ لہٰذا اس نے تمام تر ناجائز ذرائع کا استعمال شروع کر دیا۔ نتیجتاً دولت چند ایک ہاتھوں میں ہی سمٹ کر رہ گئی۔ سرمایہ دارانہ نظام میں مزدوروں، مزارعوں کا بھی استحصال کیا گیا ہے۔ مزدور اور مزارع مکمل طور پر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا بنیادی محور سود ہے۔ جس کی وجہ مقروضین، مدت دراز تک سرمایہ داروں کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے مظالم کی انتہا یہ کہ معاشی معاملات میں حکومت کو دست درازی کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ عدل و انصاف اور اخلاق سے اس عاری اس نظام معیشت کا نتیجہ یہی ہے کہ سرمایہ دار ممالک میں مخرب اخلاق سرگرمیاں بام عروج تک پہنچ چکی ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کے مظالم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے سینٹ ایمنڈ نے ۱۸۱۰ء میں پہلی مرتبہ طبقاتی کشمکش کا تصور پیش کیا۔ بعد ازاں اسی نظریے کو فروغ دیتے ہوئے سینٹ سائمن نے ۱۸۳۰ء میں اشتراکی نظریات کا پرچار کرتے ہوئے سوشلزم کی بنیاد رکھی۔ اسی دوران کارل مارکس اور فریڈرک انجلز

کے نظریات کی آمیزش جب سوشلزم میں ہوئی تو اس کا نام کیمونزم رکھ دیا گیا۔ سوشلزم اور کیمونزم کی مبادی تعلیمات ایک ہی ہیں۔ ان کا بنیادی ہدف نظام سرمایہ داری کو ختم کر کے باہمی مساوات قائم کرنا تھا۔ اشتراکیت میں بھی روحانی و اخلاقی اقدار کی نفی کر دی گئی اور اشتراکی نظام کو مادی بنیادوں پر استوار کرتے ہوئے تمام وسائل پیداوار اور زیر کاشت زمینوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ تاکہ قومی ملکیت کا تصور پیش کیا جا سکے۔ لیکن حقیقتاً اس عمل کے ذریعہ ایک اجتماعی سرمایہ داری کی بنیاد رکھی گئی۔ جو تمام اشتراکی عوام کے سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ کیونکہ جبر و استبداد کے بعد وسائل پیداوار چھین لینے کے بعد صارفین مقررہ گراں داموں اشیاء مہیا کی گئیں۔ کاشتکاروں کی پیداوار کو زبردستی ارزاں داموں خریدا گیا۔ مزدوروں کو ان کی حقیقی محنت کا صرف تین فیصد معاوضہ دیا گیا۔ مزید ظلم یہ کہ ہڑتال کا غیر قانونی قرار دیتے ہوئے اس کا حق بھی سلب کر لیا گیا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں اگر مزدور کسی سرمایہ دار سے مطمئن نہ ہوتا تو کسی دوسرے سرمایہ دار کی ملازمت اختیار کرتا۔ لیکن اشتراکیت میں چونکہ واحد سرمایہ دار حکومت ہی ہے اسلئے مزدور تمام مظالم کے باوجود حکومتی ملازمت کرنے پر مجبور رہے۔ علاوہ ازیں محض مادی پیداوار بڑھانے کے لئے بچوں اور عورتوں سے شدید مشقت لینے سے بھی گریز نہیں کیا گیا۔ لیکن حقیقت ہے کہ اس قسم کے اقدامات سے پیداوار کم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کیونکہ کسی ترغیب کے بغیر کوئی مزدور یا کاشتکار لگن سے کام کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اشتراکی ممالک میں جمہوریت، قانون، عدلیہ، آزادی رائے کی بیخ کنی بھی کر دی گئی۔ چنانچہ آمریت کی طرح اقتدار پر محض ایک سیاسی جماعت ہی مسلط ہے۔

دور حاضر میں سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام ہائے معیشت کا دور دورہ ہے۔ اگرچہ روس نے رقبہ کی وسعت اور چین نے آبادی کی فراوانی کیوجہ سے مادی ترقی کی ہے۔ لیکن ملحدین اور بعض مسلمین بھی روس و چین کی ترقی کا راز اشتراکی نظام معیشت میں مضمر ہی خیال کرتے ہیں۔ دولت کی فراوانی اور جہانبانی کو کسی نظام کی کامیابی کی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اس اعتبار سے قارون اور سکندر اعظم کی سلطنتیں کامیاب قرار پائی گئیں۔ ہم کسی نظامِ معیشت کو اسی صورت میں کامیاب قرار دے سکتے ہیں اگر وہ انسانیت کے حقیقی مسائل کو حل کرے۔ جس کے ذریعہ کسی بھی فرد کا استحصال نہ ہو۔ ایسا نظام معیشت صرف اسلام نے ہی پیش کیا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی سب سے بڑی خامی شخصی ملکیت کا حق تھا۔ اس کو تشدد کے ذریعہ ختم کرنے کی کوشش میں اشتراکیت نے مظالم میں مزید اضافہ کر دیا۔ لیکن اسلام نے اس سلسلہ میں ایک معتدل راہ اختیار کی ہے۔ اسلام میں تمام تر وسائل پیداوار کا حقیقی مالک صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے کیونکہ مادی وسائل، زمین آب و ہوا، معدنیات، مویشی وغیرہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں۔ اور ان مادی وسائل کو استعمال میں لانے کے لئے روحانی وسائل یعنی عقل و ذہانت بھی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں۔ لہٰذا دولت و ثروت کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اور

نے ہی ان وسائل پیداوار کو استعمال کرنے کے لئے انسانوں کو اپنا نائب مقرر کیا۔

ارشاد ربانی ہے :۔

"اور خرچ کرو اس مال میں سے جس میں تم کو اس نے نائب بنایا" (الحدید۔ ۱)

علامہ آلوسیؒ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے "روح المعانی" میں رقمطراز ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی دولت کے سلسلہ میں یہ نہایت مختلف درجہ بندیوں کی حامل ہے۔ تاکہ وسائل پیداوار کو استعمال کرنے کے لئے تمام انسانوں کو مختلف زمروں میں تقسیم کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

"دنیا کی زندگی میں ان کی گذر بسر کے ذرائع تو ہم نے ان کے درمیان تقسیم کئے ہیں۔ اور ان میں سے کچھ لوگوں کو دوسروں پر ہم نے بدرجہا فوقیت دی ہے تاکہ یہ ایک دوسرے کی خدمت لیں (زخرف۔ ۳۲)

دولت کی اس قدر منصفانہ تقسیم کی مثال کسی بھی دوسرے نظام معیشت میں نہیں مل سکتی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مختلف درجہ بندیوں میں دولت تقسیم کردی ہے لیکن ہر انسان کو خوب سے خوب تر کا متلاشی رہنے کی ترغیب بھی دی گئی ہے تاکہ معاشی ترقی ہوسکے۔ دیگر نظام ہائے معیشت میں اخلاقی ترقی محض اس لئے نہیں ہوسکی کہ ان میں حلال وحرام رزق اور حلال وحرام ذرائع رزق کی تمیز باقی نہ رہی تھی۔ اسی وجہ سے ہی چوری، ڈاکہ، سمگلنگ، منشیات دھوکہ دہی، جبر واکراہ کا دور دورہ ہوگیا۔ لیکن اسلام میں صرف حلال رزق کی ہی تلقین کی اور حرام رزق کی ممانعت کردی۔ مثلاً

۱۔"حلال روزی حاصل کرو اور حرام روزی کے قریب بھی نہ جانا" (بخاری)

۲۔ عبادت کے ستر (۷۰) اجزاء ہیں جن میں افضل ترین جز وکسب حلال ہے،، (حدیث)

۳۔ حلال روزی پیدا کرنا جہاد کے برابر ہے۔ اور تمام اعمال میں افضل حلال روزی کے لئے جدوجہد کرنا ہے (حدیث)

کسب حلال اور تلاش معاش کو افضل ترین عبادت اور جہاد کے مترادف قرار دے دیا گیا۔ معاشی سرگرمیوں کو اس قدر اہمیت کسی معاشی نظام نے نہیں دی۔ اسلام نے حلال رزق حاصل کرنے کے مختلف ذرائع کی نشاندہی بھی کی ہے موجودہ دور میں معاشیات کا ایک کثیر حصہ تجارت پر مشتمل ہے۔ اسلام نے تجارت کو جو غیر معمولی اہمیت دی ہے اس کا اندازہ حضور اکرمؐ کی اس حدیث سے بخوبی ہوجاتا ہے۔

"تم تجارت ضرور کرو۔ کہ اس میں رزق کے دس حصوں میں سے نو حصے وقف ہیں "

اسلام نے آج سے چودہ سو سال پیشتر جو تجارتی قوانین مرتب کئے تھے۔ ان کی بازگشت موجود قوانین کاروبار (Marcantile Law) میں سنائی دیتی ہے۔ مثلاً باہمی معاہدہ کے سلسلہ میں اسلام نے یہ واضح اصول مرتب کیا کہ جانبین باہمی طور پر آزادانہ معاہدہ (Valid contract.) کریں۔ اس معاہدہ میں کسی قسم کا جبر واکراہ

(Coercian) دھوکہ دہی (Fraud) غلط بیانی (Misrepresentation) کا عنصر شامل نہ ہو۔ اسی طرح نابالغ (Minor) سے معاہدہ ناجائز قرار دیا گیا۔ خیانت و بددیانتی کے علاوہ آپؐ نے قیمت بڑھانے کے لئے جھوٹی بولی لگانے کی ممانعت کر دی۔ اس کے علاوہ کسی مال کو ارزاں داموں خریدنے کے لئے اس کی بے جا مذمت کرنے یا کسی گھٹیا مال کو گراں داموں فروخت کرنے کے لئے اس کی بے جا تعریف کرنے کی سخت وعید سنائی گئی۔ فروختنی مال کے عیوب واضح طور پر بیان کرنے کی تلقین کی گئی۔ اور جھوٹی قسمیں کھا کر حاصل کردہ رزق کو بے برکت قرار دیا گیا۔ رزقِ حلال کے دیگر ذرائع محنت مزدوری، کاشتکاری، صنعت و حرفت کو بھی اسلام میں غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے جبکہ گداگری کو بطور پیشہ اختیار کرنے کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی ایک اہم خامی دولت کو چند ہاتھوں تک محدود ہو جانا تھا۔ اسلام نے گردشِ دولت کے لئے متعدد اقدامات کئے، جن میں زکوٰۃ، عشر، خمس، صدقہ، حبہ، جزیہ، وراثت وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ بالخصوص زکوٰۃ و عشر کے ذریعہ نہ صرف دولت کو گردش میں لایا گیا بلکہ معاشی جدوجہد میں پسماندہ رہ جانے والے افراد کی معاشی خوشحالی کا سامان بھی پیدا کر دیا گیا۔ قرآن و حدیث میں متعدد مرتبہ صاحبِ نصاب حضرات پر زکوٰۃ کی فرضیت کو واضح کیا گیا۔ ان اقدامات کے علاوہ مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ وہ اپنے مال میں سے مناسب صدقہ دیں۔ اور صدقہ کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

" آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ راہِ خدا میں کیا خرچ کریں کہہ دیں جو بھی ضرورت سے زائد ہو (البقرہ - ۲۱۹)

اسلامی معاشی نظام کا ایک اہم کارنامہ سود کی لعنت کا خاتمہ ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں دونوں قسم کے سود یعنی قرضی سود اور معاملاتی سود کی واشگاف الفاظ میں مذمت کی گئی ہے۔ اور سود دینے و لینے والوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ کیونکہ سود سے کئی معاشرتی و معاشی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ عموماً یہ تصور کیا جاتا تھا کہ کاروبار بنک سود کے بغیر ناممکن ہو رہا ہے۔ لیکن اسلام نے دورِ جدید کے تقاضوں کے عین مطابق بلاسود بنکاری کا نظام پیش کیا جس پر پاکستان میں عمل ہو رہا ہے۔ اسلام میں اگرچہ قرض کو پسند نہیں کیا گیا۔ تاہم ضرورت مندوں کے لئے قرضِ حسنہ (بلاسود قرض) کی رعایت دی گئی ہے۔ قرضِ حسنہ کی واپسی کی کوئی شرط (البقرہ ۲۴۵) کے مصداق نہیں رکھی گئی۔ لیکن واپسی کی شرط کی صورت میں مناسب مہلت دینے کی سہولت بھی مہیا کی گئی ہے۔

اسلام نے حرام ذرائع یعنی رشوت، چوری، دھوکہ دہی وغیرہ سے رزق حاصل کرنے کی ممانعت کی ہے۔ اسی طرح رزق کو خرچ کرتے وقت نہ تو فضول خرچی کی اجازت دی ہے اور نہ ہی بخیلی کی اجازت دی ہے۔ بلکہ معتدل راہ اختیار کرنے کی ہدایت کی ہے۔ فضول خرچی کرنے والے کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے (بنی اسرائیل)

اسلام نے آجر و مزدور دونوں کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔ عصرِ حاضر میں آجر و مزدور کے مابین پائی جانے وا

اخلاقی خلیج کے خطرناک اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ لیکن اسلام نے اصولِ مضاربت کے مزدوروں کو منافع میں شراکت کا حق مہیا کیا ہے۔ تاکہ مزدور پوری دلجمعی سے پیداوار میں اضافے کی کوشش کریں۔

اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشی نظام کو منصفانہ اصولوں پر چلائے۔ حاکمِ اسلام کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ پیدا کردہ مصنوعی اجارہ داری یا طغیانی و سیلاب وغیرہ کی صورت میں اشیاء کی قیمتیں مقرر کرے یا ذخیرہ اندوزوں سے اشیاء چھین کر عوام میں تقسیم کرے۔ ان دلائل تولیہ سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ صرف اسلامی نظامِ معیشت ہی دورِ جدید کے انسانی مسائل کو حل کر سکتا ہے۔

اسلام اور عصرِ حاضر کے سائنسی و طبی تقاضے

عصرِ حاضر کو بلاشبہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور کہا جا سکتا ہے۔ سائنس نئی نئی ایجادات کے ذریعہ روز افزوں ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔ عموماً اسلام اور سائنس کو متضاد راستے قرار دیا جاتا ہے۔ اور سوال اٹھایا جاتا ہے کہ اسلام نے جدید عصری ایجادات کا باہمی موازنہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جدید سائنس نے اسلام کی چودہ سو پیش گوئیوں کی تصدیق کی ہے۔ صرف اس پر ہی اکتفا نہیں بلکہ جدید سائنسی علوم کا ایک کثیر حصہ تعلیماتِ اسلامیہ سے ہی مشتق ہے۔

اسلام نے جدید سائنسی ایجادات کرنے کی ہرگز ممانعت نہیں کی۔ بلکہ مظاہرِ کائنات اور سائنسی علوم کا مطالعہ کرنے کی ازحد ترغیب دی ہے۔ اور زمین و آسمان کے پوشیدہ خزانوں سے فائدہ حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے لہٰذا اخلاقی تحقیقات، شریعتِ اسلامیہ کے عین مطابق ہیں۔ چند ارشاداتِ ربانی ملاحظہ ہوں۔

۱۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو۔ کہ کیا کیا چیزیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں (۱۰ : ۱۰۱)

۲۔ کیا وہ لوگ اونٹ کی طرف غور نہیں کرتے کہ کیسے پیدا کیا گیا۔ اور آسمان کی طرف کیسے بلند ہو گیا۔ اور پہاڑوں کی طرف کیسے کھڑے کئے گئے۔ اور زمین کی طرف کہ کیسے پھیلائی گئی (۸۸ : ۱۷)

۳۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح مخلوق کو اوّل بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرتا ہے (۲۹ : ۱۹)

۴۔ کیا وہ اپنے اوپر پرندوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ پر پھیلائے ہوئے ہیں اور اسی حالت میں پروں کو سمیٹ لیتے ہیں (۶۷ : ۱۹)

مؤخرالذکر آیتِ کریمہ ہی ہوائی جہاز کی ایجاد کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ مسلم مفکرین نے ان آیاتِ قرآنی پر عمل پیرا ہو کر جدید سائنسی ایجادات کیں۔ اور تحقیقاتِ سائنس میں اہم مقام حاصل کیا۔ چنانچہ خلیفہ مامون الرشید نے کوفہ کے نواحی علاقہ میزوپوٹیمیا (Mezopotamia) میں فلکیات کے بارے میں ایک تحقیقی مرکز قائم کیا۔

ستاروں کے روشنی پیما آلہ (Photometry) کو عبدالرحمٰن کوفی نے ایجاد کیا۔ الکوفی کی ایجادات صیفی نقطۂ انقلاب (۲۱ جون) اور اعتدال خریفی (۲۳ ستمبر) سے علم ہیئت کے لئے نئی راہیں کھل گئیں۔ مسلم سائنسدانوں البیرونی، عمر خیام، بوعلی سینا وغیرہ کی خدمات کو یورپ میں تسلیم کیا گیا۔ آج بھی یورپ میں بوعلی سینا کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ بوعلی سینا کی انہی سائنسی خدمات کی وجہ سے ہی چند سال پیشتر سائنسدانوں کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ چاند پر پائی جانے والی ایک گھاٹی کا نام بوعلی سینا رکھا جائے۔ کیونکہ اس عظیم مسلم سائنسدان کی رہنمائی کے بغیر چاند پر رسائی ممکن نہ تھی۔ تعلیمات اسلامیہ متعدد سائنسی ایجادات کی پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔ مثلاً حضرت عمر فاروق ؓ کے دور حکومت میں، دارالخلافہ سے سینکڑوں میل دور مسلم مجاہدین کا ایک لشکر کفار سے معرکہ آراء تھا کہ اچانک کفار نے پہاڑ کی جانب سے مسلم لشکر پر شبخون مارنے کی کوشش کی۔ اس وقت مقام جنگ سے سینکڑوں میل دور حضرت عمر فاروق ؓ خطبہ جمعہ دے رہے تھے کہ اچانک آپ ؓ نے فرمایا "یا ساریہ جبل" یعنی اے ساریہ پہاڑ کی جانب متوجہ ہو۔ حضرت ساریہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے وہاں امیرالمومنین حضرت عمر فاروق ؓ کی آواز سنی اور فوراً احتیاطی تدابیر کیں۔ ریڈیو کے موجد مارکونی نے تحریر کیا ہے کہ تاریخ اسلام میں سے جب یہ واقعہ میں نے پڑھا تو میرے دل میں یہ امید پیدا ہوگئی کہ کسی رابطے کے بغیر سینکڑوں میل پیغام پہنچانا ممکن ہے۔ لہذا میں نے اسی مثال کو مد نظر رکھتے ہوئے کوشش کی اور ریڈیو ایجاد کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اسی طرح متعدد سائنسی ایجادات کے لئے بنیادی رہنمائی اسلام سے ہی حاصل کی گئی۔

سائنس نے عصر حاضر میں جو ایجادات کی گئی ہیں۔ اسلام نے ان کی پیش گوئی چودہ سو سال پیشتر ہی کردی تھی چند اہم ایجادات کے سلسلہ میں اسلامی پیشین گوئیاں مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) **ذرائع آمد و رفت:** موجودہ دور میں ذرائع آمد و رفت نے خاصی ترقی کرلی ہے۔ تیز ترین ذرائع آمد و رفت پیدا ہو چکے ہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا:۔

"میری اُمت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جو کجاووں کی مانند زینوں پر سواری کریں گے اور مساجد کے دروازے پر اترا کریں گے۔"

اس حدیث میں کجاووں سے مراد کاریں اور گاڑیاں ہیں۔ اسی طرح ہوائی جہازوں اور راکٹوں کے بارے میں آپ ؐ نے فرمایا:۔

"زمانہ ایک دوسرے کے قریب ہو جائے گا۔ تو سال مہینہ کی طرح ہو جائے گا اور مہینہ ہفتے کے برابر اور ہفتہ ایک دن کے برابر اور ایک دن ایک ساعت کی طرح اور ایک ساعت آگ کی چنگاری کی طرح" (ترمذی)

۲۔ لڑاکا طیارے اور بم وغیرہ:۔ موجودہ دور کے لڑاکا طیاروں اور دیگر خطرناک ہتھیاروں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"قسم ان کی جو لگاتار چھوڑے جاتے ہیں پھر تباہ و برباد کرنے والے پھر نشتر کرنے والے پھر خوب جدا کر دینے والے۔ (المرسلت ۔۱)

۳۔ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم:۔ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم دورِ جدید کی اہم ایجادات ہیں۔ ان کے بارے میں حضور اکرمؐ نے فرمایا۔

"آپ اس دن کا انتظار کریں۔ جب آسمانوں سے ایک دھواں ظاہر ہوگا۔ وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا (ترمذی)

۴۔ ٹیلیفون، ٹیلیگراف وغیرہ:۔ ٹیلی فون اور ٹیلیگراف کی وجہ سے موجودہ دور میں خاصی آسانی ہو چکی ہے۔ آپؐ نے ان کے بارے میں فرمایا:۔

"قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ مال پھیل جائے گا اور کثرت ہوگی۔ تجارت عام ہو جائے گی اور قلم کا ظہور ہوگا اور کوئی شخص بیع (سودا) کرے گا تو کہے گا کہ ٹھہرو پہلے میں فلاں تاجر سے مشورہ کر لوں (نسائی)

موجودہ کاروباری معاملات میں مارکیٹ کی صورت حال سے باخبر رہنے کے لئے جس طرح ٹیلیفون کو رابطہ (Communication) کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اس سے آپؐ کی اس حدیث کی واضح طور پر تصدیق ہوتی ہے۔

۵۔ وائرلیس۔ ٹیپ ریکارڈ:۔

وائرلیس اور ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ جاسوسی کے کئی اہم کام کئے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ آدمی گھر سے نکلے گا اور جب واپس آئے گا تو جو کچھ اس کے گھر والوں نے اس کے بعد کیا ہوگا۔ اس آدمی کے جوتے اور چابک اس کو وہ بتادیں گے۔"

۶۔ جاسوس کتے:۔ عہد حاضر میں منشیات کے سمگلروں کو گرفتار کرنے کے لئے کتوں کو جاسوسی کی تربیت دی جاتی ہے۔ ان جاسوس کتوں نے منشیات کے کئی سمگلروں کی نشاندہی کی ہے۔ آپؐ نے اس عمل کی نشاندہی یوں کی:۔

"یعنی حتیٰ کہ درندے انسان سے بات کریں گے"

۷۔ بحری جہاز:۔ عہد حاضر کے بحری جہازوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال پیشتر ہی فرما دیا۔

"سمندر میں جہاز کھڑے ہیں جو پہاڑوں کی طرح ہیں، (الرحمان)

جدید سائنس نے آج زمین کے گول ہونے کے ثبوت مہیا کئے ہیں جبکہ قرآن میں زمین کے لئے "ارض"

کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے لغوی معنی ہی گول کے ہیں ۔ اسلام نے انسان کی ہر حرکت کو تحریر کرنے والے فرشتوں کا
کاتبین کا تصور پیش کیا ۔ لیکن آج ہوائی اڈوں اور دیگر اہم مقامات پر خود بخود چلنے والے ایسے کیمرے نصب کئے گئے
ہیں جو انسان کی ہر حرکت کو ریکارڈ کرتے ہیں ۔ متعدد احادیث میں مذکور ہے کہ آپؐ عرش کی باتیں سنا کرتے تھے
اس کا ملحدین نے مذاق اڑایا ۔ آج اس کا عملی ثبوت مل چکا ہے ۔ ہم آج دور دراز میں ہونیوالے کھیل کے مقابلوں
کو براہ راست دیکھ لیتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ ہم فرعون کی لاش کو محفوظ رکھیں گے ۔ چند سال پیشتر
فرعون کی ممی اصلی حالت میں پائی گئی ۔ چار ہزار سال قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے والے رعمیس ثانی نامی اس
فرعون کی ممی اس قدر محفوظ تھی کہ اس کا معائنہ کرنیوالے ڈاکٹروں کا بیان ہے کہ فرعون کے چہرے کی ہیبت وجلال
کو دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ شاید اس کی موت ابھی واقع ہوئی ہے ۔

تخلیق انسانی کے سلسلہ میں ڈارون نے انسان کا نظریہ ارتقاء پیش کیا اور خیال ظاہر کیا کہ انسان کی ابتداء بندر
سے ہوئی ۔ اگرچہ اس وقت اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہونے لگے ۔ لیکن چند سال پیشتر اقوام عالم کے
پچاس سائنسدانوں نے ایک کانفرنس میں اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ انسان آج سے کم از کم ساٹھ ہزار سال
بھی موجود تھا ۔ سائنس نے جس قدر بھی تحقیقات کی ہیں ان کے لئے بنیادی رہنمائی قرآن سے ہی حاصل کی گئی ۔ اس
لئے ڈاکٹر ہارٹ وگ اپنی کتاب "نئی تحقیقات در قرآن" میں رقمطراز ہے :-

We must not be surprised to find the Quran is the foundation of all the sciences.

موجودہ دور کی اہم اختراعات ، خلائی تحقیقات اور چاند کا سفر ہے ۔ ان نئی ایجادات سے بھی اسلام کی حقانیت
ثابت ہوئی ہے ۔ سفر چاند کے سلسلہ میں ابتدائی رہنمائی قرآن نے ہی دی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

"اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اگر تم سے ہو سکتا ہے کہ زمین و آسمان کے اقطار میں سے نکل کر آگے کو نکل کر
جاؤ ۔ تو کر کے دیکھ لو تم نہ کر سکو گے ۔ بدون سلطان کی مدد کے تم پر آگ کے انگارے اور پگھلی ہوئی دھاتیں برسیں گی اور کوئی
تمہاری مدد نہ کر سکے گا (۵۵ : ۲۷)

مذکورہ آیات میں "سلطان" سے مراد وہ راکٹ ہی ہیں جو پچیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سائنسدانوں کو
چاند پر لے گئے ۔ چنانچہ خلانوردوں کا بیان ہے کہ چاند میں نفوذ کے وقت ان پر شہاب ثاقب اور گرم گیسوں کی اس قدر
بارش ہوئی کہ راکٹ آگ کا گولا بن گیا لیکن اس کے باوجود ان کو آنچ تک نہ آئی کیونکہ اولاً تو خلانورد ایسے لباس میں
ملبوس تھے کہ ان پر آگ اثر نہ کر سکے ۔ اور ثانیاً راکٹ کو آتشی اثرات سے محفوظ رکھا گیا تھا ۔ اس کے بارے میں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

اے انسانو! اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایسے سرابیل (لباس و دیگر ضروریات جسم) بنوا دیگا کہ جو تم کو جلنے سے بچالیں گے اور ایسے سرابیل بھی جو تم کو ہر قسم کی آفت سے بچالیں گے (۱۶:۸۱)

اہل بصیرت ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خلائی لباس کی نشاندہی سینکڑوں برس بیشتر ہی کر دی اس بات سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی کہ تسخیر چاند میں اللہ کی رضامندی شامل ہے۔ اور ملحدین سے یہ کام کروانے کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ شاید وہ ہدایت حاصل کر لیں نیل آرم سٹرانگ نے جب ۲۹ جولائی ۱۹۶۹ء کو چاند پر قدم رکھا تو اس نے اس امر کی تصدیق کی چاند کے درمیان ایک لکیر پائی گئی ہے جس کا مطلب ہے کہ چاند اپنی زندگی میں ایک مرتبہ ٹوٹ کر دوبارہ جڑا ہے۔ اس کے اس بیان سے حضور اکرمؐ کے معجزہ "شق القمر" کی تصدیق ہوتی ہے۔

عصر حاضر میں جدید سائنسی اختراعات سے متاثر ہو کر اپنی کج فہمی اور کم علمی کی بدولت بعض مسلمان ملحدانہ روش اختیار کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام اور سائنس کے باہمی امتزاجات کو دیکھ کر بعض ملحد سائنسدانوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا ہے۔ اس سلسلے میں چند سائنسدانوں کی آراء مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جارج واشنگٹن:۔ میں مظاہر قدرت کو لامحدود نظام نشریات سمجھتا ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہر گھڑی ہم سے مخاطب رہتا ہے۔ اور ہم اس کی آواز سن سکتے ہیں بشرطیکہ ہم نشریاتی آلے کا استعمال جانتے ہوں۔

۲۔ آئن سٹائن:۔ اعلیٰ ترین جذبات جن کے ہم متحمل ہو سکتے ہیں وہ معرفت اور تصوف کے جذبات ہیں ان ہی میں تمام آرٹ اور سچی سائنس کا بیج پایا جاتا ہے۔

Albert Einstein by Hilaire Cuny P. 149

۳۔ امپیریل کالج آف سائنس لندن کا ایک سائنسدان کان کی ساخت کا تجزیہ کرتے ہوئے بے اختیار پکار اٹھا کہ جس قادر مطلق نے یہ کان ایجاد کئے ہیں کیا وہ بذات خود محروم سماعت ہوگا؟ یقیناً اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔

۴۔ حال ہی میں چالیس سائنسدانوں نے (Evidence of God in an expanding Universe) نامی ایک کتاب مرتب کی ہے جس میں وجود خدا کے بارے میں دلائل دیئے ہیں۔

ایمانی پستی کا شکار مسلمانوں کو غیر مسلم سائنسدانوں کے ان نظریات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

اسلام نے جدید طبی مسائل بھی حل کیے ہیں۔ آپؐ نے شہد کو باعث شفا قرار دیا۔ چنانچہ آج غیر مسلم سائنسدانوں کے تجربات نے ثابت کیا ہے کہ شہد ایک اکسیر دوا ہے۔ علم الحشرات کے امریکی ادارے کے ڈاکٹر اے پی اسٹرٹ ونیٹ شہد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"شہد سے ٹائیفائڈ کے جراثیم ۴۸ گھنٹوں میں پیچش کے جراثیم ۔ گھنٹوں میں ہلاک ہوجاتے ہیں ۔"

موجودہ دور میں خون کی منتقلی اور اعضاء کی پیوند کاری (گردہ وغیرہ) کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں ۔ اسلام نے انسانی زندگی بچانے کے لئے اس قسم کی جراحی کی اجازت دی ہے ۔ اسی طرح عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے انسانی جسم کا پوسٹ مارٹم کرنے کی چند شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے ۔

اس بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے جدید سائنس ، اسلامی نظریات کے عین مطابق ہے ۔ متعدد ایسی سائنسی ایجادات ہونا ابھی باقی ہیں جن کی بابت قرآن مجید میں واضح اشارات دیئے گئے ہیں ۔

اسلام اور عصر حاضر کے سیاسی تقاضے

عصر حاضر میں سیاست ایک دوراہے پر کھڑی ہے جس کے ایک جانب مغربی جمہوریت و آمریت کے نظریات ہیں جبکہ دوسری جانب اسلام کے سیاسی نظریات ہیں ۔ مغربی جمہوریت نے غیر ممالک میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ۔ وہ کسی بھی چشم بینا سے مخفی نہیں ہیں ۔ مغربی جمہوریت اور آمریت کی بدولت ہونے والے مظالم سے مظلوموں کی آہیں آسمان کو صدائے رہی ہیں ۔ اسلام نے کسی قسم کے جبر و استبداد، منافقت ، دھوکہ دہی ، قول وفعل کے تضاد سے مبرا و منزہ منصفانہ سیاست اور جمہوری نظام کی بنیاد رکھی ہے ۔ جس کی پیروی کرتے ہوئے عہد حاضر کے متعدد سیاسی مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے ۔ اسلامی نظریۂ سیاست کی اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں

ا- مجلس شوریٰ کا قیام :- مسائل حیات حل کرنے کے لئے آیات کریمہ "وامرھم شوری بینھم ، (سورۃ شوریٰ) اور "وشاورھم فی الامر" (آل عمران) کے مصداق مجلس شوریٰ قائم کرنے کی اجازت دی گئی ہے ۔ اسلام میں مجلس شوریٰ کی مختلف اقسام پائی جاتی ہیں ۔

ا- ا ۔ عمومی اجلاس : حضور اکرمؐ کے انتقال کے بعد مدینہ میں ثقیفہ بنی ساعدہ کے مقام پر خلیفہ وقت کے انتخاب کے لئے مدینہ کے انصار و مہاجرین کا جو اجلاس بلایا گیا ، یہ مجلس شوریٰ کے عمومی اجلاس کی ایک قسم تھی ۔

ب خصوصی اجلاس :- کسی اہم مسئلہ کے حل کے لئے خصوصی اجلاس بھی منعقد ہوئے مثلاً غزوہ بدر کے لئے میدان جنگ کے تعین ، غزوہ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے طریقہ کار ، سفر حدیبیہ کے سلسلہ میں جو اجلاس منعقد ہوئے وہ اسی زمرہ میں آئیں گے ۔

پ :- شوریٰ کی تیسری قسم میں بعض نمائندہ حضرات نے اجتماعی طور پر خلیفہ مسلمین کے سامنے اپنا نقطہ نظر پیش

جیساکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر بعض صحابہ کرامؓ نے آپ کو مشورہ دیا تھا

ج۔ اسلام میں انفرادی رائے کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ جیساکہ غزوہ خندق کے موقع پر حضرت سلیمان فارسیؓ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا۔

د۔ اسلام میں چند محدود افراد پر مشتمل مجلس شوریٰ بھی قائم کی گئی۔ جیساکہ حضرت عمرؓ نے خلیفۂ سوم کے انتخاب کے لئے چھ افراد پر مشتمل مجلس شوریٰ قائم کی۔

ر۔ بین الاقوامی اہمیت کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے غیر ملکی نمائندوں پر مشتمل مجلس شوریٰ بھی قائم کی گئی۔ جیساکہ ہوازن کے چھ ہزار قیدیوں کی رہائی کے مسئلہ پر بلائے گئے نمائندہ اجلاس میں بڑی بڑی اقوام کے نمائندے موجود تھے۔

عصر حاضر میں اقوام متحدہ کا تصور موخر الذکر مثال سے ہی مشتق ہے۔ اسلام نے رائے عامہ اور آزادی رائے کا جس قدر احترام کیا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے ہی لگایا جاسکتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے بسا اوقات مجلس شوریٰ کے مشورے سے اپنے فیصلے بدل لئے لیکن اگر خلیفہ وقت اپنے فیصلہ کو مجلس شوریٰ کے مشوروں سے موثر خیال کرتا ہو تو وہ اپنے فیصلے پر عملدرآمد کرسکتا ہے۔ چنانچہ منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے لئے حضرت ابوبکرؓ صدیق نے مجلس شوریٰ کا جو اجلاس بلایا تھا اس میں صحابہؓ نے سلطنت کے ابتدائی دور کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس مسئلے سے فی الحال درگذر کرنے کی رائے دی تھی۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے فیصلے کو ٹھوس تصور کرتے ہوئے اپنے موقف پر قائم رہے اور آپ نے منکرین زکوٰۃ سے جہاد کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی سلطنت کا کوئی فیصلہ بھی شوریٰ کے بغیر نہیں کیا۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ اس کام میں کوئی خیر نہیں جو شوریٰ کے بغیر کیا گیا ہو۔ آپؓ کے دور حکومت میں بسا اوقات فیصلہ کرنے کرنے کئی کئی ماہ لگ جاتے اور آپؓ مسلسل مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد کرتے۔ علامہ شبلی نعمانی نے "الفاروق" میں آپؓ کے دور حکومت میں شوریٰ کے تین ایوانوں کا تذکرہ کیا ہے۔ آپؓ مشوروں میں خواتین کو بھی شریک کیا کرتے تھے۔ خلفاء راشدین کے ادوار میں مجلس شوریٰ کے ذریعہ جو اہم فیصلے کئے گئے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ خلافت کا مسئلہ۔ (۲) مرتدین کا مسئلہ (۳) منکرین زکوٰۃ کا مسئلہ (۴) دادی کی وراثت کا مسئلہ (۵) سرکاری وجنگی مسائل۔

خلفاء راشدین کے بعد فقہاء اسلام نے اپنی کتابوں میں مجلس شوریٰ کا جواز پیش کیا ہے۔ امام راغب اصفہانی در المفردات" میں رقمطراز ہیں کہ "شوریٰ یہ ہے کہ رائے ایک دوسرے کے مشورے کے بعد قائم کی جائے"۔

قاضی ابوبکر ابن العربیؒ، شوریٰ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "یہ ایک اجتماع ہے جس کا مقصد کسی مسئلے پر غور کرنا ہوتا ہے تاکہ سب لوگ ایک دوسرے سے مشورے کے بعد اپنا نقطۂ نظر بیان کرسکیں۔

علامہ آلوسیؒ اپنی کتاب "روح المعانی" میں تحریر کرتے ہیں کہ ضروری نہیں کہ تمام لوگوں سے مشورہ کیا جائے بلکہ صرف صاحب الرائے حضرات کا مشورہ حاصل کیا جائے۔

۲ - خلیفہ وقت کا انتخاب:- خلیفہ وقت کا انتخاب غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ سربراہ مملکت کے تمام تراہم کام ہوتے ہیں۔ اسلام کا حاکمیت اعلیٰ کا تصور مغربی جمہوریت سے مختلف ہے۔ مغربی جمہوریت کے مطابق حاکم وقت انسان ہوتا ہے۔ جبکہ اسلام میں حاکمیت اعلیٰ کی سزاوار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور خدا نے ہی دنیا کا نظم ونسق چلانے کے لئے مختلف لوگوں کو حاکم مقرر کیا ہے۔ نیابت الہٰی کا مستحق ہونے کے لئے حاکم وقت میں بعض خصوصیات کی موجودگی از حد ضروری ہے۔ تاکہ وہ اخلاقی اقدار کے مطابق ریاست کو چلا سکے علامہ سعد الدین تفتازانی فرمانرواؤں کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ان رہنماؤں کی ضروری صفات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی حیثیت ایسی ہونی چاہیئے کہ تمام لوگ ان کی پیروی کریں۔"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی مشہور زمانہ تالیف حجۃ اللہ البالغہ صفحہ[11] میں لکھتے ہیں۔

"خلافت کے سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ لوگ خلیفہ سے خوش ہوں اس کے گرد جمع ہوں۔ اس کی عزت کریں۔ ان قوانین میں خلیفہ وقت کی جو بنیادی صفت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ حاکم وقت تعلیمات اسلامیہ پر عمل پیرا ہو۔ کیونکہ اسی صورت میں ہی امت مسلمہ اپنے حاکم کی پیروی کرے گی۔ لیکن نیک و پاکیزہ کردار کے علاوہ سیاسی تجربہ کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبلؒ اور ابن تیمیہ کی آراء یہ ہیں۔

"اگر کسی امیر کے انتخاب کا مسئلہ ہمارے سامنے ہو اور ہمیں دو اشخاص میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو جن میں ایک نیک لیکن ناتجربہ کار اور دوسرا نیکی میں نسبتاً کم لیکن سیاسی وحکومتی امور میں زیادہ تجربہ رکھتا ہو تو ترجیح اس شخص کو دی جانی چاہیئے جو نیکی میں نسبتاً کم ہو لیکن تجربے میں زیادہ ہو (امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست صفحہ[12])

اسی لئے ہی اگرچہ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت ابوالدرداءؓ نے عمل صالح میں کمال حاصل کیا لیکن سیاسی طور پر وسیع تجربہ نہ رکھنے کی وجہ سے ہی ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کو اہم عہدوں پر فائز نہیں کیا گیا۔

امام غزالیؒ خلیفہ وقت کے انتخاب کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

"اگر کسی فرد کو اتنی مقبولیت حاصل ہو اور اسے عوام کا اتنا اعتماد حاصل ہو کہ اس کی منظوری اور پسندیدگی عوام کی پسند اور منظوری سمجھی جائے تو صرف اس کا بیعت کر لینا ہی کافی ہے۔"

۳۔ خلیفہ وقت کے فرائض و حقوق:- اسلام نے حاکم وقت کے حقوق و فرائض کا تعین بھی کیا ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "سید القوم خادمھم"، یعنی قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے۔

اسلام کا بنیادی نظریہ سیادت یہی ہے۔ چنانچہ حاکمین وقت کو پوری دیانتداری سے عوام کے حقوق پورے کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں چند ارشاداتِ رسولؐ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جو شخص مسلمانوں پر حاکم اور ذمہ دار بنایا گیا۔ اس نے اپنی ماتحت رعایا کے حقوق میں خیانت کی اس پر اللہ جنت حرام کر دیتا ہے (بخاری)

۲۔ جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا نگران بنائے اور وہ اس کی خیر خواہی پوری نہ کرے تو وہ جنت کی بو بھی نہ پائے گا (بخاری)

۳۔ جو امیر مسلمانوں کے کام کا والی ہو۔ پھر وہ ان کے لئے محنت نہیں کرتا۔ اور ان خیر خواہ نہیں وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا (مسلم)

حاکم وقت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے ذاتی مفادات کے حصول کے لئے رعیت میں تفرقہ ڈالے اور اپنی رعایا سے غداری کرے۔

آپؐ نے فرمایا "سب سے بڑا امیر وہ ہے جو اپنی رعیت کو توڑ ڈالے"

حاکم وقت کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشی نظام پر گہری نظر رکھے۔ چنانچہ حضور اکرمؐ بنفس نفیس بازاروں میں تشریف لے جائے اور معاشی نظام کا جائزہ لیتے۔ حضرت عمرؓ بھی راتوں کو بھیس بدل کر رعیت کے معاشی حالات کا جائزہ لیا کرتے۔ آپؓ نے فرمایا۔ اگر فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مر گیا تو عمرؓ سے اس کی باز پرس بھی ہوگی۔

سربراہ مملکت کا فریضہ اولین ہے کہ وہ بیت المال کی حفاظت کرے۔ اور ناجائز اسراف کو روکے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "سربراہ مملکت کی حیثیت ایک خزانچی کی ہوتی ہے اس کے پاس ڈھیروں مال جمع رہتا ہے لیکن سب اس لئے کہ جہاں تقسیم کرنے کا اسے حکم دیا جائے۔ تقسیم کرے۔"

لہٰذا حاکم وقت کا فرض ہے کہ وہ زکوٰۃ و عشر اور دیگر محاصل کے ذریعہ مال اکٹھا کر کے ضرورت مندوں میں تقسیم کرے۔ اسی پر ہی پاکستان میں نظام زکوٰۃ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ سربراہ مملکت کو چاہیئے کہ وہ اپنی بنیادی ضروریات حیات سے تصرف نہ کرے۔ حضور اکرمؐ بسا اوقات فاقوں پر گذر بسر کیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی تنخواہ کی رقم ایک مزدور کے برابر رکھی ہوئی تھی۔ اسلامی نظام میں حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات کا اندازہ حضرت عمرؓ کے اس فرمان سے لگایا جا سکتا ہے جو آپؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے نام جاری کیا۔

"اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ اللہ کے ہاں تمہارا کیا مقام ہے؟ تو یہ دیکھو کہ اللہ کی مخلوق تمہیں کیا سمجھتی ہے۔"

اسلامی مملکت میں رعیت کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ حاکم وقت کے جائز شرعی احکام کی تعمیل کرے آپؐ نے فرمایا "جس نے میرے امیر کا کہا مانا اس نے میرا کہا مانا جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی (بخاری)

۴ - سیاسی جماعتوں کا وجود: - عصر حاضر میں سیاسی جماعتوں کا وجود ایک اہم مسئلہ بن چکا ہے کیونکہ موجودہ زمانے کی نمائندہ حکومتوں اور سیاسی جماعتوں میں گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ اسلام میں حزب اختلاف اور سیاسی جماعتوں کی گنجائش بھی موجود ہے۔ حضور اکرمؐ نے حزب اختلاف کی وضاحت یوں کی۔

"افضل جہاد سلطان جابر کے آگے کلمہ حق کہنا ہے"

اسلام میں کسی ظالم حکمران کے خلاف آواز اٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ اجتماعی طور پر اگر کسی گروہ کو کسی مسئلہ میں سیاسی اختلاف ہو تو تہذیب و تمدن کے دائرہ میں اس کے اظہار کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ چنانچہ انتقال رسولؐ کے بعد خلیفۂ وقت کے انتخاب کے لئے انصار حضرت سعد بن عبادہ رض اور مہاجرین حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی زیر قیادت اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان دونوں سیاسی گروہوں نے اس موقع پر اپنے اپنے موقف کی کنویسنگ بھی کی۔ کیونکہ دونوں کی خواہش تھی کہ خلیفۂ وقت کا انتخاب ان کے گروہ میں سے ہو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند اقتدار پر فائز ہوتے ہی فرمایا۔

"اگر میں صحیح کام کروں تو میرے ساتھ تعاون کرو۔ اور اگر میں غلط کام کروں تو مجھے سیدھا کرو۔"

چونکہ انفرادی طور پر اختلاف رائے کا اظہار کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا اگر حاکم وقت غیر اسلامی فیصلے کرنے لگے تو یہ ایک احسن قدم ہے کہ سیاسی جماعتیں اجتماعی طور پر حزب اختلاف کا کردار ادا کرتے ہوئے خلیفۂ وقت کی اصلاح کریں۔ اندلس کے ایک مفسر ابن عطیہ نے ایسے حکمرانوں کو (جو مجلس شوریٰ کے فیصلوں کو پس پشت ڈال کر فیصلہ کرنے کے عادی تھے) معزول کرنے کو فرض قرار دیا تھا۔ لہٰذا سیاسی جماعتوں کا بنیادی مقصد اعلائے کلمہ حق ہی ہونا چاہیئے۔

۵ - بالغ رائے دہی کا تصور: - عصر حاضر میں انتخابات کے دوران بالغ حضرات ہی حصہ لیتے ہیں۔ اسلام نہ صرف باقاعدہ طور پر انتخابات کی اجازت دی ہے۔ بلکہ بالغ رائے دہی کا تصور بھی پیش کیا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ

...کے حق میں تھا۔ اسی لئے ہی آپؓ کو خلیفۂ وقت منتخب کیا گیا۔

۶۔ اپنے آپ کو بطور اُمیدوار پیش کرنا:۔ اگر کوئی شخص بذاتِ خود اپنے آپ کو بطور امیدوار پیش کرے تو اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ بشرطیکہ اپنے آپ کو بطور امیدوار پیش کرنے میں اس کے کوئی مادی مفادات پوشیدہ ہوں۔ دونوں نے اپنے آپ کو بطور امیدوار پیش کیا تھا۔

اسلام کے اس سیاسی نظام کی پیروی کرنے سے دورِ حاضر کے متعدد سیاسی مسائل بحسن وخوبی حل ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان سیاسی مسائل کا حل، اسلام سے بہتر کسی دوسرے مذہب میں نہیں ہے۔

اسلام اور عصرِ حاضر کے معاشرتی تقاضے

موجودہ معاشرہ مختلف النوع مسائل کا شکار ہو چکا ہے۔ اور اپنے ان مسائل کا حل مغربی تہذیب میں تلاش کر رہا ہے۔ حقیقت یہ کہ مغربی تہذیب کی محض ظاہری چمک دمک ہی نظر آتی ہے۔ حقیقتاً مغربی تہذیب نے معاشرتی مسائل کا کوئی حل شافی پیش نہیں کیا۔ اسلام نے جدید معاشرتی مسائل کا جو حل پیش کیا ہے وہ عدیم المثال ہے موجودہ معاشرے کے بنیادی مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ نظامِ حیات اور اسلام:۔ دورِ حاضر میں دنیا مغرب ومشرق کے نظام ہائے حیات سے بیزار ہو چکی ہے اور کسی ایسے نظامِ حیات کی متلاشی ہے جو جدید دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہو۔ جو عادلانہ طور پر ان کے مسائل حل کرے۔ اسلامی نظام حیات ہی وہ واحد نظام حیات ہے جس میں ہر انسان کی رہنمائی کا مکمل سامان موجود ہے یہ نظام حیات نہ صرف آج کار آمد ہے۔ بلکہ ہر دور کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اسلام کے علاوہ دیگر نظام ہائے حیات میں کسی نہ کسی موڑ پر ایسی خامی ضرور پائی جاتی ہے۔ جس کی پیروی ممکن نہیں۔ اس دنیا میں بہترین زندگیاں انبیائے کرام نے گذاری ہیں۔ اس سلسلہ کی آخری اسوۂ حسنہ ہے "لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ" کے مصداق اسوۂ حسنہ ہی وہ واحد نظام حیات ہے جو ہر اعتبار سے مکمل ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء کرامؑ کی زندگیوں کے خواص آپؐ میں اکٹھے کر دیئے ہیں۔ یہ نظام حیات محض فلسفیانہ اور عمل سے عاری نہیں بلکہ بذاتِ خود حضور اکرمؐ نے اس پر عمل کر دکھایا۔ اسوۂ رسولؐ کی وہ واحد نظامِ حیات ہے جس کی تمام باریکیاں آج تک محفوظ ہیں۔ اور قیامت تک اس کے محفوظ رہنے کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

"تم اپنا رخ یکسر ہو کر اس دین یعنی اسلام کی طرف کر لو۔ یہ اللہ کی فطرت ہے۔ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی" (الروم)

لہٰذا اگر مسلمان آج مغرب جدید کی تہذیبی غلامی سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ مسلم تہذیب و تمدن کا احیاء کرے۔

۲۔ مسئلہ رنگ و نسل اور اسلام :- عصر حاضر میں مسئلہ رنگ و نسل بام عروج تک پہنچ چکا ہے۔ اخبارات نسلی فسادات سے متعلق تلخ حقیقتوں کے شاہد ہیں۔ مغربی تہذیب میں سیاہ فام لوگوں کے لئے معاشی راہیں مسدود کر دی گئی ہیں۔ سیاہ فام افراد کا بدترین استحصال ہو کر ان کی درسگاہیں، نصاب تعلیم، ذرائع آمد و رفت علیحدہ کر دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ تمام انسان، حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے۔ لیکن موجودہ دور میں انسان اپنے ہی ہم جنس کو حقیر سمجھنے لگا ہے جس کی وجہ سے اعلیٰ طبقہ میں غرور اور ظلم و سفاکی بڑھ رہی ہے جبکہ اس کے برعکس ادنیٰ طبقہ اپنا معیار حیات بلند کرنے کی بجائے روز افزوں پستیوں کی گہرائی میں گرتا چلا جا رہا ہے۔ یہ امتیاز انسانی، اخلاقی اعتبار سے ہر دو طبقوں کے لئے تباہ کن ہے۔ اسلام نے اس خلیج کو اس طرح ختم کیا ہے۔ حضور اکرمؐ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔

"کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی سیاہ فام کو سرخ رنگ والے پر اور سرخ رنگ والے کو سیاہ فام پر فضیلت ہے۔ مگر علم و تقویٰ سے"

اسلام نے "ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" کے مصداق صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کو معیار فضیلت قرار دیا ہے۔ اور انسانوں کو مختلف قوموں اور خاندانوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ تاریخ اسلام اس حقیقت کی شاہد ہے کہ عجمی اور سیاہ فام افراد نے عمل صالح کی وجہ سے ہی رنگ و نسل کے اعتبار سے اعلیٰ انسانوں پر فضیلت حاصل کی۔

حضرت بلالؓ جو ایک سیاہ فام غلام تھے۔ اگرچہ آپؓ کی زبان مبارک میں لکنت تھی۔ لیکن تقویٰ کی وجہ سے ہی آپ کو خانہ کعبہ کی چھت پر اذان کہنے کا شرف حاصل ہوا۔ جو کسی بھی جلیل القدر صحابی کو حاصل نہ ہوا۔ اسی وجہ سے ہی حضرت عمر فاروقؓ آپؓ کو "یا سیدنا" کہہ کر پکارتے تھے۔ اپنے علم و فضل کی وجہ سے ہی حضرت عمر فاروقؓ کی نماز جنازہ ایک عجمی صحابی صہیب رومیؓ نے پڑھائی۔ والیٔ مصر سے ملنے والے اسلامی وفد کی قیادت ایک سیاہ فام صحابی حضرت عبادہ بن صامتؓ نے کی تو بادشاہ پر کپکپی طاری ہو گئی اور اس نے کہا کہ میری ملاقات کے لئے کسی دوسرے نمائندے کا بندوبست کرو لیکن اسے بتایا گیا کہ اسلام میں معیار فضیلت تقویٰ ہے۔ حضرت عطا ابن رباحؒ ایک سیاہ فام باشندے ہی تھے۔ جن کے بارے میں فرمانروا عبدالمالک بن مروان نے موسم حج میں منادی کرا دی کہ ان کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے۔ گویا کہ اسلام نے رنگ و نسل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تمام انسانوں کو مساوی درجہ دیا ہے۔

۳۔ قیام امن اور اسلام :- قیام امن ایک عالمگیر مسئلہ بن چکا ہے۔ دنیا میں امن و امان قائم کرنے

ہی اقوام متحدہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اگرچہ اس کے حوصلہ افزا نتائج برآمد نہیں ہوسکے۔ موجودہ معاشرے میں فسادات اور خانہ جنگی روز افزوں بڑھتی جارہی ہے جس کی وجہ سے یہ چمن زار معاشرہ مکمل طور پر خار زار بن چکا ہے۔

اسلام کا بنیادی مفہوم ہی امن و سلامتی ہے۔ اسلام امن و آشتی کی فضا قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اسلام نے قیام امن کے لئے اہم اقدامات کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں فتنہ و فساد نہ پھیلانے کی تلقین کی ہے۔

"اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر تمہارے لئے (اعراف - ۸۵)

امن و امان کی بربادی کا بنیادی سبب فتنہ و فساد ہی ہے۔ فتنہ و فساد کئی اخلاقی برائیوں سے رونما ہوتا ہے اس لئے کئی اخلاقی برائیوں مثلاً چوری، زناکاری، شراب نوشی، دھوکہ دہی، طعنہ و تشنیع، جھوٹ، منافقت، بدخلقی وغیرہ کی صریحاً ممانعت کی گئی۔ قتل کو جرم عظیم اسی لئے قرار دیا گیا کہ یہ کئی برائیوں کی جڑ ہے۔ نقض امن کا ایک بنیادی سبب عدل و انصاف کی عدم موجودگی ہے کیونکہ اس طرح حقوق العباد محفوظ نہیں رہتے۔ اس لئے ہی قرآن و حدیث میں بار بار عدل و انصاف قائم کرنے اور کمزوروں کی حمایت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ متعدد غلط فہمیوں کی وجہ سے ہی کئی اختلافات جنم لیتے ہیں۔ یہ اختلافات بڑھتے بڑھتے فتنہ و فساد کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی لئے ہی صلح کی اہمیت بیان کی گئی۔ "انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم (حجرات - ۱۰) یعنی مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس ان کے مابین صلح کروا دیا کرو" اگر اختلافات کے بعد صلح و صفائی کروا دی جائے لیکن اسکے باوجود اگر کوئی گروہ آمادہ برضا نہ ہو تو اس گروہ سے اس وقت تک جنگ کرنے کی تلقین کی گئی ہے جب تک گروہ سرکشی و بغاوت سے باز نہ آجائے۔

معاشرتی امن قائم کرنے کے بعد مملکت میں قیام امن کے لئے موجودہ دور میں جنگیں لڑی جاتی ہیں۔ ان میں جدید جنگی آلات استعمال کئے جاتے ہیں۔ اسلام نے اس قسم کی جنگی تیاریوں کی اجازت بھی دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

۱۔ اور تیاری کرو ان کے مقابلے کے لئے جو کچھ تمہارے بس میں ہو، طاقت میں سے اور گھوڑوں کو پال کر اس سے تم اللہ اور اپنے دشمنوں پر طاقت کی دھاک بٹھا دو اور ان پر جو ان کے سوا ہیں (جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے (انفال - ۶۰)

۲۔ اور ہم نے تمہارے لئے ایک لباس بنانا سکھلا دیا تاکہ وہ تمہاری جنگوں میں تمہارے لئے بچاؤ کرے تو کیا تم شکر کرتے ہو (انبیا - ۸۰)

۳۔ "اور اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے تمہارے لئے سایہ فراہم کیا ہے اور پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنا دی ہیں اور تمہارے لئے گرمی اور جنگوں سے بچاؤ کے لئے کرتے بنا دیئے ہیں"

مذکورہ آیات کی روشنی میں دور جدید کے بکتر بند ہتھیاروں، مورچہ بندی اور جنگوں کے لئے خاص حفاظتی لباس کا جواز ملتا ہے۔ یہ اسلام کی حقانیت کی غیر مبہم دلیل ہے۔ اسلام کا مقصد جنگ فتنہ و فساد پھیلانا نہیں بلکہ اپنا دفاع اور قیام امن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

۱۔ اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور اللہ تعالیٰ ہی کا حکم نافذ ہو جائے (البقرہ ۔۱۹۳)

۲۔ اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (البقرہ ۔۱۹۰)

اسلام کے اس مقصد جنگ سے غیر مسلم مستشرقین کے اعتراض "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے" کی نفی ہو جاتی ہے۔

موجودہ دور میں غیر ممالک کے جاسوسی کے کئی ادارے کام کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

۱۔ کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بے خبر ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے تاکہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں (النساء ۔۱۰۲)

۲۔ اور تمہارے درمیان ان کے جاسوس موجود ہیں (التوبہ ۔۴۷)

اسلام نے چودہ سو برس پیشتر ہی عہد حاضر کے جاسوسی نظام کی نشاندہی کر دی چونکہ اسلام کا بنیادی مقصد قیام امن ہے۔ اس لئے قیام امن کے لئے صلح صفائی کے معاہدے کرنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔

"اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور اللہ پر بھروسہ کر (انفال ۔۶۱)

بسا اوقات غیر مسلم اقوام ایفائے عہد سے گریز کرتی ہیں۔ اسلام نے ایسی صورت میں عہد توڑنے کی اجازت دی ہے۔

"مسلمان معاہدوں کی صورت میں صرف اسی حد تک پابند ٹھہرائے گئے ہیں جب تک کفار اس کی پاسداری کریں (التوبہ ۔۷)

۵۔ اسلام اور عصر حاضر کے قانونی تقاضے

عصر حاضر میں مختلف جرائم کی اس قدر فراوانی ہو چکی ہے کہ ان کو برائی تصور ہی نہیں کیا جاتا۔ عدلیہ اور قانونی اداروں کی عدم توجہی کا نتیجہ ہی ہے کہ معاشرہ اس ناگفتہ حالت کا شکار ہو چکا ہے۔ بدقسمتی سے ہم آج تک ... قوانین کی پیروی کرنے پر ہی مجبور ہیں۔ اسلام نے عدل و انصاف پر مشتمل جو قوانین مرتب کئے ہیں وہ دور حاضر

میں بھی نافذ کیے جا سکتے ہیں۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ قوانین اسلامی فرسودہ ہو چکے ہیں۔ لیکن اسلام کی قانونی موشگافیوں کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسلامی قوانین ہی موجودہ دور میں امن و امان قائم کر سکتے ہیں۔ سنہ ۱۹۵۱ء میں پیرس یونیورسٹی کے شعبہ قانون نے فقہ اسلامی پر ایک سیمینار منعقد کروایا۔ جس میں قوانین اسلامی کے مختلف موضوعات پر فرانسیسی زبان میں مقالے پڑھے گئے۔ اس سیمینار کے صدر نے اختتامی خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلامی فقہ کے بارے میں جمود اور نئے حالات میں قانون کی بنیاد بنانے کے سلسلہ میں اس کی عدم صلاحیت کی بات بیان کی جاتی رہی ہے۔ اور جو مقالات اس سیمینار میں اس کی وسعت اور نئے حالات میں قانون بننے کی صلاحیت کے سلسلے میں میں نے سنے ہیں اس کے بعد پہلی بات کی تائید کس طرح کروں۔

(شیخ محمد مصطفیٰ زرقاء)

اسلامی قوانین کا بنیادی عنصر عدل و انصاف ہے۔ قرآن و حدیث میں متعدد مرتبہ عدل و انصاف قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس امر کی خصوصی تاکید کی گئی ہے کہ عدل و انصاف کی راہ میں جانبداری سے کام نہ لیا جائے جیسا کہ موجودہ دور کا وطیرہ بن چکا ہے۔

"اور جب تم کچھ کہنے لگو تو انصاف سے کام لو۔ چاہے وہ تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو"

حضور اکرمؐ نے اس بنیادی اصول پر عمل کر دکھایا چنانچہ عرب کی ایک امیر عورت فاطمہ جب چوری کے ایک مقدمے میں گرفتار ہوئی تو لوگوں نے اس کو ہاتھ کاٹنے کی ذلت سے بچانے کے لئے حضرت اسامہ بن زیدؓ (جو حضور اکرمؐ کو بہت عزیز تھے) کو سفارشی بنا کر بھیجا۔ آپؐ انتہائی جلال میں آ گئے اور فرمایا اگر آج میری بیٹی فاطمہؓ بھی اس عدالت کے کٹہرے میں کھڑی ہوتی تو میں اس کو بھی یہی سزا دیتا۔ بعد ازاں آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلی اقوام اسی لئے ہی برباد ہو گئیں کیونکہ انہوں نے اپنے معززین کے لئے الگ قوانین بنا لئے۔ اور عام لوگوں کے لئے الگ قوانین بنا لئے۔

کوئی ایسا کام کرنا، جس کی اسلام نے ممانعت کی ہو یا کوئی ایسا کام نہ کرنا، جس کے کرنے کی اسلام نے ہدایت کی ہو، جرم کہلاتا ہے۔ اسلام میں مختلف نوعیتوں سے جرائم کی مختلف اقسام بیان کی گئی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ جرم کے وقوع پذیر ہونے کے اعتبار سے اس کی تقسیم یوں کی گئی ہے۔ جرائم سلبیہ، جرائم ایجابیہ، جرائم بسیطہ جرائم اعتیاد، جرائم حدود، قصاص و دیت وہ جرائم ہیں جن کی سزا شریعت نے مقرر کی ہے اور اس میں کسی بھی کمی بیشی کا اختیار نہیں ہے۔ حدود کی ذیل میں مندرجہ ذیل جرائم آتے ہیں۔

(۱) زنا (۲) تہمت زنا (۳) شرب خمر (۴) چوری (۵) ڈاکہ زنی (۶) ارتداد (۷) بغاوت

ان جرائم میں مجرم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو پامال کرتا ہے۔ ان کی سزائیں شریعت نے متعین کی ہیں۔ ان

ہیں کسی قسم کی ترامیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ قصاص و دیت کے سلسلہ میں فقہا میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض فقہا اسے شریعت تصور کرتے ہیں جبکہ بعض فقہا اسے غیر شریعت تصور کرتے ہیں۔ موخرالذکر خیال کو ترجیح دی گئی ہے کیونکہ قتل کے سلسلہ میں مقتول کے ورثا کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ معاف کر دیں یا خون بہا وصول کر لیں۔ گویا کہ شرعی سزا میں ترمیم کی سزا رکھی گئی ہے۔ اسی طرح بعض جرائم کی سزائیں شریعت نے مقرر نہیں کیں۔ اور حکمران کے دور میں کوئی جرم وقوع پذیر ہو اس کو اس امر کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ بذات خود ان جرائم کی سزائیں مقرر کر دے کیونکہ ... زمانے کے نشیب و فراز کے مطابق نت نئے جرائم وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اسلام چونکہ ابد تک قائم رہے گا۔ اس لئے اس قسم کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ لیکن حکمرانوں کو یہ ہدایت بھی کی گئی کہ وہ کوئی نیا فیصلہ کرتے وقت مسلمانوں کا عام مفاد اور شریعت کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھیں کسی بھی مجرم کو اس کے جرم کی نوعیت سے کم یا زیادہ سزا نہ دی جائے اور کسی امیر و غریب کا امتیاز نہ رکھا جائے۔ اسلام کے ان روشن قوانین کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں جان، مال عزت و آبرو کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔

۶۔ اسلام اور عصر حاضر کے تعلیمی تقاضے

علم ایک ایسا بحر ناپید کنار ہے جس میں زمین و آسمان کی وسعتیں پنہاں ہیں۔ علم ہی انسان کو ضابطہ حیات سکھاتا ہے اس کے کردار کی تعمیر کرتا ہے اور انسان کی دنیوی و آخروی زندگی میں اس کی فلاح کا سبب بنتا ہے دور قدیم میں علم کی اس قدر غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر ہی اسے چند با اثر افراد تک ہی محدود کر دیا گیا تاکہ تمام افراد علم کی اہمیت آب شیریں سے سیراب و شاداب ہو کر وہ بلند مقام حاصل نہ کر لیں جو علماء کے لئے مخصوص ہے۔ ملکی ترقی و تعمیر کے لئے علم کی اہمیت سے کسی کو بھی انکار نہیں۔ چین و جاپان نے اسی وجہ سے ہی بلند مقام حاصل کر لیا ہے ان اقوام کے افراد نے علم کی بدولت نئی ایجادات کیں۔ اسلام نے علم کو جو اہمیت دی ہے اس کی مثال کسی بھی مذہب میں ملنا محال ہے "طالب العلم فریضہ علی کل مسلم و مسلمہ" کے تحت حصول علم کو فرض کا درجہ دیا گیا ہے۔ آپ کا وضع کردہ یہ روشن قانون تشنگان علم کو دعوت حصول علم دے رہا ہے۔ حصول علم کے لئے عمر کا کوئی خاص حصہ ہی مخصوص نہیں بلکہ آپؐ نے فرمایا:۔

"گود سے گور تک علم حاصل کرو"

اسلام نے حصول علم کو اعلیٰ و ارفع مقامات عطا کئے ہیں۔ مثلاً حصول علم کو جہاد کا رتبہ دیا گیا۔ عبادت سے افضل قرار دیا گیا۔ آخرت میں انبیاء کے قریب ترین درجہ دیا گیا۔ علم کی اس غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر ہی دور زریں علماء

کی دُعا کو قرآن مجید میں شامل کیا گیا۔ اسلام نے صرف علم حاصل کرنے کی ترغیب نہیں دی بلکہ اس پر عمل کرنے اور اس کی اشاعت کرنے پر بھی زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ عمل کے بغیر حصولِ علم بیکار ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا۔

"علم حاصل کرنا، اس پر عمل کرنا اور اس کی اشاعت کرنا صدقہ ہے۔"

عصر حاضر میں مقصد علم کا مسئلہ پوری شدومد سے اٹھایا جا رہا ہے۔ اسلام میں حصول علم کا مقصد دنیاوی منفعت، ذریعہ افتخار وغیرہ نہیں بلکہ حصول علم کا حقیقی مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے علم حاصل کیا جائے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔

"جس شخص نے علم اس لئے حاصل کیا کہ وہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے آگ میں داخل کرے گا۔"

اسلام میں فلسفہ، فنی تعلیم، جدید سائنسی وطبی تعلیم، معاشی تعلیم، عمرانیات وغیرہ کا علم حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس سلسلہ میں تمام قسم کی مشکلات برداشت کرنے کی ہدایت کی گئی۔ آپؐ نے فرمایا۔

"علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے۔"

ممکن ہے کہ کچھ حضرات سوچیں کہ فنی وطبی تعلیم کی صورت میں رضائے خداوندی کس طرح حاصل ہوگی؟ یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ اگر کوئی شخص اعلیٰ فنی وسائنسی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملکی ترقی میں ایک اسلامی حکومت کا ہاتھ بٹائے گا تو اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔ علاوہ ازیں جیسا کہ ہم نے "اسلام اور عصر حاضر کے سائنسی تقاضے" کے عنوان کے تحت بحث کی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بذاتِ خود جدید سائنسی علوم حاصل کرنے کی بارہا ترغیب دی ہے۔

موجودہ دور کا ایک اہم مسئلہ اساتذہ کا عدم احترام ہے۔ یہ محض مغربی نظام تعلیم کی پیداوار ہے۔ اسلام نے اساتذہ کو بلند مقام عطا کیا ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا

۱۔ جن سے علم سیکھو اس کی عزت کرو (بخاری)

۲۔ معلمؐ کے لئے اللہ، اور اس کے فرشتے، آسمان والے اور زمین والے یہاں تک چیونٹیاں بلوں میں اور مچھلیاں تک دعائے رحمت کرتی ہیں (مشکوٰۃ)

عہد حاضر میں تعلیم نسواں اور مخلوط تعلیم پر خاصی بحث کی جا رہی ہے۔ اس مسئلہ کا حل "اسلام اور خواتین کے جدید مسائل" کے عنوان کے تحت کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ اسلام نے بچوں کی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دی ہے کیونکہ بچے ہی کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور حکومت میں کئی مسجد مکتب اسکول قائم کئے۔ حضور اکرمؐ نے فروغ کے سلسلہ میں عملی اقدامات کے طور پر مسجد نبوی میں جامع صفہ کی بنیاد رکھی جس کے طالب علم اگرچہ غریب تھے لیکن آپؐ سے علم حاصل کرنے کے بعد ان طلبا نے وہ شاندار خدمات سرانجام دیں کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی اور رہے گی۔

۷۔ اسلام اور خواتین کے جدید مسائل

ظہور اسلام سے قبل عورتوں کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی ۔ مال، ورثہ، ترکہ وغیرہ میں عورت کو کسی قسم کے کوئی حقوق حاصل نہ تھے ۔ عورت کی حیثیت ایک بھیڑ بکری سے زیادہ نہ تھی ۔ عورت اپنے والدین اور خاوند کے مکمل رحم و کرم پر تھی ۔ والدین اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور دیتے اور خاوند اپنی بیویوں کو معمولی تنازعات کی وجہ سے طلاق دے دیتے ۔

اسلام نے عورت کو مرد کے مساوی مقام عطا کیا ہے ۔ مال، جان، عبادت، ترکہ اور ورثہ میں عورت کے حقوق متعین کیئے اگر مرد کو طلاق کا حق دیا تو عورت کو خلع کا حق بھی دیا گیا ہے ۔ مردوں کو تاکید کی گئی کہ اپنی بیویوں کی جائز معاشی ضروریات پورا کریں ۔ قرآن نے اگر مردوں کو مسلمین، مومنین، قانتین، صادقین، خاشعین وغیرہ کے خطابات دیئے تو عورتوں کو مومنات، قانتات، صادقات، خاشعات کے لقب سے بھی نوازا ۔ عورت کو بحیثیت ماں بلند رتبہ دیا گیا ۔ اور اس کے قدموں تلے جنّت کا مقام بیان کیا گیا ۔ اور عورت کو مردوں کے لیئے بہترین دنیاوی نعمت قرار دیا گیا ۔ تعدادِ ازدواج مقرر کی ۔

اگرچہ اسلام نے عورت کو اس قدر حقوق عطا کیئے ہیں ۔ لیکن اس کے باوجود مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر موجودہ دور میں خواتین مردوں کے شانہ بشانہ دفاتر میں کام کر رہی ہیں اور آزادی کا یہ مطالبہ روز افزوں بڑھتا جا رہا ہے ۔ بعض افراد کا خیال ہے کہ ملک کی نصف آبادی کے بیکار رہنے سے ملکی معیشت پر خطرناک اثرات مرتب ہو رہے ہیں ۔ کچھ افراد کا خیال ہے کہ کام نہ کرنے کی وجہ سے خواتین احساس کمتری میں مبتلا ہیں ۔ حالانکہ ایسے خام خیالات محض ایک سراب ہیں ۔ خواتین اگر اپنی گھریلو ذمہ داریاں بحسن خوبی سرانجام دیں تو بلواسطہ ملکی معیشت کے لیئے اہم کردار ادا کر سکتی ہیں ۔ اسلام نے تلاش معاش کے لیئے گھر کی چار دیواری سے باہر قدم رکھنے کی خواتین کو ہرگز اجازت نہیں دی ۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا ۔

"بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے ۔ جب وہ باہر نکل جاتی ہے تو شیطان اسکی تاک میں لگ جاتا ہے کہ اب کسی کو دام میں پھنساؤں گا" (بخاری)

اگر کوئی خواتین معاشی اعتبار سے مجبور ہوں یا ان کی گھریلو ذمہ داریاں زیادہ نہ ہوں تو وہ پردہ کی حدود میں رہتے ہوئے کوئی شغل یا پیشہ اختیار کر سکتی ہیں ۔ تاریخ اسلام میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں کہ خواتین نے شرعی پردہ کی حدود میں رہتے ہوئے کئی کارنامے سرانجام دیئے ۔ خلیفہ مامون الرشید کی بیگم نے فلسفۂ یونان کی متعدد کتب کا عربی میں ترجمہ کیا ۔ اس کے علاوہ علوم فلکیات کی بھی ماہر تھیں اور اپنی رصدگاہ میں سائنسی آلات کے ذریعے فلکیات کا گہرا مطالعہ کیا کرتیں ۔ پانچویں صدی ہجری میں ایک خاتون سیدہ فخر النساء بغداد کی جامع مسجد میں حاضرین کی کثیر تعداد کے سامنے علم کلام، شاعری اور ادب پر فصیح و بلیغ خطبات دیا کرتیں ۔ مشہور سائنسدان ابن زہر کی ہمشیرہ ماہر طب تھی ۔ چنانچہ وہ امراض نسواں کا علاج کیا کرتی تھی ۔ اسی طرح بے شمار خواتین خوش نویسی اور خطاطی کی ماہر تھیں ۔ لیکن ان میں سے کسی مثال میں بھی مرد و عورت کے باہمی اختلاط کی مثال نہیں ملتی ۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے قائم کردہ سرکاری شفاخانے میں عورتوں کے لیئے الگ حصہ مخصوص تھا ۔

موجودہ دور کا ایک اہم مسئلہ مخلوط نظامِ تعلیم ہے۔ اسلام نے ہر مرد و زن پر تحصیل علم کو فرض قرار دیا ہے۔ اور خواتین کی تعلیم پر صوصی توجہ دی ہے۔ چنانچہ آپؐ کی ازدواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ بہت بڑی عالمہ تھیں۔ مدینہ ں تعلیم نسواں کے فروغ کے لئے حضرت عائشہؓ کا گھر مکتب کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت فاطمہؓ بھی فن عروض اور علم خطابت میں تال رکھتی تھیں۔ لیکن ان اہم اقدامات کے باوجود اسلام میں مخلوط تعلیم کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ حضور اکرمؐ نے خواتین کو نمازِ جمعہ، نمازِ جنازہ ہاد جیسے اہم فرائض سے ہی مستثنیٰ قرار دیا تاکہ مرد و زن کا اختلاط نہ ہو سکے۔ آپؐ نے خواتین کو تعلیم دینے کے لئے بدھ کا دن مقرر مایا تھا۔ مسجد نبوی میں خواتین کے علیحدہ داخلے کے لئے ایک دروازہ بھی لگوایا جو آج بھی باب النساءؓ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مردوں ر عورتوں کا آزادانہ اختلاط کسی درجہ میں بھی مفید نہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ دور میں خواتین کے محکمے الگ کر دیئے ائیں جن میں صرف خواتین ہی کام کریں۔ تاکہ مرد و زن کا باہمی اختلاط نہ ہو۔

مختصر یہ کہ مذکورہ مسائل کے علاوہ بھی دورِ جدید کے متعدد مسائل کو اسلام نے نہایت احسن طریقے سے حل کیا ہے۔ جسقدر امعیت اور کاملیت دینِ اسلام میں ہے کسی اور مذہب یا ازم میں نہیں۔ اسلامی قوانین اور ضابطے ہر دور میں دنیا کے ہر خطے کے نوں کے لئے قابلِ عمل ہیں اور تا قیامت قابلِ عمل رہیں گے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے مسائل کے حل کے لئے اغیار کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنے دین سے روشنی حاصل کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے۔

علی اکبر انجم۔ جامعہ پنجاب لاہور۔

سخن ہائے گفتنی

اللہ رب العزت کی یہ کائنات ارضی وسماوی ابتدائے آفرینش سے اب تک نہ جانے کتنے ارتقائی اور تغیراتی مراحل طے کرنے کے بعد موجودہ حالت میں ہمیں دکھائی دے رہی ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس کائنات انسانی کا عدم سے وجود میں آنا ارادۂ الٰہی اور منشائے ایزدی تھا اور یہ حرف "کُن" کی تکمیل تھی لیکن تہذیب وتمدن کا یہ دور جس میں ہم سانس لے رہے ہیں تاریخ انسانی کا سب سے نرالا اور انوکھا دور ہے جس میں انسان نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق خالق کائنات کو دنیا کے سارے معاملات سے بے دخل کر دیا ہے اور فکرِ انسانی کی سربفلک عمارت خالص الحاد کی بنیادوں پر استوار ہو رہی ہے۔ اس تجربے سے جدید انسان کو بڑی توقعات وابستہ تھیں وہ سمجھتا تھا کہ علوم وفنون کی ترقی اور سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت آفرینش حیاتِ انسانی کے تمام مسائل کا حل ہے۔ مگر یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ تہذیب مغرب نے اپنے ہاتھوں سے خودکشی کر لی، اور اس کی شاخ نازک پہ بننے والا آشیاں اس قدر ناپائیدار ثابت ہوا ہے کہ اس تمدن کے باغبانوں کو بھی حیرت ہے یہ اس وقت ہوا جب عصر حاضر کے انقلابی مفکرین جن میں سے ڈارون کے نظریات نے انسان کی روحانی اقدار کو مجروح کیا۔ فرائڈ کے نظریات نے اخلاق حمیدہ پر تیر چلایا اور کارل مارکس نے سرمایہ دار اور مزدور کی کشمکش کو ہوا دی۔

بیسویں صدی عیسوی میں جہاں سائنس کے ہر میدان میں حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے وہاں انسان اپنی انسانیت، شرافت، عظمتِ دین، اخلاق غرضیکہ سب کچھ کھو بیٹھا ہے اس لحاظ سے اس صدی کو تضاد کا زمانہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ نظریات وافکار میں بھی انسان نے بہت ترقی کی ہے۔ لیکن اعمال و افعال میں وہ جانوروں سے بھی آگے نکل گیا ہے۔ انسان کی اس تہذیب نے سائنس کا راستہ

موڑ دیا۔ وہ انسان کی فلاح و ترقی میں ممد و معاون ثابت ہونے کی بجائے تباہی اور ہلاکت کا سامان کرنے لگی
سیاست جو کبھی اصولوں کے تابع ہوتی تھی آج خود غرضی، لالچ اور دروغ گوئی کی علامت ہے ہر ملک
کے دوسرے ممالک سے سفارتی تعلقات ہیں، بظاہر ایک دوسرے کو خوش آمدید کہتے ہیں لیکن اندرونی ایک
دوسرے کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں، اگر مالی امداد دی جاتی ہے تو ساتھ ساتھ سیاسی غلام بنانے کے حربے
بھی کئے جاتے ہیں۔ سیاست کے میدان میں اس ملک کو برتر اور مضبوط سمجھا جاتا ہے جو زیادہ سے زیادہ تباہ کن
ہتھیاروں سے لیس ہو۔ اس کے پاس دولت کی فراوانی ہو تاکہ دوسرے ممالک کو بھاری قرضے دے سکے عصر
کا معاشی المیہ یہ ہے کہ پہلے سرمایہ دارانہ نظام نے انتہا پسندی دکھائی اور فرد کو بے قید آزادی دے کر سرمایہ دار
کے لئے لوٹ مار کا بازار کھول دیا پھر ان کے ردِ عمل میں اشتراکیت نمودار ہوئی تو اس نے فرد کو جماعت
کے سامنے بالکل بے بس کر دیا۔ ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

تعلیم کا معیار بلا شبہ ساری دنیا میں بلند ہو رہا ہے ہر ملک میں بکثرت یونیورسٹیاں اور تعلیمی
ادارے ہیں لیکن امریکہ جیسے تعلیمی اداروں کی حالت یہ ہے کہ وہاں رقص، مے نوشی اور جنسی آزادی تعلیم کا
کا ایک حصہ ہیں اور نیویارک ہی کے ایک ٹائم میگزین کے مطابق یہ آزادی ایسی ہے کہ "آج سے تیس چالیس
سال پہلے امریکی یونیورسٹیوں کے طلبہ تسکین جنسیت کے لئے جنگلوں میں جاتے تھے لیکن اب یہ کام درسگاہ
کے اندر ہی ہو جاتا ہے"

اب تعلیم کا یہ اثر ہے کہ اب حق و صداقت کے معیار ختم ہو گئے ہیں۔ باطل پوری طرح براجمان ہو گیا
ہے۔ اور انسانیت کی چیخیں نکل رہی ہیں۔ علاوہ ازیں مغربی انسان اس تہذیب کے سارے قالب
کو جن میں وہ جلوہ گر ہو سکتی تھی آزما چکا ہے۔ اس مرض کی دوا نہ تو بدھ مت اور ہندوازم کے خیالی
فلسفوں میں ہے اور نہ ہی یہودیت اور عیسائیت کے برائے نام تغیر پذیر موجودہ مذہبی تصورات میں
اس کے بعد اب میدان میں اسلام رہ جاتا ہے جو ایک ایک معیار پر عصر حاضر کی تغیر پذیری کے باوجود

بحوالہ عصرِ رواں صد ۳۶ ، ڈاکٹر غلام جیلانی برق

پورا اتر رہا ہے۔ اسی میں آج کی زخموں سے چُور انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہے اور اس کی مجبوریوں کا قابلِ عمل حل بھی۔ درحقیقت اسلام ہی وقت کی اہم پکار ہے جس پر لبیک کہہ کر دکھی انسانیت فوز و فلاح کی منزل سے آشنا ہو سکتی ہے۔ دینِ اسلام ہی دورِ جدید کے انسان کی گمراہی کو دور کر سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دامن میں ہمہ گیر نوعیت کی وہ آفاقی تعلیمات ہیں جو ہر دور، ہر طبقے اور ہر معاشرے کے افراد کو فطری تقاضوں کے مطابق شعورِ حیات بہم پہنچاتی ہیں۔

انہی پاکیزہ تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ اسلام چشم زدن میں صحرائے ادب سے اُٹھ کر قیصر و کسریٰ کے محلات تک آپہنچا۔ گلہ بانی سے بے خبر بدوی کارِ جہاں بانی کے ایسے ماہرین اور مثالی رہنماؤں میں شمار ہوئے کہ دنیا آج تک ان کی مثال نہیں لاسکی۔ اور عرب کے بوریا نشین مسجد نبوی میں کھجور کی چٹائی پر بیٹھ کر ایران و روم جیسے پرجلال بادشاہوں سے خراج لیتے تھے۔ مگر قانونِ مکافاتِ عمل نے اس دین کے ماننے والوں کو تسخیرِ کائنات کا نظارہ دکھا کر اس طرح جھٹکا دیا کہ اوجِ ثریا پر فائز قوم زمین کی پستیوں میں بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئی وہ تہذیبِ اسلامی صدیوں سے دنیا کی بہترین تہذیب مانی گئی اور مدتوں دنیا اس کے میٹھے پھل کھاتی رہی۔ بتدریج اغیار کی مکاریوں اور ستم ظریفیوں کا شکار ہونے لگی اور بالآخر اپنا تشخص بھی کھو بیٹھی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیش کردہ نظریۂ حیات نے جزیرۂ عرب میں علم کے پیاسوں اور عمل کے شیدائیوں کی ایسی جماعت پیدا کی جس نے دیکھتے دیکھتے سارے عالم میں علمی انقلاب بپا کر دیا۔ کائنات وحیات کے ہر گوشے اور ہر پہلو میں تفکر و تدبر کے ذریعے فطرت کے اصولوں کا ایسا کھوج لگایا اور علم کی نئی نئی شمعیں روشن کیں کہ تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کے ایجاد کردہ علوم دنیا بھر کو منور کرنے لگے۔ مسلمانوں کی ایمانی اور عملی قوت نے اس وقت کی نصف سے زائد دنیا پر اہلِ ایمان کا اقتدار نافذ کیا۔ اور بقیہ حصہ کو اپنے علم و تہذیب کا خوشہ چین بنا لیا، لیکن اب ذہنی اور فکری زوال سے مسلمانوں نے کائنات میں تفکر و تدبر کی عادت چھوڑ دی۔ ایک طبقہ مایوس ہوگیا اور دوسرا اس بدبختی اور زوال کو تقدیر کا نام دینے لگا اور نجاتِ اخروی کو ہی مطمحِ نظر جاننے لگا۔ علماء نے اپنے اسلاف کے تفکر کو حرفِ آخر سمجھ لیا اور مزید غور و فکر کو بدعت و گمراہی قرار دیا۔ اس طرح وہ علم و فنون جو مسلمانوں نے شروع کئے تھے جامد و ساقط ہو گئے۔ جس کا لازمی نتیجہ بے عملی کی صورت میں نکلا۔ مسلمانوں کو اخلاقی پستی نے آن گھیرا اور پھر اکنافِ عالم میں اقتدار کا ڈنکا بجانے والی قوم کی نسلیں تو باقی رہ گئیں، لیکن اقتدار اور سربلندی علم و حکمت کے ساتھ ہی رخصت ہو گئے۔ مصیبت کے وقت اسباب مصائب سے

نبرد آزما ہونے کی بجائے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا اور محض دعاؤں کے بل بوتے بڑے بڑے انقلابی نتائج کی امید رکھنا توکل کا عام مفہوم ٹھہرا۔ غرضیکہ "عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانا"۔

اسلام کی ابدیت ثابت کرنا نیز اسلامی عقائد و تعلیمات پر وارد ہونے والے شکوک و شبہات کا جواب دے کے انہیں بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنا ہے۔

دوسرا پہلو ———— مادی اور سیاسی لحاظ سے یہ ہے کہ علمی و فکری حیثیت سے حاصل کردہ نظام حیات اور قوانین و ضوابط کو عملاً برپا کرنے کے لئے اسباب و وسائل اور قوت نافذہ کا حاصل کرنا۔ ان قوانین کے نفاذ، داخلی استحکام اور خارجی دفاع کے لئے مادی قوت و طاقت کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر نہ کوئی معاشرہ وجود میں آسکتا ہے اور نہ ملک کا دفاع ممکن ہے۔ صنعت و حرفت کے تمام شعبوں میں ترقی کر کے خود کو معاشی سیاسی حیثیت سے خودکفیل بنانا اور موجودہ عالمی دوڑ اور مسابقت میں اقوام عالم کا نہ صرف مقابلہ کرنا بلکہ ان سے فوقیت حاصل کرنا مقصود ہے، یہ دونوں پہلو علمی، دینی، ملی، معاشی، دفاعی، ملکی عسکری، سیاسی اور بین الاقوامی حیثیت سے اہم اور لازم و ملزوم ہیں، دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا بلکہ یکجا اور بیک وقت دونوں محاذوں پر جدوجہد کرنا ضروری ہے۔

یہ معرکے اچانک سر نہیں کئے جاسکتے اور نہ ہی راتوں رات کایا پلٹ سکتی ہے۔ قوموں کی زندگی میں بیس تیس، پچاس سال کوئی حیثیت نہیں رکھتے، بین الاقوامی انقلاب لانے اور قوم کو باطل کے خلاف سرگرم عمل کرنے کے لئے بہترین داعیوں کو طویل عرصہ مسلسل کام کرنا پڑتا ہے، امت مسلمہ کے لئے یہ وقت بہت اہم "موڑ" ہے۔ اب باتوں، تقریروں، شاعری بلطیفہ یا بیکار قسم کے تفریحی مشاغل میں گزارنے کا وقت نہیں بلکہ ملت اسلامیہ کے ہر فرد کے لئے اس کی قومی اور ملی زندگی کا ایک ایک لمحہ بہت ہی قیمتی اور گراں مایہ ہے۔ آج دنیا بالخصوص سپر طاقتیں احیائے اسلام کے نام سے کانپتی ہیں اور مسلم حکومتوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے اندر ہی اندر سازشیں کر رہی ہیں، ذہنی اور فکری محاذ پر فحش اور مخرب اخلاق لٹریچر اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے تیزی سے حملے ہو رہے ہیں۔ اس وقت یوں تو تقریباً پینتالیس کے قریب آزاد اسلامی ریاستیں ہیں مگر کسی میں بھی بڑی طاقتیں لقمہ اجل بننے سے بچنے کے لئے دم خم نہیں کیونکہ یہ سب ممالک ہر لحاظ سے اپنے دشمن کے دست نگر ہیں۔ لہٰذا ایک طرف ملکی سرحدوں کے دفاع کے لئے جدید اسلحہ اور جدید صنعت کی ضرورت ہے تو دوسری طرف ایمانی سرحدوں کی حفاظت کے لئے علمی و روحانی امداد کی۔ اس لحاظ سے جب تک مسلمانوں کے دو طبقے، "علماء۔ امراء" اولامر" اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پوری تندہی اور جفاکشی سے پورا نہ کریں گے خلافت ارض کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہر دور کے مخصوص حالات اور تقاضے ہوتے ہیں جن کو نظر انداز کرکے

ترقی کی راہ پر ایک قدم بھی نہیں رکھا جاسکتا۔

مقالہ ہذا میں تمام تقاضے بالتفصیل زیر بحث نہیں لائے جاسکے کیونکہ پابندی صفحات نے قطعاً اجازت نہیں دی تاہم حتی المقدور وہ تمام اہم امور پیش خدمت ہیں جن کو ایک حساس طالب علم اور ملت اسلامیہ کے حقیر فرد کی حیثیت سے یہاں نے محسوس کیا ہے اپنی تعلیمی مصروفیات سے کچھ وقت نکال کر یہ حقیر کوشش کی ہے۔ فی الحقیقت ان میں سے ہر تقاضا بذات خود ایک مکمل اور جامع موضوع ہے۔ اس لئے یہاں موضوع کی مناسبت سے سیر حاصل تبصرہ ناممکن تھا۔ لہٰذا راقم نے اکثر مقامات پر صرف اشارات سے نشاندہی کی ہے۔ اس لئے اگر کہیں بے ربطی کا احساس ہو تو معذرت خواہ ہوں۔

قانونِ فطرت ہے کہ جو لوگ ماضی سے سبق نہیں سیکھتے انہیں ماضی دوبارہ گزارنا پڑتا ہے، تاریخ انہی اقوام کے لئے اپنے آپ کو دہراتی ہے جو اس سے عبرت نہیں پکڑتے لہٰذا تعصب اور تنگ نظری کی عینک اتار کر اچھی باتوں کو اپنی میراث کے طور پر اپنانا ہی عقلمندی ہے ؎

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

یہ زمانہ حرکت، سفر، لاقراریت، رفتار و سرعت اور تعجّل کا زمانہ ہے، پرانی قدریں ماضی کے دبے کواڑ ایوانوں میں مقفل ہو گئی ہے۔ تمدنی سطح پر بہت بڑا انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ دنیا سمٹ کر ایک گھرانہ بنتی جا رہی ہے اب عالمی تہذیب (World Culture) اور عالمی حکومت کی باتیں ہو رہی ہیں، ذرائع ابلاغ کی رسائی و حرکت نے طبقاتی دوریاں مٹا دی ہیں۔ انسانی اعضاء نے انگڑائی لے کر وسعت و قوت کو سینے سے لگا لیا ہے، ریڈیو اور ٹیلیفون انسانی قوت سماعت اور سینما اور ٹیلی ویژن قوتِ بصارت بن گئے ہیں۔ ریل، موٹر، اس کی ٹانگیں اور جہاز و راکٹ اس کے پر بن کے رہ گئے ہیں بلکہ کمپیوٹر انسانی ذہن کا ہمراز بن رہا ہے۔ آج انسان مشین کا خالق بھی اور اس کا محتاج بھی ہے۔ غرض یہ کہ ؎

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!

ادھر اسلام کا مدمقابل یورپ اپنی عریاں تہذیب پھیلانے کے لئے کروڑوں ڈالر صرف کر رہا ہے۔ اور دوسری طرف دنیا کے سب اسلامی ممالک اپنی تابندہ، مستحکم اور پاکیزہ اقدار کو زندہ کرنے کے لئے ابھی تک لرزاں و ترساں ہے، اور اپنے خدائی نظام حیات کو اپنانے سے ہچکچاتے ہیں۔ لیکن۔۔۔

لیکن "تِلکَ الایّام نداولھا بین الناس" کے اٹل خدائی قاعدے کے تحت اب ظلمتِ شب چھٹ رہی ہے۔ اور بقولِ اقبال کہ ؎

خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

الحمدللہ مسلمان غفلت کے دبیز پردوں سے آہستہ آہستہ باہر آ رہے ہیں۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے میدانِ عمل آج مسلمانوں کو پکار رہا ہے اور مسلمانانِ عالم کی اکثریت نے یہ آواز سن بھی لی ہے لیکن احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کو ثابت کرنے کے لئے بھرپور تصادم اور شدید ٹکراؤ کا سامنا کرنا پڑے گا جو کہ فطری تقاضا اور تاریخی حقیقت ہے، یونانی فلسفی اسکائی لس نے بجا کہا ہے کہ :

"دانش کی منزل اذیّت کی دھار سے گزر کر ملتی ہے"

آج مسلمانوں کو یوں تو ہر محاذ پر مقابلہ اور ہر طرف سے شدید خطرات کا سامنا ہے لیکن دینِ اسلام کی سربلندی اور حقیقی کامیابی کے لئے ان میں سے دو پہلو اہم ترین ہیں۔

۱۔ فکری اور نظریاتی پہلو ۔

۲۔ مادی اور سیاسی پہلو ۔

پہلا : فکری اور نظریاتی اعتبار سے ہمیں مختلف میدانوں میں جدید تقاضوں کے مطابق جدید اسلوب میں علمی و تحقیقی لٹریچر تیار کرنا۔ دینی تعلیم کی از سرِ نو راہیں متعین کرنا۔ جدید علوم سے گہری واقفیت حاصل کرنا تاکہ موجودہ نظریاتی کشمکش کے دور میں فکری محرکہ سر کر سکے۔ عصرِ جدید کے تقاضوں کے مطابق جدید علوم و فنون کی روشنی میں عقائد و دین کے بنیادی تصورات کی حقانیت ثابت کرنا۔ فقہی مسائل میں اجتہاد کر کے موجودہ معاشرتی و اجتماعی مشکلات کا قابلِ عمل حل نکالنا اور تمدنی مسائل میں غور و خوض کر کے میں نے مضمون مندرجہ بالا تصریح کے مطابق بالترتیب دونوں پہلوؤں اور ان کے تقاضوں کے تحت مختلف عنوانات میں تقسیم کر دیا ہے۔ جن کو زیادہ اہم سمجھا ان کی قدرے تفاصیل سے وضاحت کی ہے لیکن ہنوز تشفی نہیں ہوتی۔

میں نے یہ سب کچھ دردِ دل کے ساتھ صرف فریضہ دینی سمجھتے ہوئے تمام مسائل تقاضے اور ان کے ممکنہ حل کے متعلق تجاویز عرض کر دی ہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا گو بھی ہوں کہ ان تقاضوں کو کما حقہٗ پورا کرنے کی ملتِ اسلامیہ کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بوجہ اختصار بعض مقامات پر صرف کتب کے مکمل حوالہ جات حاشیہ پر درج کر دیئے ہیں تاکہ عند الضرورت ان سے مستفید ہوا جا سکے۔

ساتھ ہی نہایت معذرت خواہ ہوں کہ بادلِ نخواستہ کچھ صفحات کی زیادتی جو کہ حکم عدولی بھی ہے کرنی پڑی۔ علاوہ ازیں بات تشنۂ تکمیل رہتی تھی۔ ھ

راقم اپنی کوتاہ علمی اور ناقص فہمی کے باعث لفظی و معنوی غلطیوں پر معذرت خواہ ہے

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

اسلام کا معنیٰ و مفہوم

"اسلام" کا مادۂ اشتقاق س، ل، م "سلم" ہے اس کے لغوی معنیٰ بچنے محفوظ رہنے، مصالحت اور امن و سلامتی پانے کے ہیں۔ حدیث شریف میں اس لغوی معنیٰ کے لحاظ سے ارشاد ہے۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده[1] "اسی مادے کے باب افعال سے لفظ "اسلام" بنا ہے۔ اس کے لغتاً چار مفہوم بالعموم مستعمل ہیں۔

مختلف مفہوم:۔ ۱۔ خود امن و سکون پانا اور دوسروں کو امن مہیا کرنا۔ یعنی لازم اور متعدی دونوں طرح معنیٰ کیا جاتا ہے۔

۲۔ ماننا، تسلیم کرنا، جھکنا اور خود سپردگی و اطاعت اختیار کرنا جس طرح۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ[2]۔

۳۔ صلح و آشتی کا پایا جانا اس کے لئے سَلْم یا سِلْم بھی استعمال ہوتا ہے جیسے "فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ[3]

دوسری جگہ لفظ سِلْم یوں ذکر ہوا۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً[4]

۴۔ بلندی اور عظمت و رفعت، چونکہ دنیا میں اسلام سے بڑھ کر رفعت کسی اور مذہب کے حصہ میں نہیں آئی جیسے عربی میں بلند درخت کے لئے سَلَامٌ اور اسی طرح سیڑھی کو سُلَّم کہتے ہیں۔ چونکہ درخت اور سیڑھی اپنی اونچائی کی وجہ سے لوگوں کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ لہذا اس مفہوم کے لحاظ سے اسلام وہ مذہب اور دین ہے جو ہر بدخواہ کی دسترس سے باہر ہے "[5]

اصلاحی مفہوم:۔ لغوی معنیٰ کے پس منظر سے ہی اسلام کے وسیع تر اصطلاحی مفہوم پر دلالت ہو جاتی ہے یعنی اسلام وہ دین ہے جو انسان کو امن و عافیت اور سلامتی سے بہرہ ور کرتا ہے اور اس کے دل و دماغ کو ہر قسم کے

---

[1] بخاری ۱/۷-۸ ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ [2] البقرۃ (۲: ۱۳۱) ترجمہ جب تم ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا: اطاعت اختیار کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے جہانوں کے رب کی اطاعت اختیار کی۔ [3] محمد ۳۵/۴۷ ترجمہ: تم ہمت نہ ہارو اور دریا طل کر صلح کی طرف مت بلاؤ پھر تم ہی غالب رہو گے [4] البقرہ (۲/۲۰۸) ترجمہ: اے ایمان والو پورے کے پورے اسلام (یعنی سلامتی) میں داخل ہو جاؤ۔ [5] بحوالہ "ایمان اور اسلام" صفحہ ۱۵۱ محمد طاہر القادری

خطرات سے بے نیاز کرتا ہے۔ اس کی صحیح اتباع انسان کو عظمت و رفعت سے ہمکنار کرتی ہے۔ اس کا پہلا اور آخری حکم بھی یہی ہے کہ انسان خدا کی بارگاہ میں خود سپردگی اطاعت اور تسلیم و رضا کا پیکر بن جائے اور جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کرنے کا حکم ہوا ہے وہ بسر و چشم بجا لائے۔

تعلیمی تقاضے :۔

علم سے چونکہ انسان اپنا مقصد متعین کرتا ہے اسلئے سب سے پہلے تعلیمی تقاضوں کو زیر بحث لانا ضروری ہے اسلئے کہ اگر مقصد کا تعین اور منزل کی نشاندہی ہو جائے تو اس کو حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

علم مفہوم و مقصد :۔

اسلامی تہذیب و تمدن کے مزاج و شعار کا اظہار اگر ایک لفظ میں کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے "علم" سے زیادہ جامع اور محیط کوئی دوسرا لفظ نہیں ہو سکتا۔ علم اور اہل علم کے جتنے فضائل بکثرت قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے تاریخ عالم کے تناظر میں اسلام اس کو اپنا شعار قرار دیتا ہے۔ اس لئے یہ بات قابل غور ہے کہ اسلام کے ہاں "علم" کس کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی حقیقت کے تعین کے بعد اس کے مقاصد کا پتہ چل سکتا ہے۔ اصحاب لغت کی روح سے تو علم "دانستن" یعنی مطلق جاننے کو کہتے ہیں۔ اور تعلیم دانائی سکھانے کو حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک "دلائل کے ساتھ کسی چیز کی حقیقت کے جاننے کا نام علم ہے"۔

(بحوالہ تعلیم نمبر از شام ہمدرد دسمبر ۱۹۸۳ء صفحہ ۱۰)

بامقصد علم :۔

قرآن پاک کی پہلی آیت جس میں پڑھنے "اقراء" کا حکم دیا گیا۔ اس میں صفت خلق و ایجاد اس کے مفہوم کو واضح کرتی ہے کہ پڑھنے پڑھانے کا اولین مقصد خالق کا عرفان ہے۔ اسی آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیم کا مقصد خود شناسی اور خدا شناسی ہے۔ اسلام کے ہاں علم و تعلیم مقصود بالذات نہیں بلکہ یہ عرفان ذات اور معرفت خالق کا ذریعہ ہے۔ علاوہ ازیں اخلاق حسنہ سے خود کو آراستہ کرنا اور دوسروں کو جہالت اور نادانی کے اندھیروں سے نکالنا بھی مقاصد علم میں شامل ہے۔ علم کے بنیادی مقاصد یعنی عرفان حق اور حسن عمل کی اہمیت امام شافعیؒ کے اس قول سے واضح ہوتی ہے کہ "اگر باعمل علماء اللہ کے اولیاء نہیں تو پھر اللہ کا کوئی ولی نہیں ہو سکتا"۔ اور قرآن نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے یعنی تعلیم کا مقصد تقرب الٰہی، خوف الٰہی عرفان الٰہی اور اپنی شخصیت کی تعمیر و تکمیل ہے۔ لہذا یہ امر متحقق ہو گیا کہ جو علم نیابت الٰہی کا شعور نہ پیدا کر سکے وہ بے ثمر ہے۔ اسلام کے ہاں ایسے علم کا کوئی تصور نہیں جو ان مقاصد کی تکمیل نہ کر سکے۔ سابقہ بحث سے یہ نکتہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ از روئے قرآن تعلیم میں دین و دنیا کی کوئی تفریق نہیں۔ یہ تفریق صرف مقاصد کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اگر مقصد

رضائے الٰہی اور عرفانِ حق نہ ہو تو قرآن و حدیث کا علم بھی بے دینی ہے اور اگر سائنس و ٹیکنالوجی اور جدید طب وغیرہ بھی مطلوبہ مقاصد کے پیشِ نظر پڑھے جائیں تو عین دین ہے

اب ہم تعلیمی میدان میں اُن تقاضوں کا ذکر کریں گے جو پورے کئے بغیر مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔

جہالت سے نجات :-

امت مسلمہ کی بدقسمتی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی قرآن کا اوّلین پیغام ہی علم تھا لیکن آج اکثریت علم کی روشنی سے محروم ہے۔ اوّل تو اس کا باقاعدہ انتظام ہی نہیں کہ ناخواندہ افراد کو تعلیم دی جائے مسلمان کے شایانِ شان تو یہ تھا کہ وہ علم کے میدان میں منصبِ امامت پر فائز ہوتا۔ مگر حالت یہ ہے کہ بہت کم افراد علم کے حصول کے لئے کوشاں ہیں اُن میں سے بھی دنیوی فوائد کے حصول کے لئے علم کے بغیر جب معرفت نفس اور معرفتِ خداوندی کا حصول ناممکن ہے تو مسلمان کیوں اتنے پسماندہ ہیں۔ یہ قابلِ افسوس صورت حال اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مسلمانوں کی اس اکثریت کو جہالت سے نجات دی جائے اس کے لئے ہر ملک میں علمی تحریک شروع کی جائے۔

ذہنی و فکری انقلاب کے لئے تعلیم کی ضرورت :-

ملت اسلامیہ کو آج جہاں سیاسی اور معاشی سطح پر گوناگوں مسائل سے واسطہ ہے وہاں سب سے اہم تقاضا عصر حاضر کے جدید ذہن کے فکری و ذہنی معیار کو صحیح رُخ پر گامزن کرنا ہے۔ اس امر کے لئے تعلیم سے زیادہ کوئی چیز ایسی کارگر ثابت نہیں ہو سکتی جس سے بہترین مطلوبہ معیار پر پوری اتر سکیں کسی قوم کی ترقی کا انحصار اس کے افراد کی ذہنی صلاحیتوں کے صحیح رُخ پر متعین ہونے پر ہے۔ ملک و قوم کی نظریاتی حدوں کی حفاظت صالح اشخاص ہی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کے تشخص کو بحال کرنے کے لئے سب سے زیادہ مضبوط اور قابل اعتماد مسلح تعلیم یافتہ افراد ہی ہو سکتے ہیں۔ امت مسلمہ میں فکری انقلاب کی اہمیت اپنی جگہ واضح ہے مگر یہ مثبت تعلیم کے بغیر ممکن نہیں جدید سائنسی ترقی کی اہمیت اپنی جگہ بجا ہے۔ مگر بقول اقبال

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہوتی

ہو جس کے جوانوں میں خودی صورت فولاد

پوری ملت کے ذی شعور افراد کو آج دردِ دل سے یہ اندازہ لگانا چاہیئے کہ اس ملت کے افراد میں فکری انتشار کیوں ہے۔ اس کا رُخ کعبے کی طرف کیوں نہیں؟ اور یہ کہ قرآن و سنت کے مکمل احساس و ادراک سے محرومی کیوں ہے؟

اگر ہم سنجیدگی سے غور کریں تو درج ذیل تقاضے سامنے آئے ہیں۔ جو اس کی کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔

۱؎ - بحوالہ مذاکرہ تعلیم نمبر شام ہمدرد شمارہ ۱۹۸۳ء صفحہ ۱۹

نظامِ تعلیم کی اصلاح :۔

صحیح نظامِ تعلیم ہی قوم کے افراد کے اندر صحیح شعور پیدا کرتا ہے ۔ وہ افراد کو فنی مہارتوں سے آراستہ کرتا ہے تاکہ وہ دنیا میں باعزت زندگی بسر کر سکیں ۔ معاشرے کے قابل عزت افراد کی حیثیت سے انہیں زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھاتا ہے ۔ سب سے بڑھ کر قومی سیرت و کردار کی پختگی بہتر تعلیمی نظام کے بغیر ناممکن ہے ۔ اسلامی نظامِ تعلیم گویا ایک مخصوص نصب العین کی تعلیم دیتا ہے ۔ لہٰذا اگر معاشرے میں تعلیم یافتہ افراد کی موجودگی میں اخلاقی قدریں نہیں پنپ رہیں تو قصور نظامِ تعلیم کا ہوگا ۔ اگر جدید نظامِ تعلیم سے پروردہ اذہان غلط نتائج کا سبب بن رہے ہیں تو اربابِ دانش و علم کو اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئں ۔

۱۔ نصابِ تعلیم اور عصرِ حاضر :۔

دورِ جدید کا ہر انسان فکر و نظر کے میدان میں عالمیت کا تصور رکھتا ہے ۔ انسانیت کے تقاضے ہمیشہ عالم گیر اندازِ فکر اختیار کرنے کی دعوت دے رہے ہیں ۔ ایسے تعلیم کے معاملہ میں سب سے زیادہ ہمہ گیر مزاج اختیار کرنے کی ضرورت ہے ۔ لیکن اس سے زیادہ کیا قیامت ہوگی کہ تعلیمی لحاظ سے بھی مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے ۔ مثلاً ہمارے پاکستان میں جہاں اقوام و ملل کے لئے علمی راہنمائی ہونی چاہیئے تھی یہ عالم ہے کہ ایک گروہ جدید تعلیم سے آراستہ ہے اور دوسرا دینی و مذہبی تعلیم سے لیس مگر المیہ یہ ہے کہ ہر گروہ ایک دوسرے سے قلبی مغایرت رکھتا ہے ۔ نظامِ تعلیم کی اس خرابی کے ذمہ دار ہم اس وقت ٹھہرتے ہیں جب ہمارے ایک ہی معاشرے میں رہنے والے بچے علیحدہ سکول، علیحدہ نصاب اور علیحدہ استاد سے تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔ یہ آنکھ کھولتے اور ہوش سنبھالتے ہی امیر و غریب کا امتیاز اور افراد کی طبقاتی تقسیم اتنی اذیت ناک ہے کہ یہیں سے طبقاتی اونچ نیچ، نفرت، تفرقہ وجود میں آتے ہیں ۔ نصابِ تعلیم اور طریقہ تعلیم کا یہ المیہ آج ہر جگہ اسی طرح ہے لہٰذا اس صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے اگر پوری ملتِ اسلامیہ کے درمیان وحدت نہیں تو کم از کم ملکی سطح پر نصابِ تعلیم کا عنوان ملی وحدت ہونا چاہیئے ۔ علاقائی روایات و ثقافت اور تہذیب و تمدن کے نقوش کو ملی نقوش کا آئینہ دار ہونا چاہیئے ۔

۲۔ جدید تعلیمی اداروں کا نصاب :۔

ہمارے جدید معاشرے میں بیک وقت دو نظریہ ہائے تعلیم ہیں ۔ ایک طبقہ سرے سے انگریزی پڑھنا ہی گناہ سمجھتا ہے اور دوسرا صرف انگریزی ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے ۔ اس صورت میں انگریزی میڈیم اداروں میں نصابِ تعلیم زیادہ قابلِ اصلاح ہے ۔ کیونکہ ان اداروں میں یورپی یونیورسٹیوں کے طرز پر تعلیم دی جاتی ہے ۔ لہٰذا مسلمان بچے کو ہوش سنبھالتے ہی غیر مسلم تہذیب کے غیر مسلم شخصیات کے تعارف سے پوری زندگی اسی ڈگر

ہرے چلتے ہیں۔ نتیجتہً آج کا جدید تعلیم یافتہ نوجوان (الا ماشاءاللہ) شیکسپیر، لینن، کارل مارکس، فرائڈ اور برناڈشا کے متعلق تو سب کچھ جانتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ انبیاء کرام بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ونظریات کیا ہیں؟ اس سے بڑھ کر اس نصاب تعلیم کی اور کیا بدنصیبی ہوگی۔ لہٰذا قوم کا قبلہ صحیح کرنے کے لئے مسلمان ممالک کو اپنے نصاب کو مغربی تہذیب کے زہر سے صاف کرنا ضروری ہے کیونکہ اصل فاسد کو چھوڑ کر فرع صالح کی امید رکھنا حماقت ہے۔

۳۔ دینی تعلیم گاہوں کا نصاب اس کے مقابلے میں ہمارے مذہبی تعلیمی ادارے جو اگرچہ صدیوں سے دینی سرحدوں کی حفاظت میں پیش پیش ہیں۔ مگر یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ بدلتے ہوئے حالات کے باوجود یہاں وہی پرانی روایات جاری ہیں۔ وہی صدیوں پرانے علوم ہیں جنکو آنکھیں بند کر کے پڑھا پڑھایا جا رہا ہے۔ اور بکثرت ایسے علماء ابھی بھی اس برصغیر میں ہی ایسے ہیں جو دینی مدارس میں جدید علوم کی تدریس کو منحوس وناجائز اور قابل نفرت سمجھتے ہیں۔ نتیجتہً یہاں سے فارغ التحصیل لوگ علمی دنیا میں دوسرے لوگوں سے پیچھے اور ذہنی طور پر احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں۔ اس کمی کو پورا کرنا اشد ضروری ہے۔ ان مسلمانوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ سائنسی علوم کا حصول بھی عین دین کا حصہ ہے اور جدید فنی ومعاشرتی علوم شامل نصاب کئے جائیں۔

جداگانہ تعلیم کے مُضر اثرات: تعلیم کے باب میں سب سے زیادہ مضر اثرات پیدا کرنے کا سبب تعلیم میں دوئی کا تصور ہے۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ مسلمان اپنے ہی اقدار میں اس دینی اور دنیوی تعلیم کی طبقاتی تقسیم کا شکار ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ نوجوان بہت کم اپنے دین اپنی ثقافت اور تاریخ وروایات کے بارے میں علم رکھتے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے دینی مدارس اور جامعات کے تعلیم یافتہ، طبعی حیاتیاتی، معاشرتی اور تکنیکی علوم سے قطعاً نابلد ہوتے ہیں۔ دونوں طبقوں میں کوئی قدر مشترک نہیں ہوتی حتیٰ کہ ان کا یہ ذہنی بُعد ایک دوسرے سے جدا رکھنے کے بعد نفرت پیدا کرتا ہے۔ اس طرح ایک سوچی سمجھی تدبیروں سے غیروں نے مسلمانوں کے علمی نظام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ مسلمانوں نے دین ودنیا کو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ حالانکہ اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ مسلمانوں نے عام (جدید) تعلیم کو لادینیت کے رنگ میں دیکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح مسلمان اپنے شاندار ماضی سے بے خبر ہو گئے۔ جہاں آج سے ڈیڑھ دو سو سال قبل دینی اور دنیوی تعلیم کے مدارس ایک ہی تھے اس وقت جداگانہ تعلیم کا کوئی تصور نہ تھا۔ اس کا اثر یہ تھا کہ اسی درس گاہ سے طلبہ کو سائنس، ریاضی، فلسفہ، منطق

[حد]یث، تفسیر اور فقہی علوم پڑھائے جاتے تھے۔ تو پھر ابن رشد، ابن الہیثم، بو علی سینا، امام رازی و غزالی، حضرت [ش]اہ ولی اللہ اور مولانا روم جیسی شخصیات جو بیک وقت دونوں محاذوں پر مہارت رکھتے پیدا ہوتے تھے۔ مگر [ا]نگریز کے شاطر دماغ نے اپنی ریشہ دوانیوں سے ملت اسلامیہ کی اس علمی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے سیکولر [ن]ظام تعلیم ہر ملک میں رائج کر دیا جس سے عالم اسلام کو وہ شخصیات میسر نہ آسکیں جو مادی اور روحانی دونوں [ط]رح سے مسلمانوں کی راہنمائی کرتیں۔ اس تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ لفظ "مولوی" یا "ملا" نفرت اور تحقیر کی علامت [ب]ن گیا جو کبھی علی قاری جیسے بلند رتبہ محدث اور عبد الرحمٰن جامی جیسے فقیہہ کے لئے بطور احترام بولے جاتے تھے۔ [م]سلمانوں کی بدقسمتی تو یہ ہے کہ آج دینی تعلیم کا حصول انتہائی قابل نفرت عمل ٹھہرا۔ لیکن مغربی تعلیم کو حاصل کرنے کے لئے [ا]یڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ معاشرہ دینی تعلیم یافتہ افراد کو وہ عزت و مقام نہیں دیتا [ج]و اس کے شایانِ شان ہے۔

اس مہلک مرض کا علاج نصاب کی ہم آہنگی اور مطابقت سے کیا جا سکتا ہے۔ دونوں طبقوں کے لئے [م]شترکہ نصاب تعلیم تشکیل دیا جائے۔

علماء کے لئے جدید تعلیم کی ناگزیریت:۔ اسلام میں تعلیم دراصل تبلیغ دین اور تعمیر کردار کا ایک مسلسل عمل ہے۔ لہٰذا اس سے وابستہ طبقے کے لئے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم کا حصول وقت کی بہت اہم ضرورت ہے۔ اس کے بغیر عہد حاضر کے مسائل اور بدلتے ہوئے تقاضوں سے احسن طریقہ سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں۔ آج کے اس سائنسی اور مشینی دور میں انسانی معاشرے کو گوناگوں پیچیدہ مسائل پیش ہیں۔ قرآن و حدیث میں اس کا حقیقت پسندانہ اور وقتی ضروریات [کے م]طابق قابلِ عمل حل تب ہی دریافت کیا جا سکتا ہے جب ہمارے علماء جدید تعلیم سے کما حقہ روشناس ہوں گے۔ امام ابن تیمیہؒ اور امام غزالیؒ نے اس لئے "ہر اس علم کو سیکھنا واجب قرار دیا ہے جس قرآن و حدیث کے جملہ احکام کو سمجھنے میں مدد ملے اور تدبر و حکمت کا باعث بنے۔" [1]۔ اگر علماء اور دین الٰہی کے رمز شناس ہی اس میدان سے ہٹ گئے تو پھر اصلاحِ عالم کا فریضہ کون ادا کرے گا۔ علماء و مبلغین حضرات پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ تمام بے بنیاد افکار و خیالات اور گمراہ کن تحریکوں نیز خدا بیزار فلسفوں اور دیگر اعتقادی مفاسد کا خدائی ہدایت و راہنمائی کو واضح کر کے عالم انسانی کی فکری و نظریاتی

---

[1] ۔ بحوالہ نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں صفحہ ۳۳۲ (از شہاب الدین ندوی)

اعتبار سے راہنمائی کریں ۔

جدید تعلیم یافتہ افراد کے لئے مذہبی تعلیم کی ناگزیریت :-

بحیثیت مسلمان جدید تعلیم کے حصول کے ساتھ دینی و مذہبی تعلیم کا حصول از حد ضروری اور دین کا تقاضا ہے حکیم الامت علامہ محمد اقبال ؒ نے تو جدید علوم حاصل کرنے سے پہلے مسلمانوں کو مذہبی تعلیم حاصل کرنا لازمی قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں "آج کے نوجوانوں نے مغربی لٹریچر کے نشے میں ہر وقت سرشار رہ کر اپنی قومی زندگی کے ستون کو اسلامی مرکز ثقل سے بہت پرے ہٹا لیا ہے۔ عقلی اور ادراکی لحاظ سے وہ مغربی دنیا کا غلام ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی روح اس صحیح خودداری کے عنصر سے خالی ہو چکی ہے جو اپنی قومی تاریخ اور قومی لٹریچر کے مطالعے سے پیدا ہوتی ہے "

تعلیم کا مقصد حقائق اشیاء کا علم ہی نہیں بلکہ معرفت نفس اور عرفان حق اس کے اعلیٰ مقاصد میں شامل ہیں اور یہ دینی علوم سے واقفیت کے بغیر ناممکن ہے ۔ قرآن و حدیث کے معارف کی روشنی میں سائنسی علوم پڑھنے والا مطالعہ فطرت کرتے ہوئے اس کی عظمت کا دل سے اعتراف کرتا ہے کہ وہ تمام حقائق جو جدید تعلیم نے اب آشکار کئے ہیں ۔ ہمارے رسول ؐ نے ۱۴۰۰ سال پہلے واضح فرما دیئے تھے ۔

تعلیم گاہوں کا معیار اور اساتذہ کا کردار :-

تعلیمی ادارے دراصل انسان سازی کے کارخانے ہوتے ہیں جس قوم یا ادارے کا جو تعلیمی نظام ہو وہ اسی کے مطابق انسان پیدا کرتا ہے ۔ اور یہی انسان اقوام و ملل کی زریں تاریخ رقم کرتے ہیں ۔ اگر یہی کارخانے غلط مال برآمد کرنا شروع کر دیں تو قوم کی اصلاح کی امید کس سے ہو گی ۔؟

اقبال یہاں نام نہ لے درس خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لئے ایسے مقالات
گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ (اقبال)

معلم :- دینی علوم ہوں یا دنیوی ہر حالت میں استاد نسل نو کا مربی ہے ۔ اس لئے ہر دور کی تعلیمی حالت اساتذہ سے وابستہ ہوتی ہے ۔ استاد کا وجود اس کی سیرت اس کے فضائل اور عمومی رویے شاگرد کی تربیت میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں ۔ علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ "معلم حقیقت میں قوم کے محافظ ہیں کیونکہ آئندہ نسلوں

کو سنوارنے اور اُن کو ملک کی خدمت کے قابل بنانے انہی کی قدرت میں ہوتا ہے[2]۔

مندرجہ بالا تصریح سے واضح ہوتا ہے کہ معلم کا باکردار ہونا ہی بہتر تعلیم کی ضمانت ہے۔ ورنہ اس تعلیم سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا جس کے مربی خود بے عمل ہوں۔ اسلام میں محض جاننے یا معلومات کا صندوقچہ بن جانے کو تعلیم نہیں کہتے بلکہ سیرت کی تعمیر اور تربیت کو تعلیم کہتے ہیں۔

نظام تعلیم کو موثر بنانے کے لئے یہ امر بھی قابل التفات ہے۔ ورنہ تعلیم یافتہ پود سے اصلاح کی امید رکھنا عبث ہے۔

تخلیقی علم کی ضرورت :-

مسلمانوں کو علم و ادب کے میدان میں روایتی تعلیم سے ہٹ کر جدید تقاضوں کے مطابق علم میں غور و خوض کرنا چاہیئے اور غور و فکر اور قرآنی فلسفہ تدبر سے قوتِ تخلیق پیدا کرنی چاہیئے۔ آجکل صرف علم کی تدریس ہو رہی ہے جبکہ علوم جدید کی تمام تر تخلیقی سرگرمیاں غیر مسلموں کے ذمہ ہیں۔ اس طرح مسلمان طلبا ہمیشہ ذہنی طور پر یورپی علم و ادب کے گرویدہ ہوتے رہیں گے اور اس ذہنی غلامی سے کبھی نجات حاصل نہیں ہوگی۔ لہذا مسلمانوں کو علم کی تدریس کے ساتھ ساتھ علم کی تخلیق کے لئے بھی جد و جہد کرنی چاہیئے اس کے لئے تخلیقی ادارے قائم کئے جائیں۔ جہاں ہر طبقے کے ذہین ترین لوگ بالخصوص اس کام کے لئے اپنی خدمات سرانجام دیں۔ یہ کام حکومت کی سرپرستی کے بغیر ناممکن ہے۔

---

[1] بحوالہ مذاکرہ ملی شام ہمدرد شمارہ تعلیم ۱۹۸۳ء صفحہ ۵۰۰۔ [2] بحوالہ مقالات اقبالؒ در آئینہ ادب)

خواتین کی تعلیم

اور

عصر حاضر کے تقاضے

عورت کے لئے تعلیم کی اہمیت: اسلام تعلیم کے میدان میں عورت کو مکمل مواقع فراہم کرتا ہے
ارشاد نبویؐ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ "اس پر شاہد ہے چونکہ اسلام کا مقصد
عورت کی معاشرتی حیثیت کو بلند کرنا ہے اس لئے اسلام نے عورت کو اس کے حصول کے لئے پورا حق دیا
ہے۔ فارابیؒ نے کہا تھا کہ "پڑھی لکھی ماں کی گود بچوں کے لئے سب سے بڑی یونیورسٹی ہے[۱] اور بقول علامہ
اقبالؒ "ماں قوم و معاشرے کی خالق ہے[۲]"، مزید فرمایا "جہان را محکمی از امہات است۔

لہٰذا عورت جو کہ معاشرے کا جزو لاینفک ہے اس کی گود میں آئندہ نسلیں پروان چڑھتی ہیں
جس ہستی کی آغوش افرادِ ملت کی اولین درسگاہ ہے۔ تعلیم سے اسے دور رکھنا قانون خداوندی اور تقاضائے
فطرت کے منافی ہے۔

عورت کے لئے دینی تعلیم کی ضرورت: اسلام ہرگز یہ گوارہ نہیں کرتا کہ ملت اسلامیہ
فرزند جاہل ماؤں کی گود میں پروان چڑھے۔ اگر ان کو مذہبی تعلیم نہیں ملے گی تو ہم کس طرح ان کی گود سے رازی
غزالی، رومی، جامی، ابو حنیفہ و شافعی جیسے سپوت حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو مردوں کی نسبت
عورتوں کے اخلاق و کردار کا اثر معاشرے میں زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے دینی قدریں مذہبی تعلیم کے حصول

...دینا ممکن ہیں اور نہ ہی صالح ماں کے علاوہ اُمّت مسلمہ کے بہتر مستقبل کی امید کی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ ہماری ...ں کی تاریخ ماؤں کے بہادرانہ کرداروں سے بھری پڑی ہے۔ مندرجہ ذیل چند تجاویز جو کہ عین تقاضائے عصر حاضر ...ں ملاحظہ ہوں۔

خواتین کے لئے دینی تعلیم کا بندوبست:۔ جہاں آج لاکھوں ادارے دنیوی تعلیم کے لئے ...رگرم عمل ہیں وہاں مسلمانوں کو اس کا خیال بھی رکھنا چاہیئے کہ دینی مذہبی تعلیم کے لئے بھی باقاعدہ حکومت کی سرپرستی ...ادارے قائم کئے جائیں۔ اگر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے قبل وہ خواتین کہاں دینی تعلیم حاصل کرتی تھیں جو مثالی ...یں کہلواتی ہیں تو جواب بھی ساتھ ہی ہے کہ جناب اس سے پہلے اُن خواتین کو انگریزی میڈیم اور عیسائی مشنری ...کولوں میں کس نے پڑھایا۔ جدید تعلیم سے روکنا مقصود نہیں بس اتنا عرض ہے کہ اگر دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ...ہبی تعلیم کا بندوبست ہوتا رہتا تو یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان ملکوں میں کم از کم فحاشی و عریانی کا یہ حال ...ہوتا۔

آج مسلمان ماں اگر مغربی تہذیب کی دلدادہ ہے تو بچوں کو دینی اقدار کس طرح پسند آئیں گی۔ آج اسلامی ...عاشرے کا سب سے زیادہ بگاڑ یہی مغرب زدہ عورت ہے جس سے تمام مفاسد جنم لے رہے ہیں۔ اور یہ ...ف اور صرف اپنی پاکیزہ تعلیمات سے عدم واقفیت سے ہے۔

جدید تعلیمی اداروں میں تعلیم کی نوعیت:۔ جدید تعلیمی اداروں کے ماحول اور مغربی افکار و تہذیب ...ے علم کا مطلوبہ مقصد پورا نہیں ہو رہا۔ ان اداروں میں بے پردگی، بے حیائی اور مغربی اقدار سے شغف کے سوا کچھ نہیں ...ملتا۔ اس طرح معاشرے کو دیندار مائیں بہت کم ملتی ہیں۔ کتنا ہی اچھا ہوتا اگر اسلامی ممالک ان اداروں میں ...بنیادی تبدیلی کر کے مذہبی تعلیم کا موثر انتظام کریں اور جدید تعلیم کے خطرناک طوفان سے عورتوں کو بچایا ...جاسکے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے مخلوط تعلیمی نظام سے نجات:۔ اوّل تو اعلیٰ تعلیم کے عورت کو مواقع ...ہی نہیں ملتے۔ اگر کوئی خاتون کمر ہمت باندھتی ہے تو اسے مخلوط ماحول میں پڑھنا پڑتا ہے۔ یہاں اسلامی اقدار ...کی کھلے عام توہین کی جاتی ہے۔ نوجوان مرد و عورت کا آزادانہ میل جول کئی مفاسد کو جنم دیتا ہے۔ اس سے اسلام ...کی پاکیزہ روح کو غیر معمولی نقصان ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر ملک میں اعلیٰ تعلیم کے لئے اور دوسرے ...اداروں میں مخلوط ماحول کو ختم کیا جائے۔

خواتین کے لئے مخصوص نظام کی ضرورت :- عورت کے بعض منفرد نسوانی تقاضے علیٰحدہ نصاب اور نظام کے متقاضی ہیں۔ بقول اقبال "مسلم خواتین کو صحیح مذہبی تعلیم حاصل ہونی چاہیئے کیونکہ وہی قوم کی حقیقی معمار ہیں۔ ایسے تمام مضامین جن سے عورتوں کی نسوانیت اور دین سے دوری کا میلان پایا جائے احتیاط کے ساتھ نصاب تعلیم نسواں سے خارج کر دیے جائیں،، (خطبات اقبال)

اجتہاد ------ عصرِ حاضر کا اہم تقاضا

تعریف :- قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں مقررہ شرائط کے مطابق استنباط و استخراج کے طریقے پر شرعی احکام و قوانین کی تشکیل، تجدید، تفصیل، توسیع اور تنقید کے لئے ماہرانہ علمی کاوش کو اجتہاد کہتے ہیں۔

اجتہاد کی ضرورت کیوں :- امتِ مسلمہ کو عصری تقاضوں سے کماحقہ عہدہ برآمد ہونے کے لئے چند نئے امور سرانجام دینے ہوں گے۔ مثلاً دینی مسائل کا عصر جدید کے مطابق استنباط بہت ضروری ہے۔ قرآن وسنت کی روح کو سمجھتے ہوئے ایسے مسائل کا حل ناگزیر ہے۔ عصرِ رواں جبکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بے پناہ ترقی اور پیش رفت کے باعث طرح طرح کے معاشی اقتصادی اور بین الاقوامی مسائل رونما ہو رہے ہیں۔ یہ اسلامی حکومتوں اور طبقۂ علماء کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ مسائل کے خاطر خواہ اور موثر حل کے لئے جدید تقاضوں کے تحت تشریح و تعبیر کا کام نہایت باریک بینی اور احتیاط سے ان علماء اور اسکالرز کو سونپیں جو اس کام کی بطریق اولیٰ اہلیت رکھتے ہوں۔ اختلافی اور نزاعی امور کا ایسا متفقہ حل (بذریعہ اجتہاد) کیا جائے جو آج کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ لیکن اجتہاد کا یہ حق صرف قرآن وسنت اور شریعت کے جملہ علوم پر گہری بصیرت رکھنے والے علماء ہی کو دیا جائے جن کے لئے جدید علوم سے واقفیت رکھنا بہت ضروری ہو۔

فوائد :- ۱- عملی زندگی کے تمام گوشوں پر محیط اجتہاد تمام تر توجہات اجتہادی نوعیت کے بنیادی مسائل پر مرکوز رکھنے سے ہی ممکن ہے جو آج ملت اسلامیہ کو درپیش ہیں۔ اجتہاد کے فیوض و برکات سے پوری طرح متمتع ہونے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ عصرِ جدید کے تقاضوں سے پیدا ہونے والے مسائل پر تحقیقی کام باہم مل جل کر

کیا جائے ۔ اس طرح تحقیق (Research) جدید مسائل پر مرتکز کرنے سے اختلافی مسائل پر توجہ کافی حد تک ختم ہو سکتی ہے ۔ اور مثبت سوچ کی نئی راہیں کھل سکتی ہیں جن سے دور حاضر کے پریشان کن مسائل از خود حل ہوتے چلے جائیں گے ۔

اجتہادی جہت یا طریقہ : ۔ اجتہاد کا طریقہ کار بنیادی طور پر حضرت شاہ ولی اللہ اور بعض دوسرے اکابر اہل علم کی اس رائے کے مطابق ہونا چاہیئے کہ "اب آئمہ اربعہ کی رائے کے خلاف کوئی ایسا اجتہاد نہیں ہونا چاہیے جس کی بنیاد پر کسی نئے فقہی مذہب کے معرض وجود میں آنے کے امکانات ہوں"[۱] کیونکہ ایسے نئے اجتہادات سے امت مسلمہ میں فکری تفرقہ و انتشار کی راہیں کھلی ہیں ۔ لہذا مسلمانوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ وہ آئمہ اربعہ میں سے ہی کسی کے ساتھ اصولی طور پر منسلک رہیں ۔ تاکہ عصر حاضر کے اہل علم کی فقہی تحقیق اور قانونی اجتہاد بجائے آزادانہ رائے زنی کے ایک ضابطے اور اصول کا پابند رہے ۔ تقلید آئمہ اربعہ کے وضع کردہ اصولوں کی پیروی میں تقاضائے وقت کے تحت نئے اجتہادات کا دروازہ بند کرنے کا نام نہیں اگر ایسا ہو تو فکری جمود اور تعطل ہو گا جس کا نتیجہ امتِ مسلمہ کی علمی موت کا باعث ہو گا ۔

اصولی اختلاف کی گنجائش : ۔ آئمہ اربعہؒ کے زمانے سے متعلق رسم و رواج پر مبنی مسائل کے اجتہاد کی روشنی میں دور حاضر کے مخصوص مسائل مثلاً سیاسی و قانونی ، اقتصادی و معاشی و سماجی آئینی و بین الاقوامی معاملات جو خالصتاً اس دور کی پیچیدگیوں کی پیداوار ہیں ، سے اصولی اختلاف کی گنجائش ہونی چاہیئے دراصل یہ اختلاف نہیں بلکہ عین تقاضائے دین ہے ۔ اس کی تفاصیل کے لئے ملاحظہ ہو[۲] ۔ الانتقاء از ابن عبد البرؒ ص ۱۴۳ مطبوعہ قاہرہ ۲ الملل والنحل از علامہ شہرستانی مع حاشیہ ابن حزمؒ ج ۲ صفحہ ۱۳۹

علماء مبلغین کی ذمہ داریاں اور عصر حاضر کا چیلنج : ۔ آج اسلام کو جس قسم کے ہمہ گیر و عالمگیر فکری و نظریاتی چیلنج کا سامنا ہے ۔ اس قدر اس سے قبل نہیں پڑا ۔ ایک طرف سائنسی علوم و فنون کی غلط اور مادہ پرستانہ نقطہ نظر سے تشریح و توجیہہ کی جا رہی ہے ۔ تو دوسری طرف ان غلط رجحانات و توجیہات کی بنیاد پر مختلف قسم کے منظم فلسفے اور تحریکیں منظر عام پر آ رہی ہیں ۔ ان تمام تحریکوں کا بنیادی خمیر الحاد

---

۱ ۔ اجتہاد کا دائرہ کار از محمد طاہر القادری ۔ ۲ بحوالہ ۔ ایضاً ....

اور لادینیت ہے۔ مادیت کی ظاہری چمک انسانیت کو کشاں کشاں موت کے قریب لا رہی ہے۔ مولانا شہاب الدین ندوی یہاں اس طرح رقمطراز ہیں "ایک طرف تہذیب جدید کے وہ علمبردار ہیں جو تہذیب کے نام پر ہر "معروف" کو مٹا کر ہر قسم کے منکر کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف یہودیت کی خفیہ تحریک ہے[۱] ۔جو یہودیت و صیہونیت کے غلبے و تسلط کی خاطر ہر قسم کی اخلاق سوزی اور عریانیت و فحاشی کو مختلف فلسفوں اور ازموں کے نام پر ترقی دے رہی ہے۔

یہ فلسفے "ازم" اور مختلف تحریکیں آج عالم اسلام سمیت پوری اقوام عالم کے دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور ہمیں ان تمام ملحدانہ اور مادہ پرستانہ افکار و نظریات سے سابقہ پڑا ہے۔ نوجوانوں کو بچانے کے اور نئی نسلوں کو اس "نارِ فرنگ" سے باہر نکالنے کے لئے محض شور و غوغا کرنا یا اسلام اور اخلاق کی دہائی دینا کافی نہیں۔ آج قدریں بدل چکی ہیں ہر چیز کا معیار تبدیل ہو گیا ہے۔ موجودہ دور خالص عقلی اور استدلالی دور ہے اس کو وہی ذہن مطمئن کر سکتے ہیں جو موجودہ دور کے عقلی معیار اور مزاج کے مطابق ہوں۔ لہٰذا اب مسلمانوں کی ذہنی، ملی اور قومی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس ناگفتہ بہ اور اندوہناک صورت حال کو بدلیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہماری ملت کے اربابِ اختیار (حل و عقد) پوری ہوشمندی اور دیانتداری کے ساتھ ان مسائل پر غور و فکر کر کے موجودہ تاریخ کے مشکل اور نازک ترین لمحات میں ملت اسلامیہ کی صحیح اور بروقت رہنمائی کریں۔ اس وقت بین الاقوامی اعتبار سے امتِ مسلمہ جن حالات سے گزر رہی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہمارا ایک ایک قدم صحیح لائنوں اور صحیح سمتوں کی طرف اٹھے۔ یہ وقت تاریخ نگاری نہیں تاریخ سازی کا ہے اور مسلمانوں کی ذرا سی غفلت بھی بھیانک اور تباہ کن نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ ہم خیالات کی دنیا میں منصوبے بنا کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا محض خواب ہی خواب دیکھتے رہیں گے۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اُمتِ مسلمہ کے اربابِ اختیار اور بالخصوص مذہبی و قومی راہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ فکری اور نظریاتی اعتبار

ع۱ ۔ مثلاً ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو پھیلانے اور اپنانے میں۔ اسی طرح نظریہ اشتراکیت کا بانی کارل مارکس فلسفہ جنسیت کے نام سے حیوانی شہوت کو فروغ دینے والا فرائڈ اور اجتماعیت کا مادہ پرستانہ فلسفہ پیش کرنے والا ڈرکایم یہ سب یہودی تھے۔
ع۱ وہ تو توجیہات جن کی بنا پر غلط رجحانات سے کائناتی حقائق کو غلط رُخ پر لے جاتے ہیں۔ ورنہ فی نفسہٖ سائنسی علوم اعلاً غیر جانبدارانہ ہیں۔ ع۲ "اسلام کی نشاۃ ثانیہ قرآن کی نظر میں" صفحہ ۳۳۳

سے قوم وملت کی صحیح رہنمائی کریں ۔ ورنہ پوری ملت کا خون ناحق ان کی گردن پر ہوگا اور وہ خدا کے ہاں اس کے جوابدہ ہوں گے ۔ یہاں ایک دوسرے کے ساتھ منفی رویہ ترک کرتے ہوئے قابل عمل رویہ اپنانا ہوگا ۔ یہ بھاری ذمہ داری اختلافات کی موجودگی میں ادا نہیں ہو سکتی ۔

جدید سائنسی علوم کی اہمیت، ضرورت
اور
عصرِ حاضر کے تقاضے

۱۔ علوم سائنس کے حصول پر قرآنی استدلال :۔ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اترنے والا پہلا پیغام جو غارِ حرا کی تنہائیوں میں وجہ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خالق کائنات نے دیا ۔ اِقرأ باسم ربك الّذی خلق ، خلق الانسان من علق ۔ یعنی پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا اور خون کے ایک لوتھڑے کو انسانی شکل دے دی ۔ یہاں لفظ اقرأ قابل غور ہے جس کے خصوصی مخاطب تو حضورؐ تھے مگر آج پوری انسانیت اس کی مخاطب ہے ۔ انہی آیات میں اللہ نے کائنات کی حقیقت اور انسان کا علم کے ساتھ تعلق واضح کر دیا ۔ یعنی ہم وہ علوم حاصل کریں جو کائنات کی تخلیق، مختلف اشیاء کی ترکیب وتکوین اور انسان کے حیرت انگیز نظامِ جسمانی سے بحث کرتے ہیں ۔ قرآن نے ان علوم کی طرف تقریباً سات سو چھپن مرتبہ توجہ دلائی ہے [۱] ۔ یہ علوم ان دفائن وخزائن کا پتہ دیتے ہیں جو بطنِ ارضی میں مستور ہیں ۔ یہ وہ حقائق ہیں جو دل ودماغ پر خالق ومالک کائنات کی صناعی ودانش کا نقش راسخ کرتے ہیں ۔ اور نظر بین وہ نور بھرتے ہیں جو ضمیر وجود کو چیر کر روح کائنات تک جا پہنچتی ہے بس وہ حقائق اشیاء کا علم ہے جسے آج ہم "سائنس" کہتے ہیں ۔

علاوہ ازیں قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ ایزدی سے سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو "خلافت ارض" کا فریضہ سونپتے ہوئے جو علم عطا کیا گیا وہ "علم الاسماء" تھا ۔ اس موقع پر فرمایا گیا ترجمہ :۔ اور پھر اللہ نے حضرت آدم کو تمام موجودات عالم کا علم سکھایا ۔ اس مقام پر تمام علماء مفسرین کی تصریحات کے مطابق اس سے مراد ان تمام چیزوں کے نام ہیں جو قیامت تک واقع ہونے

والی ہیں۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو سب سے پہلا عطا کیا جانے والا علم "علم اسماء" تمام موجوداتِ عالم اور ان کی خصوصیات و امتیازات کا علم ہے جسے ہم علم مظاہر کائنات بھی کہتے ہیں۔ موجودہ سائنس جن چیزوں سے بحث کرتی ہے۔ وہ یہی موجوداتِ عالم ہیں۔ مثلاً طبعیات، کیمیا، حیاتیات، ارضیات اور فلکیات

وغیرہ، لہٰذا علم الاسماء یعنی ان سائنسی مادی علوم کو سمجھنا گویا منشائے ایزدی اور عین دینی فریضہ ہے۔ امت مسلمہ کو آج علمی، فکری سیاسی و مادی دونوں محاذوں پر سائنسی علوم سے استفادہ کی اشد ضرورت ہے۔

سائنسی علوم اور عصر حاضر کے تقاضے:۔

۱۔ **تسخیر کائنات اور خلافتِ ارضی کے فریضے کی تکمیل:۔** اسلام کی نشاۃ ثانیہ جو مقصود رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور تقاضائے فطرت بھی۔ ان تمام سائنسی علوم وفنون سے واقفیت اور ان میں کمال حاصل کرنا نہ صرف دنیوی ضرورت ہے بلکہ حالات کی شراکت کے اعتبار سے (اسلام کے تحفظ کے لئے) فرض کفایہ اور بعض صورتوں میں فرضِ عین ہے۔

عصر حاضر ہم سے یہ تقاضا کر رہا ہے کہ ہمارے ایک ہاتھ میں قرآن و حدیث ہوں تو دوسرے ہاتھ میں علوم و متون اور ہمیں ان دونوں میں ایک توازن قائم کر کے زندگی "خلافت" اور نشاۃ ثانیہ کے میدان میں آگے بڑھنا چاہئے ورنہ اس موجودہ طوفانی بھنور سے کبھی نہیں نکل سکتے۔ اس مادی وسائل کی دنیا میں چشم پوشی ناممکن ہے۔ ہمیں تاریخ کے اس نازک موڑ پر یہ معرکہ سر کر کے ایک روشن تاریخ ترتیب دینی ہے اور بہادر قوموں میں پھر سے اندراج کرانا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آج جن شعبوں میں ترقی یافتہ قومیں کام کر رہی ہیں۔ انہی شعبوں میں کام کر کے ہم اتنی ترقی حاصل کر لیں کہ ہم ان کی برابری کر کے ان کو نیچا دکھا سکیں۔ دوسری طرف سے ان شعبوں میں شر کو قوت بازو سے خیر میں تبدیل کر دیں۔

۱۔ بحوالہ "اسلام کی نشاۃ ثانیہ"، ۲۔ البقرہ۔ ۳۔ تفسیر ماجدی از علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادی۔ بحوالہ۔ نشاۃ ثانیہ صفحہ ۳۱۔ اسی طرح۔ تفسیر روح المعانی صفحہ ۲۲۴ ج ۱۔ تفسیر ابن کثیر ۱/۳۷۔ بخاری کتاب التفسیر ۵/۲۵۸ نیز بخاری کتاب التوحید ۵/۲۰۳ تفسیر کشاف از علامہ زمخشری ۱/۲۷۲ مطبوعہ ایران۔ احکام القرآن ۱/۳۱ از علامہ جاص۔ تفسیر ابن کثیر ۱/۲۵۸ مصر۔ تفسیر المنار ۱/۲۶۲ بیروت۔ تفسیر بیضاوی ۱/۶۱ م دیوبند۔ تفسیر الجواہر ۵۲ طبع ثانی مصر۔ راقم نے یہ حوالہ جات دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لئے درج کر دیے ہیں تاکہ علم الاسماء کے تحت قرآن کی عظمت ظاہر ہو۔

یہ سب کچھ اسی وقت ہوگا جب ہم مادی میدان میں بھی دیگر اقوام سے برتر نہیں تو کم از کم برابر ضرور رہوں ورنہ دنیا کی کمزور اور مفلس قوم ان فرائض منصبی کو صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتی۔ گویا مادی ترقی آج براہ راست دینی ترقی ہے۔

خلافت ارض کے لئے جدید اسلحہ کی ضرورت:۔ خلافت یا اسلامی اقتدار کا حصول آب و گل کا کھیل نہیں۔ اس کے لئے مسلمانوں تو استعماری اور سامراجی باطل قوتوں کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔ اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ ضرورت جذبہ ایمانی کے بعد جدید جنگی ہتھیار و اسلحہ وغیرہ۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اسلحہ کی تیاری کا حکم فرمایا ہے۔ یعنی ملت اسلامیہ کے دفاع کے لئے مقدور بھر اسلحہ اور قوت تیار کرو۔ آج جدید اسلحہ کی تیاری کے لئے سائنسی اور صنعتی علوم و فنون سے واقفیت مہارت اور فوجی و عسکری صنعتوں کا قیام ضروری ہے۔

جدید طبعی اور کیمیائی علوم کی معاشی و صنعتی اہمیت:۔ انسانی صحت اس کے اقتصادی و معاشی فوائد اور دیگر بہت سے اغراض و مقاصد کی رو سے ان علوم کی تحصیل بے حد ضروری اور اہم ہے۔ طبعی علوم کی تعلیم و تدریس اور دوا سازی وغیرہ کی معاشی اہمیت بھی ظاہر ہے۔ اس وقت دنیا میں اسلحہ سازی اور دواؤں کی صنعتیں شمار سے باہر ہیں۔ طبعی علوم میں تحقیق کے الگ الگ شعبے اور علمی ادارے قائم ہیں۔ اس طرح اس سے خاطر خواہ آج مغربی ممالک معاشی استحکام حاصل کر رہے ہیں۔ اگر مسلمان ان علوم سے نابلد رہیں گے تو اس سے حاصل ہونیوالے مادی فوائد سے بھی عاری رہیں گے۔

علم کیمیا اور طبعیات کی خصوصی اہمیت:۔ ویسے تو تمام سائنسی علوم اپنی اپنی جگہ منفرد اہمیت رکھتے ہیں مگر اختصار کے پیش نظر چلتے چلتے یہاں علم کیمیا اور فزکس کی اہمیت عصر حاضر کے حوالے سے واضح کرنا ضروری ہے۔ دراصل یہی وہ بنیادی علوم ہیں جن پر دیگر تمام سائنسی و صنعتی علوم (ٹیکنالوجی) کا مدار ہے۔ آج دنیا میں لاکھوں صنعتیں کام کرتی ہیں مگر کوئی صنعت ان دو علوم کے بغیر معرض وجود میں نہیں آسکتی ان دونوں کو طبعی علوم بھی کہتے ہیں۔ ان میں سے

۱۔ طبعیات:۔ مادہ یعنی تمام اشیاء عالم حرارت، برق، مقناطیس روشنی وغیرہ کے اصولوں سے بحث کرتی ہے۔

۲۔ کیمیا:۔ ان اشیاء کی بناوٹ تبدیلیوں اور خصوصیات سے بحث کرتی ہے۔ ان کی بہت سی شاخیں

اگرچہ ہر ایک سائنسی علم ہے مگر ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے ۔ ان میں خاص طور پر نامیاتی کیمیا اور غیر نامیاتی حرارت

برق جوہری طبعیات وغیرہ سب سے زیادہ اہم اور عظیم افادیت کے حامل ہیں ۔ موجودہ تمدن میں کیمیائی مصنوعات

افادیت کے حامل ہیں ۔ موجودہ تمدن میں کیمیائی مصنوعات

برقی آلات جوہری توانائی اور جوہری آئی سوٹوپ وغیرہ کی جو کرشمہ سازیاں نمودار ہو رہی ہیں ۔ وہ انہی علوم کی کارستانی ہے ۔ ان علوم میں وسعتِ مباحث کے اعتبار سے الگ الگ اور مستقل علوم پیدا ہو گئے ہیں ۔ الیکٹرونکس اور ٹیلی کمیونیکیشن کی ہزاروں صنعتیں اس وقت کام کر رہی ہیں ۔ آج ہماری روزمرّہ استعمال کی ہر چیز ان صنعتوں کی بنی ہوئی ہے ۔ اس لئے یہ علوم طب جدید اور ٹیکنالوجی جیسی اہم وقتی ضروریات کی تکمیل کے لئے بھی بنیادی اہمیت رکھتے ہیں ۔ غرضیکہ ان علوم کے ذریعے آج کا انسان بحر و بر کی تسخیر کر رہا ہے ۔ اور خلاؤں میں تانک جھانک کر کے افلاک پر ڈورے ڈال رہا ہے ۔ یہ کام اصل میں خلافت الٰہیہ کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے مسلمانوں کو کرنا تھا مگر یہ قانونِ فطرت ہے "لیس للانسان الّا ما سعیٰ[1]"، یعنی ہر کسی کو اس کے کئے کا پھل ملتا ہے ۔

~ یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی   جو بڑھ کر خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

خوش قسمتی سے یہ تمام سائنسی علوم ہمارے سامنے نہایت درجہ مدوّن اور متحقق شکل میں موجود ہیں ۔ ہمیں اس کی تحقیق و تدوین کی ضرورت نہیں بلکہ صرف تحصیل کی ضرورت ہے ۔ مگر اس سے بڑھ کر بدقسمتی کیا ہوگی کہ آج ہم اس انتہائی ضروری علم کو غیر ضروری قرار دے رہے ہیں ۔ اس سے آنکھیں موند کر اپنی حرماں نصیبی میں بدستور اضافہ کرتے ہیں ۔

سائنس کے میدان میں مسلمانوں کے تابناک ماضی سے نسل نو کو متعارف کرانا

بھی وقتی ضرورت ہے ۔ یہ حقیقت ہے کہ جدید سائنس کی بنیاد اہل اسلام نے ہی ڈالی ہوئی ہے ۔ اور بہت

---

۱ - History of Arabs P. 2 London ؛ ۲-۳ مزید تفصیلات کے لئے حوالہ جات ڈاکٹر لیبان نے تمدن عرب ۔ ۲- فان کریمر نے اپنی تصنیف مسلمانوں کی صنعت و حرفت میں ۔ ۳- موسیو سیدیلو نے اپنی تصنیف تاریخ عرب ۔ History of Arabs میں ۔ ڈاکٹر جوزف ہیل نے "عربوں کا تمدن"، میں مختلف مقامات پر اسی حقیقت کا اعتراف کیا ہے ۔

سی ایجادات وانکشافات ہیں جن میں اوّلیت کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔ اسکی حقیقت کا اعتراف غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ پروفیسر ہٹی نے بہت صفائی سے یہ لکھا ہے کہ "وہ یورپی ترقی کو عربوں کا مرہون منت قرار دیتے ہوئے کہتا ہے "یہ عربوں کے ذہنی اثرات کا نتیجہ تھا جو مغربی دنیا کی بیداری کا باعث بنا اور بالآخر موجودہ نشاۃ ثانیہ ہوئی۔ قرونِ وسطیٰ میں انسانی ترقیوں کے لئے کوئی قوم عربوں سے بڑھ کر معاون ثابت نہیں ہوئی" ۱؎ اسی طرح دوسروں نے لکھا ہے۔

لہٰذا مسلمان سائنسدانوں اور ان کے علمی کارناموں سے مسلمانوں کو اور بالخصوص جدید ذہنوں کو جو سراسر غیروں کی عظمت کے گرویدہ ہیں اس سے انہیں خود اعتمادی یقین محکم اور اپنی شاندار علمی تاریخ سے دلچسپی پیدا ہوگی۔

سائنسی ترقی کے لئے حکومتوں کی سرپرستی ناگزیر ہے۔ کیونکہ علمی تحقیقات اور سائنسی ترقیاں مالی اعانت اور امراء واحکام کی سرپرستی چاہتے ہیں۔ اس راہ میں تحقیقات و تجربات پر روپیہ پانی کی طرح بہانا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے جب تک کوئی حکومت مضبوط و مستحکم نہ ہو اور علوم و فنون کی سرپرستی نہ کرے اس میدان میں ترقی ناممکن بلکہ محال ہے۔ آج ترقی یافتہ ممالک نے بے تحاشا روپیہ لگا کر سائنس کی ترقی کے ساتھ جدید اسلحہ کے کارخانے بنا لئے ہیں اور اپنی مرضی سے تمام مسلمان ممالک کو اشارے پر کھلا رہے ہیں۔ اس لئے مسلمان حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ اس معاملہ میں توجہ دیں اور اپنے سرمائے کو صحیح استعمال میں لاکر یہ دینی فریضہ سرانجام دیں۔

مسلمانوں کے لئے روحانی تعلیم کی ضرورت
اور
عصر حاضر کے تقاضے

کافر اور مسلمان کے مقاصدِ زندگی الگ الگ ہیں کافر کی تگ و دو لبِ گور تک ہے اور مومن کی لامکان سے آگے تک۔ مومن کی نظر دو دنیاؤں پر رہتی ہے مگر کافر کے سامنے صرف یہ دنیا۔ اس دنیا کی تعمیر و ترقی کے لئے اگرچہ سائنس کو اولیت حاصل ہے۔ مگر دوسری دنیا کے لئے ہمیں اس کے ساتھ ساتھ اس علم کی ضرورت ہے جو رہ منزل دکھلائے شخصیت کو بالیدگی و توانائی دے۔ عرفانِ ذات کا شعور عطا کرے۔ اصلی العین کی طرف راہنمائی کرے۔ اور زینہ بہ زینہ ہمیں رضائے الوہیت تک پہنچا دے۔ آج سراسر مادیت پرستی سے مسلمانوں میں یہ شعور ختم ہو رہا ہے۔ مسلمان مقصد حیات کو بھول کر راستے میں ہی الجھ گئے ہیں۔ مسلمانوں کی حقیقی کامیابی کا راز

اس میں مضمر ہے کہ وہ ایک حد تک مادی ترقی کے لئے جدوجہد کرے لیکن ساتھ بھرپور روحانی و اخلاقی تعلیم و تربیت بھی حاصل کرے۔

قرآن مجید میں جو چہارگانہ فرائض نبوت ذکر ہوتے ہیں۔ ان میں تلاوت آیات کے بعد تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کا ذکر ہوا ہے۔ قابل غور بات ہے کہ یہ تعلیم و حکمت سے پہلے رکھا گیا ہے چنانچہ اسی سے اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ "تزکیہ" سے تطہیر باطن اور تعمیر کردار جیسی اعلیٰ صفات جنم لیتی ہیں۔ اسی سے انسان اپنی ہستی میں جھانک کر سراغ زندگی پا سکتا ہے۔

تصوف اسلامی کی حقیقت اور تکمیل دین: - موجودہ دور میں اسی پاکیزہ تعلیم کو لفظ تصوف کے ساتھ خاص کر دیا گیا اور بدقسمتی سے یہ بنیادی تعلیم تصوف سے منسوب بے عمل اور جاہل نام نہاد صوفیاء کی وجہ سے بدنام ہوگئی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سائنس اور تصوف (تزکیہ) کی منزل اپنی غرض و غایت سے ایک ہے۔ سائنس میں علم الاشیاء میں رسوخ کے ذریعے علمی و استدلالی شہود حاصل ہوتا ہے جبکہ تزکیہ (تصوف) میں مجاہدہ، نفس کشی اور عبادت و ریاضت سے کشفی اور روحانی شہود حاصل ہوتا ہے۔ بہرحال روحانی علم یعنی تزکیہ تکمیل دین کا مرکزی جزو ہے مگر اس کو فلسفیانہ اثرات سے پاک کر کے کتاب و سنت سے ماخوذ شریعت مطہرہ کے اصولوں کے تابع ہونا چاہیے کیونکہ تصوف اسلامی شریعت محمدیؐ سے ہٹ کر کوئی شئے نہیں۔ اگر کہیں سے بھی یہ شریعت کی غلامی سے الگ ہوگا تو وہ قطعی گمراہی ہوگی روحانیت نہیں۔ اسی تزکیہ نفس اور تصفیۂ باطن کے باعث انسانی اعمال درست ہوتے ہیں اس کا منتہائے مقصود سوز جگر کو جلا دینا اور عشق کی آگ کو بھڑکانا ہے۔ جس کی بدولت تھکا مرا ہوا وجود میں حسن اخلاق کے سوتے پھوٹتے ہیں اور محبت و مروت کی فضائیں اس مادیت پرستی میں رشک بہار بنتی ہیں۔

پھر بقول حکیم الامت :- عشق کے مضراب سے نغمۂ تار حیات

عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات

جامد خانقاہیت اور ظواہر پرستی پر مبنی تصوف نے اسلام کی روح کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اس کا ازالہ صرف اس طرح سے ہی ہو سکتا ہے کہ عملی تصوف کو روحانی تربیت کے ذریعے عام کیا جائے۔ تاریخ اسلام میں اس طرح افراد کی باقاعدہ اخلاقی اور روحانی تربیت اور کردار سازی کے اس مقدس کام کا آغاز اصحاب صفہ جیسے حضرات نے شروع کیا تھا اسی نظام کے زیر اثر امت مسلمہ کو ہر دور میں جنیدؒ و بایزیدؒ جیلانی و غزالیؒ رومیؒ و جامیؒ، ہجویریؒ اجمیریؒ سہروردیؒ و سرہندیؒ شیخ عبدالحقؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسے نابغہ روزگار میسر آتے رہے۔ جنہوں نے اسلام کے دور زوال میں بھی امت کے عروق مردہ میں نہ صرف نئی روح پھونکی بلکہ اسے احیاء و تجدید اور وحدت

یک جہتی کی نئی راہیں دکھائیں۔ اس حقیقت کا اعتراف غیر مسلموں نے بکثرت کیا ہے۔ یہاں صرف بطور استشہاد انگلستان کے ایک مشہور ذی علم مستشرق پروفیسر ایچ اے گِب کے الفاظ (مترجم) قابل ذکر ہیں۔

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کا اندازِ فکر فوراً اسکی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اس کی اتنی قوت و توانائی بخشش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔"، لہذا آج اس اخلاقی اور روحانی نظام کی اصل صورت کو بحال کرنے کے لئے ایک ہمہ گیر روحانی تحریک کی ضرورت ہے جو اسوۂ نبوی کی روشنی میں مکارم اخلاق کی تکمیل اور افراد کی ظاہری و باطنی تعمیر کا بھرپور اہتمام کرے۔ اس روحانی قوت اور اخلاقی عظمت کے باعث تمام کوششیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے صحیح معنوں میں ممد و معاون ثابت ہو سکیں گی۔ آج کی جتنی بھی انقلابی تحریکیں ہیں ان میں یہ کمی ہے کہ وہ اس پہلو کو مدنظر رکھ کر جدوجہد نہیں کرتیں ورنہ ان کی دعوت تو بھرپور ہوتی ہے۔

مذہبی اور اعتقادی تقاضے

اعتقادی زندگی کی اصلاح:۔ عقیدہ پر انسان بالخصوص مسلمان کے تمام اعمال کی اساس ہوتا ہے کہ اس میں بگاڑ یا خرابی پوری زندگی کے افعال و اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے۔ آج عالم اسلام کو ایک مشکل یہ بھی درپیش ہے کہ مسلمانوں کے عقائد مردہ اور بے جان ہو چکے ہیں۔ جدید طبقوں میں انہیں توہمات سمجھا جانے لگا ہے۔ ہمارا عقیدہ توحید و رسالت ہو یا تصور آخرت یا جزا و سزا، ان میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔ اذہان قلوب پراگندہ خیالی اور تشکیک کا شکار ہیں۔ جس سے مومنانہ یقین میسر نہیں۔ خدا پر ایمان رکھنے لیکن اس پر توکل نہیں کر سکتے کتاب و سنت کی تعلیمات کو قابل عمل اور عصر حاضر میں نتیجہ خیز ہونے پر ہمیں شک ہے۔ الغرض ہمارے عقائد کا سارا ایوان متزلزل ہے۔ لہٰذا ہمارے علماء کو بالخصوص اس وقت عقائد کے اختلافی پہلوؤں کے بجائے ایمانیاتی اور انقلابی پہلوؤں پر زور دینا چاہئیے تاکہ مردہ عقائد پھر سے زندہ ہو جائیں اور ان کا تعلق حقیقی اور عملی زندگی کے ساتھ دوبارہ بحال ہو جائے۔

۲۔ مفہومِ توحید اور ایمان باللہ کے تقاضے:۔ ایمان زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔ یعنی ایمان باللہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے واحد و یکتا ہونے۔ اس کے خالق و مالک ہونے، اس کے پروردگار اور حاجت روا ہونے کا زبان سے اعتراف اور دل کی گہرائیوں سے تصدیق کی جائے اس کو خالص توحید کہتے ہیں۔ یہاں بوجہ اختصار صرف بطور اشارات ایمان باللہ کے تقاضے گنوائے جاتے ہیں۔

۱۔ محبت الٰہی۔ جس کی شرائط یہ ہیں۔ کثرتِ ذکر محبوب۔ آزمائش پر صبر۔ انقطاع از ماسوی المحبوب

۲۔ اطاعت الٰہی۔ جس کی شرائط یہ ہیں۔ مکمل اطاعت کو کامل محبت کے لئے ضروری سمجھا جائے۔ احکام و اوامر پر بندگی اور سختی سے عمل نواہی سے قطعی انحراف۔

۳۔ توکل علی اللہ۔ حتی المقدور وسائل بروئے کار لاتے ہوئے عمل کا انجام اللہ کے سپرد کرنا۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا توکل نہیں۔ جدوجہد جاری رکھنا یعنی۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا
انجام اس کی خوبی کا مقدر کے حوالے کر

۳- **ایمان بالرسالت کے تقاضے:-** ایمان بالرسالت اقرار و تصدیق کی شرط پوری کرنے کے علاوہ درج ذیل چار تقاضوں سے مرکب ہے (۱) محبت رسولؐ (۲) تعظیم رسولؐ (۳) نصرت رسولؐ (۴) اطاعت رسولؐ۔

ان میں سے ہر ایک پر تفصیل سے بات کرنے سے بوجہ اختصار کچھ وضاحت "محبت رسولؐ" کے حوالے سے کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ یہی اساس دین اور اصل ایمان ہے۔ دوسرے تقاضے اس کی تکمیل سے ازخود پورے ہو جاتے ہیں۔

محبت رسولؐ وقت کا اہم تقاضا کیوں؟ ملت اسلامیہ جب عالمی سطح پر ہمہ گیر زوال سے دوچار ہو گئی تو استعماری طاقتیں اس تغیر پر بھی مطمئن نہ ہوئیں۔ اور ملتِ اسلامیہ کے دامن میں ایک چنگاری جس سے خرمن باطل جل سکتا ہے۔ ایک انقلاب انگیز قوت جس کی موجودگی میں مسلمان تمام تر خرابیوں کے باوجود کسی وقت بھی تن من، دھن کی بازی لگا سکتے تھے وہ چنگاری وہ قوت جس سے عالم طاغوت لرزہ براندام تھا۔ فقط مسلمانوں کی آنحضورؐ سے جذباتی وابستگی اور ان کی محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں بارہا سیاسی تغیرات کے باوجود روحانی و مذہبی نظام زوال پذیر نہ ہو سکا۔ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے پروفیسر فلپ ہٹی کہتا ہے "کہ اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کر لیں۔"

جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا عقیدہ بقول اقبال یہ ہے۔

ہر کہ عشق مصطفےٰؐ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامان اوست

تو پھر انہوں نے ہر حربہ استعمال کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات

اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو (اقبالؒ)

اس منصوبے کو پایۂ تکمیل پر پہنچانے کے لئے انہوں نے طویل جدوجہد کی اور کسی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ انہوں نے حضورؐ کی شخصیت اور سیرت پر اس انداز سے مواد مہیا کیا کہ اس کو خالی الذہن سادہ مسلمان بھی پڑھ کر شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے اثرات مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئے ان کے دلوں سے حضورؐ سے وہ محبت نہ رہی جو کبھی عشق میں بدل جایا کرتی ہے۔ پھر حالت یہ ہو گئی کہ :۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے (اقبالؒ)

حکیم الامت علامہ اقبال نے امتِ مسلمہ کے زوال کا واحد سبب یہی ٹھہرایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

؎ عصر ما مارا ز ما بیگانہ کرد ۔ از جمال مصطفیٰ بیگانہ کرد

کہ عصر حاضر نے ہمیں اپنی حقیقت سے بے خبر کر دیا اور یہ اس وقت ہوا جب ہم جمال مصطفیٰؐ سے بیگانہ ہو گئے۔ تا شعار مصطفیٰ از دست رفت ۔ قوم را رمز بقا از دست رفت

لہٰذا اگر ہم امت کے عروقِ مردہ میں خونِ زندہ دوڑانا، خزاں رسیدہ چمن مصطفویؐ کی ویران ٹہنیوں پہ ایمان و عمل کے پھل دیکھنا اور اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی سے بچا کر نصرتِ رسولؐ، اطاعتِ رسولؐ اور تعظیم رسولؐ کے عملی مظاہرے دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کا علاج بھی میں حضرت علامہ اقبال کی زبان حق ترجمان سے بتا دینا چاہتا ہوں

؎ قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے مبلغین لوگوں کو حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے دونوں پہلو (یعنی حسی اور روحانی) ملا کر حضورؐ کی سیرت طیبہ پیش کریں۔ جو حضورؐ کے ظاہری محاسن کے علاوہ ان کے معجزاتی روحانی پہلو جو اُن کے بلند و بالا کمالات نبوت فضائل و شمائل پر مشتمل ہوں تاکہ لوگوں کے سینوں میں آقائے دوجہاں کی دیوانہ وار الفت و عقیدت کا وہ طوفان بپا کیا جا سکے جس کی قوت پر وہ کفر و طاغوت کے خلاف ٹکرا جایا کرتے تھے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ محبتِ رسولؐ کا صحیح تصور قرآن و حدیث اور سنتِ صحابہؓ کے آئینے میں اس طرح اجاگر کیا جائے کہ آج کی نوجوان نسل جو تلاشِ حق میں سرگرداں ہے اس آفاقی حقیقت سے باخبر ہو کر پھر سے اپنے آقا و مولا حضورؐ سے محبت کا ایسا معیار قائم کر سکے کہ اس کی نظروں کو دانشِ فرنگ کے جلوے خیرہ نہ کر سکیں اور یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ است ۔ گر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

۲ - اسی طرح تعظیم رسولؐ، نصرتِ رسولؐ یعنی حضورؐ کے دین کے ظاہری سیاسی تمکنت کے تحفظ اور اخلاقی روحانی اقدار کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل رہنا نصرتِ رسول ہے ۔

۴ - اطاعتِ رسولؐ :- بدقسمتی سے آج ملت کے دو شعبے ہیں ایک اطاعت کی قدر کرتا ہے ۔ مگر محبت سے عاری ہے ۔ دوسرا صرف محبت کا دم بھرتا ہے اطاعت سے خالی ہے ۔ حالانکہ اطاعت محبت کی دلیل ہوتی ہے ۔

۵ - عقیدہ آخرت یعنی (۱) بعثت بعد الموت (۲) شعور عینیت کا تصور (۳) جوابدہی، جرم و سزا کا تصور عقیدہ آخرت سے ہی یہ پتہ چلتا ہے انسان بھی کسی نہ کسی صورت میں اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اس کائنات کی زندگی ہے ۔

۶ - ایمان بالکتب وملائکہ اور تقدیر وغیرہ کے عقیدوں اور ان کے جملہ تقاضوں پر ایمان لانا وغیرہ

دینی اقدار کا احیاء ...... اور عصر حاضر کے تقاضے

۱ - **مذہبی فرائض پر کاربندی :** - ان میں سب سے پہلے ارکانِ اسلام (۱) نماز (۲) ماہ رمضان کے روزے (۳) مستحقین کے لئے مال پر زکوٰۃ کی ادائیگی (۴) فریضہ حج کی ادائیگی ۔ یہ سب ارکان اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین کی بنیادیں ہیں ۔ حق بندگی کا ثبوت فراہم کرنے کے لئے خدا نے یہ مختلف نوع عبادات اپنی کسی ذاتی منفعت کے لئے فرض نہیں کیں بلکہ اس میں فطرت انسانی کے تقاضوں کو مدِنظر رکھ کر ان کو فرض کیا گیا ہے ۔ ہر ایک کے پسِ منظر میں ایک حکمت کارفرما ہے اور انسانیت کی بہتری کا فلسفہ مضمر ہے لہذا خالق کائنات کے اس نظام عبادات کو اپنائے بغیر انسان کچھ بھی نہیں کرتا ۔ آج پوری انسانیت جس ذہنی پریشانی اور افراتفری کا شکار ہے اس سے نجات اسلام کا یہ عطا کردہ نظام اطاعت و عبادت ہی دے سکتا ہے ۔ چونکہ یہی مسلمان کے بنیادی فرائض ہیں لہذا ان پر پابندی سے عمل کرانے کے لئے حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ حکماً خدا کی نافرمانی سے باز رکھیں ۔

معاشرتی برائیوں کا خاتمہ ۔ فوری تقاضا - ایک مہذب معاشرہ مہذب قوم کا آئینہ ہوتا ہے اسلام کا مزاج منشی ایک ایسے صالح صاف ستھرے اور پاکیزہ معاشرے کا وجود ہے جہاں زمام قیادت اسلامی قوانین کی ہو ۔ اور تمام معاملات و امور اسلامی اخلاق حسنہ کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں ۔ اسلامی معاشرہ

اس وقت تک اسلامی روایات کا حامل رہا جب تک ان کے دلوں میں اسلامی روح زندہ تھی۔ شومیٔ قسمت کہ استعماری سازشوں کی کامیابی سے آج کا اسلامی معاشرہ ہر اس بیماری میں مبتلا ہے جو اسلامی روح کی قاتل ہے۔ درج ذیل چند مفاسد ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ہماری درسگاہوں سے بکثرت (الاماشاءاللہ) بے کردار اوباش اور لذت پرست نوجوان پیدا ہو رہے ہیں
۲۔ فیشن زدہ نیم عریاں مسلمان عورتیں مغربی تہذیب کی دلدادہ جو اپنی معاشرتی اقدار سے بالکل ناآشنا و نامانوس ہیں۔
۳۔ ہماری نوجوان نسل (عورت، مرد) یورپ کے فحش اور مخرب اخلاق لٹریچر کا قاری تو ہے مگر قرآن و حدیث سے قطعاً ناواقف۔ وہ اُمت جس کا عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہوتے ہوئے اپنی راتیں بارگاہ خداوندی میں ہوئے گزارتا۔ آج اس کے نوجوان اپنی راتیں کلبوں، سینماؤں اور ناچ گانے کی محفلوں میں گزارتے ہیں۔
۴۔ شہروں میں فحاشی کے مراکز میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور رہی سہی کمی وی سی آر نے پوری کر دی۔
۵۔ اکثر مسلمان ممالک کے امراء ان غلیظ بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ اکثر اہلکار حاجت مندوں کے کپڑے اتارتے
۶۔ تاجر طبقہ جائز و ناجائز حربے استعمال کر کے اپنی تجوریاں بھر رہا ہے۔
۷۔ ہماری زندگی سود سے ملوث ہے جو کہ ام الخبائث ہے۔
۸۔ رشوت ستانی، جھوٹ، مکر و فریب چوری جیسی لعنتیں ہمارے معاشرے کا مقدر ہیں۔

چنانچہ ان حالات پر قابو پائے بغیر ہم کبھی بھی ایک صالح اسلامی معاشرے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کے لئے ضروری ہے کہ آج انفرادی قومی اور بین الاقوامی سطح پر ان برائیوں کے خلاف عملی اقدامات کئے جائیں۔ اس موقع پر مسلمان حکومتوں کے حکمران اور مذہبی باثر حلقے اور تنظیمیں بیک آواز ہوں۔ آج اگر ہم بیدار نہ ہوئے اور ان مفاسد کو پنپنے کا موقع فراہم کرتے رہے تو اسلام کا حلیہ بھی بگڑ جائے گا۔

ہم بحیثیت پاکستانی اگر دیکھیں کہ آج ملت اسلامیہ کی نظریں بڑی مدت سے امید کے ساتھ اس پر لگی ہوئی ہیں۔ مگر وہ کونسی برائی ہے جو ہمارے پاکستانی معاشرے میں نہیں پائی جاتی۔ اور ہمارے ذمہ دار افراد اس میں ملوث نہ ہوں۔ یہاں رشوت، زنا، چوری، ڈاکے، اغواء، شراب نوشی، دھوکا دہی، غرضیکہ ایک ایسی فہرست ہے جسے گنواتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

فحاشی کا ذمہ دار کون؟

کیا اسلامی حکومتیں، جہاں بقول ان کے اسلامی نظام بھی عرصہ نافذ العمل ہے۔ اس کی ذمہ دار نہیں ہیں کہ اسلامی نظام ان کی زبان یا دفتری فائلوں میں نافذ ہو سکا اور کا

بندروں وی سی آر کے ذریعے رات دن یورپی سازش کے تحت ہمارے نوجوان مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے ننگی فلمیں اور کھلی فحاشی کا نظارہ کر رہے ہیں۔ ارباب اقتدار اس فحش لٹریچر اور عریاں و زندہ نما انسانوں کی تصویریں، فلمیں وغیرہ جو جنسی بے راہ روی کا سبب یورپی کتب کی درآمد پر پابندی لگا سکتے ہیں۔ آخر یہ چیزیں ان اسلامی ممالک میں کس طرح آتی ہیں اور رہے سہے اسلام کو لوٹ رہی ہیں۔ یہ کھلے عام زنانہ کے مراکز و بازار کیا حکومت کی دسترس سے باہر ہیں! جہاں زنا جیسی غلیظ اور قانون خداوندی کے خلاف بغاوت جیسی برائی کا سرٹیفکیٹ دے دیا جاتا ہے۔ کیا یہ مسلمانوں کے ممالک میں روا ہے؟ مقام افسوس ہے کہ حکومت وقت کے خلاف اگر جائز اعتراض بھی ہو تو دوسرے دن جیل کی دیواروں میں بھیج دیا جاتا ہے لیکن قوانین حدود خداوندی کی کھلی اور اعلانیہ خلاف ورزیاں ہو رہی ہیں اور کوئی پوچھتا نہیں۔ قرآن کی تجویز کردہ سزائیں کیا اب نافذ العمل نہیں ہو سکتیں یا پھر منسوخ ہو گئی ہیں؟ یہ سراسر ظلم کیوں ہو رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج میرے نزدیک ان معاشرتی برائیوں کا خاتمہ اسلام کا سب سے بڑا چیلنج ہے اور ان کا تدارک عصر حاضر کا سب سے اہم تقاضا اس کے لئے ہر حکومت کو یہ کرنا پڑے گا۔

۱۔ تعلیمی اداروں کے نصاب تعلیم سے یورپی تہذیب کے پھیلائے ہوئے زہریلے اثرات ختم کر کے اسلامی تعلیمات کا اجراء۔

۲۔ افسر شاہی کی اصلاح پر خصوصی توجہ دی جائے۔ زانی، شرابی اور راشی افسروں یا دوسرے ملازموں کو برطرف کر کے سزا دی جائے۔

۳۔ منشیات کے مصادر کا سراغ لگا کر ہزاروں گھروں کو جہنم بننے سے بچایا جائے۔

۴۔ تمام ذرائع فحاشی کا بزور شمشیر خاتمہ۔ ایسی چیزوں کی درآمد پر پابندی ضروری ہے۔

یہ تمام کام مذہبی جذبے اور دینی غیرت و حمیت کے محتاج ہیں لیکن آج کے مسلمانوں میں اس کی کمی ہے بازاروں سڑکوں، باغات، سیر گاہوں اور ثقافتی مراکز میں نیم عریاں خواتین پر بے پردہ پھرنے پر پابندی لگا دی جائے۔ اس سے یہ طوفان بدتمیزی شاید کم ہو۔ لباس میں ایک معیار ہو تاکہ مسلمان بیٹیاں ہر ایک آنکھ کو دعوت نظارہ نہ دیں۔

معاشی تقاضے

مشترک اسلامی عالمی منڈی کا قیام :-

یورپی عالمی مشترکہ منڈی کی طرح ایک عالمی اسلامی منڈی کا قیام ناگزیر ہے - اس کے عالمی سطح پر مسلمانوں کو اتحاد میں مدد دینے کے علاوہ بہت سے فوائد ہو سکتے ہیں ۔ مثلاً

۱۔ تمام مسلم ممالک کے اعداد و شمار آسانی سے مہیا ہو جائیں گے ۔ جو ابھی تک نہیں ہو سکے اس سے باہمی برآمدات و درآمدات کا سلسلہ وسیع ہو گا - اس کے لئے ہر مسلمان ملک کو چاہیئے کہ وہ دوسرے مسلمان ملک سے بہت عمدہ سلوک کرے ۔

۲۔ درآمدی اور برآمدی محصولات میں کمی کرنے کے لئے غیر تجارتی رقبہ کی وسعت بڑھ جائے گی اس کا خاطر خواہ اثر سب ممالک میں خوشگوار پڑے گا ۔

۳۔ بیرونی دنیا کی اوپک اسلامی ملک کے ساتھ تجارت کرنے کے بجائے مشترکہ ایریا (علاقہ) کے ساتھ تجارت کرے گی اور اس سے دائرہ کار وسیع ہو جائے گا ۔ اور اکثر اسلامی ممالک اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے ۔

۴ ۔ اسلامی دنیا میں چونکہ زراعت پر کماحقہ ' زور نہیں دیا جا رہا اس لئے خوراک کے مسئلے میں جو عدم توازن ہوتا ہے وہ ایک دوسرے کی مدد سے بڑی حد تک رفع ہو سکتا ہے اور مسلمان کئی تباہ کاریوں سے بچ سکتے ہیں جیسا کہ حال ہی میں افریقہ کے کئی ملکوں میں قیامت برپا ہو رہی ہے ۔ اس میں زیادہ تر متاثر ہونے والے مسلمان ہیں جو بھوک سے مر رہے ہیں ۔

۵ ۔ خاص موقعوں پر زیادہ امیر اسلامی ملک غریب اسلامی بھائیوں کی مختلف طرح سے امداد کر سکتے ہیں۔

۶ ۔ تمام تجارتی نفع مشترکہ طور پر اسلام کی ترقی اور خوشحالی کے لئے استعمال ہو سکے گا ۔

۷۔ زیادہ سے زیادہ مال کا تبادلہ یورپی ممالک سے بھی تجارتی معاہدوں کی صورت میں مدد ملے گی۔

۴۔ مشترکہ اسلامی عالمی بینک کا قیام

مشترکہ اسلامی عالمی منڈی کی طرح ایک عالمی اسلامی بینک کا قیام ملت اسلامیہ کی وحدت۔ معاشی خوشحالی، کا ذریعہ ہے۔ اس کا قیام ماشاءاللہ عمل میں آگیا ہے۔ اور ابتدائی کام بھی ہو رہا ہے۔ اب مسلمان ممالک کو اس کے ساتھ مزید تعاون کرنے کی ضرورت ہے۔

اس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوں گے۔

۱۔ بلاسود بینکاری کے نظام کو نافذ العمل کرنے کا موقع ملے گا۔

۲۔ یہودی سرمایہ دارانہ نظام معیشت سے نجات حاصل ہوگی۔

۳۔ غیر مسلم اقوام سے معاشی آزادی اور قرضوں کے لین دین میں غیر مسلم اقوام سے نجات ملے گی۔

۴۔ مسلم دنیا متفقہ کرنسی کا اجراء کرکے معاشی و سیاسی وحدت کا حصول ممکن ہوگا۔

۵۔ اسلامی ممالک میں صنعتی ترقی کی طرف توجہ دی جاسکے گی۔ اور

۶۔ کمیونسٹ بلاک سے انقطاع۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آجکل دنیا جس اقتصادی نظام سے دوچار ہے وہ انتہائی غیر محادلانہ ہے اس کی غلط ساخت نے ملکی ترقی کے برگ و بار چند افراد کی جھولیوں میں ڈال کر عوام الناس کو محرومی کا شکار بنا دیا ہے۔ امیر اور غریب کی درمیانی خلیج وسیع ہوتی جارہی ہے۔ امراء کو کثرتِ دولت نے عیش و تنعم سے فسق و فجور میں مبتلا کر دیا ہے اور غرباء دو وقت کی روٹی اور تن ڈھانپنے کے لئے دو کپڑوں کے لئے سرگرداں ہیں عصر حاضر کا ملت اسلامیہ کے ساتھ اس کے علاوہ بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ تمام روحانی اور اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال کر مادہ پرستی ہو رہی ہے۔ جسکی وجہ سے اضطرات بڑھتا جارہا ہے اور ذہنی سکون ختم ہو رہا ہے۔

غیر اسلامی نظام معیشت اور اسلام کے معاشی نظام میں فرق یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے تحت دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہے اور اس نظام کی ستم رسیدہ دنیا کو نجات دلانے کے لئے عصر حاضر میں سوشلزم Socialism یعنی معاشی مساوات کا نسخہ پیش کرکے غیر اسلامی نظام معیشت کی راہیں ہموار ہو رہی ہیں۔ یاد رہے کہ اسلام درجاتِ معیشت کی مساوات کے بجائے حق معیشت کی مساوات پر زور دیتا ہے اور معاشی عدل کا اصول پیش کرتا ہے۔ یہ کوئی نظری فلسفہ نہیں بلکہ دنیا نے سینکڑوں سال تک اسکے میٹھے پھل کھائے ہیں۔

بلاسود بینکاری کا قیام :۔

سُود کی ممانعت :۔ جدید معاشی ترقی کے اس دور میں سود کو بے ضرر اور کارآمد شے سمجھا جاتا ہے اور قومی اقتصادی ترقی کا واحد محرک کہا جاتا ہے ۔ سرمایہ دار اور سوشلسٹ دونوں اس کی افادیت کو تسلیم کرتے ہیں ۔ جدید معاشی مفکرین میں سے ہر ایک ان کے جواز کا قائل ہے لیکن اسلامی نظام معیشت نہ صرف اس کی قطعاً جازت نہیں دیتا بلکہ معاشرہ کا بدترین دشمن سمجھتا ہے ۔ خالق کائنات جو ان مغربی مفکرین سے بے حد وحساب انسانیت کا ہمدرد اور غمخوار ہے ۔ اس نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا ہے ۔

"سُود خوار لوگ معاشرہ میں جو کردار اختیار کرتے ہیں وہ اس شخص جیسا ہے جسے مس شیطانی نے اسے پاگل اور باؤلا بنا رکھا ہے" صرف یہی نہیں بلکہ مزید ارشاد باری ہے ۔ ترجمہ "اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو اگر تم ایسا نہ کرو گے تو خدا اور اس کے رسولؐ کی جانب سے جنگ کے لئے خبردار ہو جاؤ" [2] ۔

اسی طرح قرآن و حدیث کے کئی مقامات پر واضح ممانعت وارد ہے ۔ اس کی ممانعت میں کئی عصری اور معاشی حکمتیں مضمر ہیں جن میں مختصراً (۱) آج دنیا بار بار اہل ثروت اور دولت مندوں کا طواف کرتی ہے ۔ اور مفلس دن بدن معاشی بدحالی کا شکار ہو رہے ہیں ۔ (۲) آج دنیا کا سارا نظام معیشت اس کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہے (۳) اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے بلاسود بنکاری ضروری ہے ۔

بلاسود بینکاری :۔ ان دریں حالات مسلم دنیا کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس نظام معیشت سے ہٹ کر ایسا بلاسود بینکاری نظام بنائیں جس میں اس صریح حرام اور لعنت سے چھٹکارا حاصل ہو سکے ۔ چنانچہ اسلامی دنیا کے بینک کے قیام کا ایک مقصد یہی ہے ۔ اس کے لئے بعض اسلامی ممالک میں کافی اقدامات ہو رہے ہیں جن میں بہرحال پاکستان پیش پیش ہے ۔

اس سلسلے میں امتِ مسلمہ کو درج ذیل امور بطور خاص پیش نظر رکھنے ہوں گے ۔

۱۔ بنکاری کے سارے نظام کو مکمل طور پر سود سے اس طرح پاک کرنا ہو گا کہ تمام ذرائع تحویل اور مختلف کھاتے اور سکیمیں من کل الوجود بلاسود بنیادوں پر چلائے جائیں

---

[1] آل عمران ۔ رکوع ۴ ۔ [2] آل عمران رکوع [illegible]

اور بالواسطہ یا بلا واسطہ ربوا کا کوئی عنصر کسی لین دین میں باقی نہ رہے۔

دوسرے نمبر۲ پر سود کے خاتمے کے لئے ہمیں غیر سودی بنیادوں پر احکام شریعت کی روشنی میں بینکنگ کے اصول ایسے جامع نظام کو وضع کرنا ہوگا جو بیک وقت قابل عمل بھی ہو اور ملکی معیشت کی بقاء و تحفظ کا ضامن بھی

۳۔ تمام اسلامی ممالک نظام بنکاری کو ملکی معیشت کا ایک بنیادی عنصر تصور کرتے ہوئے اس طرح اسلامی طرز پر ڈھالنا ہوگا کہ اس سے اسلام کے گردش دولت کے انقلابی نظام کو صحیح خطوط پر رائج کیا جاسکے تاکہ اس کے ذریعے ملک کی اجتماعی معیشت میں حقیقی مشارکت اور کفالت عامہ کا تصور عملاً واقع بن سکے۔

- نظام بینکاری اور نظام محصولات کو ایک ہی تناظر میں رکھ کر انہیں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کرنا ضروری ہے
- عبوری دور کے لئے فی الحال بنکاری کے مختلف شعبہ جات میں رائج لین دین کے طریقوں میں مطلوبہ فقہی اور قانونی تبدیلیاں لاکر کم ازکم اپنے سرمائے کو شرعاً سود کی لعنت سے تو پاک کیا جاسکتا ہے۔
- اندریں حالات اسلامی نظام بنکاری کو ارتقاعمل سے گزرنا ہوگا اور منزل مقصود کے حصول کا سفر مرحلہ وار ہوگا۔

حیلہ شرعی اور اسقاطِ ربوٰ :- اس میں شک نہیں کہ بعض علماء نے حیلہ شرعی کے اصول کو ناپسند کیا ہے مگر نظام بنکاری کی بعض سکیمیں اور ذرائع تحویل ایسے ہیں جن کا سر دست کوئی نعم البدل میسر نہیں ہے۔ اور قومی سطح پر ان کی افادیت و ناگزیریت بھی مسلم ہے مثلاً National Savings Schemes قومی بچت سکیم۔ اس میں دفع ربوٰ کے لئے حیلہ شرعی کو اپنانا اس وقت تک درست اور جائز رہے گا۔ جب تک اس کا بہتر بدل میسر نہ آ جائے۔

اسلامی نظامِ معیشت کا صحیح نفاذ و اجراء :- اسلامی نظام معیشت صرف اسی وقت حسب منشا نتائج پیدا کر سکتا ہے جب ایک ایسا اسلامی معاشرہ وجود میں آ جائے جن میں نظام اسلام اور شریعت الٰہی زندگی کے اقتصادی، اجتماعی، سیاسی اور ثقافتی شعبوں میں پوری طرح لاگو ہوں۔ اسلامی نظام اپنی فطرت و مزاج کے اعتبار سے ایسا ہے کہ اگر اس کو پورے طور پر نافذ کر دیا جائے تو فقراء و بیکار افراد کی کمی اور قومی دولت میں اس قدر اضافہ ہو جائے کہ معاشی مسائل پیدا ہی نہ ہوں۔

۲- اجتماعی معاشی نظام اور اس کی تقسیم :- اسلام کے اجتماعی معاشی نظام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ جو خلافت (حکومت) سے متعلق ہے۔

۱- **بیت المال کا قیام** :- اسلامی نظام معیشت بروئے کار لانے کے لئے خلافت اسلامی کے لئے خزانۂ سرکاری کا وجود ضروری ہے۔ اسی خزانے کے محفوظ مقام کو بیت المال کہتے ہیں۔

۰- یہ نظام حکومت کی مالی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے۔ اس کے ذرائع آمدنی مندرجہ ذیل ہوں گے۔

۱- عشر، ۲- خراج TAN (۳) جزیہ (۴) زکوٰۃ (۵) صدقات (۶) فئی (۷) خمس (۸) ضرائب

۱ے فتاویٰ قاضی خانؒ ۴/۴۰۷ فصل فیما یکون فرارًا عن الربوٰ (۲) امام ابن نجیم حنفیؒ نے البحر الرائق ۶/۱۳۷ بحوالہ خلاصۃ النوازل، فتاویٰ قاضی خانؒ ۴/۴۰۷ (۳) کفل الفقیہ الفاہم صفحہ ۸۴-۷۷ ۔ مولانا احمد رضا خان رح علامہ شامیؒ نے رد المحتار میں۔ اور مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور علامہ امجد علی صاحب نے اپنے مقالوں میں لکھا ہے۔

۹ - کرہ الارض (۱۰) عشور (۱۱) وقف (۱۲) اموالِ فاضلہ (مذہبی اوقاف کی آمدنی وغیرہ

۲ - بیت المال کے مصارف یہ ہوں گے (۱) رفاہ عامہ (۲) تعلیمی وفوجی یا انفرادی وظائف ، فقراء مساکین کی مالی اعانت وغیرہ

۳ - وسائل معیشت کی توسیع :- مثلاً زراعت ، تجارت ، صنعت وحرفت وغیرہ فروغ -

۴ - تجارتی بدعنوانیوں کا انسداد :- مندرجہ بالا مراحل کو صحیح طور پر نافذ العمل کرنے سے اسلامی معاشیات میں انقلاب آسکتا ہے - چونکہ تجارت معاشی ذرائع میں سے اہم ترین ذریعہ ہے - اس کو تمام اسلامی ممالک کے درمیان بغیر ٹیکسوں اور محاصل کے جاری رکھا جائے اور اسلامی اصول تجارت کے تحت اس میں تمام بدعنوانیوں کا خاتمہ کیا جائے -

۵ - معاشی بدعنوانیوں کا خاتمہ :- ان تمام بدعنوانیوں کا خاتمہ ضروری ہے جو اس کے مقصد کو تباہ کرنے کا سبب بنیں - یہ بدعنوانیاں بنیادی طور پر دو طرح کی ہو سکتی ہیں (۱) احتکار (۲) اکتناز

سیاسی تقاضے

۱۔ **اتحاد بین المسلمین:** ۔پوری دنیا کے مسلمان ملت واحدہ ہیں۔تعلیمات اسلام کی رو سے بلا امتیاز نسل زبان و علاقہ تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔بحیثیت بھائی پوری ملت ایک دوسرے کے دکھ درد خوشی و مسرت میں برابر کی شریک ہے۔

؎ مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

بدقسمتی سے آج ملت اسلامیہ باطل استعماری طاقتوں کی سوچی سمجھی سازشوں کا شکار ہو کر منتشر ہو گئی ہے۔اتحادِ عالم اسلامی دین کے غلبے اور انسانیت کو خدائی قوانین سے مستفید کرانے کے لئے آج اسلامی سیاست کا اہم تقاضہ ہے۔اختصار کے پیش نظر چند عملی تجاویز پیش خدمت ہیں جو بذات خود اتحاد کے لئے وقت کے اہم تقاضے بھی ہیں۔ان کے بغیر اتحاد عالم اسلام کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

۲۔ **دولت مشترکہ ممالک کا قیام:** ۔اس کا نام کوئی بھی ہو سکتا ہے۔مراد اس سے عالم اسلام کی ایک ایسی ہمہ گیر تنظیم ہو جو مسلمانوں کے تمام مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔اسلام روز اول سے ایک خلافت کے تحت نافذ العمل رہا ہے۔لیکن عثمانی ترکوں کے زوال پر یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔جس پر اقبال نے کہا

؎ چاک کر ڈالی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

دور حاضر کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق یہ تنظیم تاکہ خلافت کے فرائض بھی ادا کرے اور جدید تقاضے بھی پورے کر سکے۔اس کے لئے ایک مرکز کی ضرورت ہے جو اس وقت خلافت اسلامیہ کا سیکرٹریٹ بھی کہلائے اور جس سے عالم اسلام کو قیادت و مرکزیت نصیب ہو جائے۔کیونکہ وہ آج بے مرکز، بے ممبر و محراب ہیں۔خلافت اسلامیہ کا قیام وہ صدا ہے جس کے لئے ایک ارب مسلمانوں کے دل دھڑک رہے ہیں۔جو اسوقت بے قیادت اور بے چرواہے کی بکریوں کی طرح ادھر ادھر منتشر اور بکھرے ہوئے ہیں۔
"خلیفتہ المسلمین" خدا کے احکام کو نافذ کرنے اور دنیا کے تمام مسلمانوں کی بہبودی کو مدِ نظر رکھنے والا ہو۔
اور اس کے تمام احکام۔اسلامی قانون کے حدود میں سب کے لئے واجب الاطاعت ہوں گے۔آج ہم

اگر خلافت اسلامیہ قائم نہیں کرسکے تو ظاہر ہے اس سے وسیع تر خلافتِ ارضی کے لئے بھی ہم نااہل ثابت ہونگے خلافت ارضی کے قیام کے لئے سب سے پہلے خلافت اسلامیہ کا قیام ضروری ہے۔ مقام مسرت ہے کہ جدہ میں یہ کام کسی حد تک شروع ہوچکا ہے لیکن مطلوبہ معیار کے لئے سرعت سے کام ہونا چاہیئے۔

۳۔ اسلام پر سختی سے عمل پیرا ہونا ضروری ہے :۔ اسلام زبانی اور خیالی منصوبے نہیں بنانا چاہتا اس کے ہاں عمل کو اوّلیت ہے۔ سب سے پہلے ملّت اسلامیہ کو بحیثیت مسلمان اپنے آپ کو سچا مسلمان ثابت کرنا پڑے گا کیونکہ یہی اس کی بنیاد اور ذریعہ پہچان ہے۔ اگر ہم دلی مسلمان نہ ہوئے تو ہمارے لئے وسیع تر اتحاد بھی بے کار ہے اور اگر مسلمان خود اسلامی اخلاق سے محروم رہے تو عالم اتحاد کی سب کوششیں سطحی ثابت ہونگی

۴۔ بنائے اتحاد مذہب ہو۔ تاکہ اقتصادی، علاقائی، جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کوئی اور طبقاتی معیار "انما المومنون اخوۃ" کے اصول کے تحت سب امتیازات و اختلافات کو بھول کر مذہب اسلام کے اساسی اصولوں پر اتحاد ہوسکتا ہے۔ اس کی بیّن مثال پاکستان کا وجود میں آتا ہے۔

۵۔ اسلامی سربراہی کانفرنس۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی کانفرنس دسمبر ۱۹۶۹ء میں رباط میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد جدہ میں اور پھر فروری ۱۹۷۴ء میں لاہور میں ہوئی۔ لیکن باوجود اس کے بات گفت وشنید سے آگے نہ بڑھی۔

۶۔ حکمرانوں کا کام :۔ ملت اسلامیہ اپنے حکمرانوں کو مجبور کرے کہ وہ خارجی دباؤ سے قطع نظر ایک دوسرے کے قریب آئیں تاکہ متفقہ طور پر عملی اقدام ہوسکے۔

۷۔ جغرافیائی اور روحانی حدوں کی حفاظت :۔ آج ایک طرف سے عقائد پر حملے ہورہے ہیں اور دوسری طرف سے اسلامی ممالک کی سالمیت خطرے میں پڑی ہوئی ہے حتیٰ کہ ناپاک نگاہیں حرمین شریف کی طرف بھی اٹھ رہی ہیں اس کے لئے تمام ممالک کو مل کر جدید ترین اسلحہ بنانا ضروری ہے۔

۸۔ حج کے موقع سے فائدہ اٹھائیں :۔ مختلف شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے ماہرین اس دوران عالم اسلام کے مسائل کو زیر بحث لائیں۔ اس طرح مسلمان اپنے روحانی مقصد کو اپنا سکتے ہیں۔ اس سے نسلی اور جغرافیائی اختلاف بھی ختم ہوسکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس عظیم اجتماع سے مسلمان کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔

۹۔ عالمی اسلامی زبان :۔ یہ قدرتی اور مذہبی عطیہ خداوندی ہے کہ تمام مسلمان قرآن وحدیث کی زبان یعنی عربی زبان سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں۔ اور اکثر ممالک میں بولی بھی جاتی ہے۔ مسلمانوں کو انگریزی کی بجائے

عربی کو ذریعہ اظہار بنانا چاہیئے تاکہ رفتہ رفتہ عربی ہی مشترکہ عالمی زبان بن جائے۔ اس کے لئے ہر ملک کے تعلیمی اداروں میں عربی مضامین کی تدریس کا بندوبست بہت ضروری ہے۔ اسلامی ممالک میں۔

۱۰۔ **آمدورفت:**۔ کی پابندیاں یا تو ختم کر دی جائیں یا اتنی سختی نہ برتی جائے تاکہ علمی ثقافتی اور ادبی تجارتی تبلیغی فوجی اور صنعتی ماہرین کا تبادلہ خیال اور رابطہ ہو۔ بجائے اس کے کہ غیر مسلم ممالک کی طرف رخ کیا جائے۔

۱۱۔ **ذرائع ابلاغ** کو موثر طریقہ سے کام میں ہر مخالفین آئے روز مسلمان ممالک کے درمیان اختلافات کو ہوا دیتے ہیں۔ اس سے مسلمانوں کا رابطہ ہو اور وحدت اور اخوت کا سلسلہ سال بھر جاری ہے''

۱۲۔ **خارجہ پالیسی:**۔ کا ایک بنیادی اصول تمام اسلامی کو اپنانا چاہیئے۔ جو کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ وہ یہ کہ یہود و نصاریٰ اور کفار مسلمانوں کے کبھی دوست نہیں ہو سکتے۔ امتِ محمدیہؐ کو چاہیئے کہ وہ ایک دوسرے سے تعاون کر کے اپنے پاؤں پر آپ کھڑے ہونے کے قابل ہوں۔ ہاں دوسروں سے دنیوی معاملات میں روابط و تعلقات قائم کرنے سے ہرگز کوئی منع نہیں کرتا۔ لیکن غیروں پر بھروسہ کر نا ان کو دوست بنانا نہ صرف قرآن منع کرتا ہے۔ بلکہ صدیوں کے تلخ تجربات بھی اس پر شاہد ہیں۔

۱۳۔ **انسانیت کے محسن اعظم:**۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور تعلیمات ہی چونکہ مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے لہٰذا ان کی تعلیمات و سیرت کے حوالے سے ہر سال عالمی سطح پر میلاد النبیؐ منانے اور سیرت کانفرنس منعقد کرانا یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جس پر کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

۱۴۔ **اسلامی امن کمیٹی کا کردار:**۔ جن مقاصد کے تحت اس کمیٹی کی تشکیل کی گئی تھی باوجود اتنا عرصہ گذرنے کے کوئی عملی پیش رفت نہیں ہوئی۔ عالم اسلام اسی طرح منتشر ہے۔ کہ ترقی یافتہ غیر مسلم طاقتیں اسی طرح مسلمانوں کو اپنے مفادات کی بھینٹ چڑھا رہی ہیں۔ اگر ۴۵ مسلمان ممالک کے آزاد سربراہان ملکر اللّٰھم لبیک کی صدا بلند کریں تو اسرائیل جیسے موذی ملک کی کیا ہمت ہے کہ وہ مسلمانوں کے قبلہ اول پر تسلط قائم رکھ سکے۔

آج عالم اسلام بلکہ پورا عالم انسانی سخت جان کنی کے عالم میں ہے۔ لہٰذا ہماری ملت کے ان ناخداؤں کا فرض عین ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر سمجھیں۔

ایران عراق جنگ کا خاتمہ:۔ پورے عالم اسلام میں آج اس بات پر پریشانی ہے اور افسوس ہو رہا ہے کہ دو بڑے اسلامی ممالک آپس میں چھ برس سے لڑ رہے ہیں۔ اس عرصے میں ان کا مالی، جانی نقصان عالم اسلام کا نقصان ہے۔ یہی طاقت و قوت اگر اسرائیل کے خلاف استعمال کی جاتی تو وہ بہتر تھا یا اپنے مسلمان بھائیوں کے خون سے زمین رنگدار کرنا! اسلامی امن کمیٹی اور دیگر تمام سربراہان ممالک کا اولین فرض بنتا ہے کہ وہ ان کے درمیان کی رقابت کو ختم کرنے کے لئے موثر اور قابل حل لائحہ عمل اپنائے

ایک ایسی تحقیقی کمیٹی ہو جو ان کے درمیان صلح صفائی کرائے۔ بصورت دیگر اس ملک سے روابط ختم کر دیئے جائیں جو اس متفقہ فیصلہ پر عمل نہ کرے۔

عالمی امن کے لئے جدوجہد:

ترجمہ: تم ہی بہترین امت ہو جو تمام لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے۔ یعنی تمہارا منصب یہ ہے کہ تم انہیں معروف کا حکم دو اور منکر سے روکتے رہو۔ اس آیت کریمہ میں اللہ نے گویا امت مسلمہ کو "خیر" سے کیا ہے اور اس سے پوری نوع انسانی کی صلاح و فلاح کی ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ تاکہ دعوت و تبلیغ کے صحیح اصولوں سے کام لے کر پورے عالم انسانیت کو خدائی احکام کی طرف بلائے اور مخلوق کو خالق سے ملانے کے لئے اپنا فریضہ انجام دے۔ گویا امتِ مسلمہ کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرنے کے بعد پوری دنیا میں خدائی نظام عدل برپا کرے۔ لہذا آج عالمی سپر World Super طاقتوں کے چنگل سے انسانیت کو نکالنے کی اہمیت صرف اسلام کے پاس ہے۔ بشرطیکہ اہل اسلام خود کو اس کے اہل ثابت کریں۔ اسلامی معاشرے اور پورے نظام سیاست کا خاصہ اور مقصد ہی اجتماعی عدل کی بحالی ہے۔ جہاں ہر طبقے کا انسان راحت، آرام و سکون محسوس کرے۔

پسماندہ اسلامی ممالک کی جدوجہد سے تعاون: مالی اعتبار سے الحمد للہ اسلامی ممالک بالخصوص عرب ممالک معدنی دولت سے مالامال ہیں۔ ان کے پاس وسائل بھی وافر ہیں۔ اگر باقاعدہ طور پر اپنی دولت کا استعمال کریں اور مواخات کے فلسفے کے تحت عمل کریں تو کم از کم سب ممالک کے باشندے بآسانی اپنی معاشی ضروریات بھی پوری کر سکتے ہیں۔ ملائشیا، بنگلہ دیش، پاکستان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

غلام مسلم ممالک سے تعاون: آج سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ ممالک جو مدتوں سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کو آزادی کی نعمت سے مستفید ہونے کے لئے ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنا چاہیئے۔ مثلاً

۱۔ **فلسطین:** مدتوں سے اسرائیل کے ناپاک تسلط میں گھرا ہوا ہے۔ اور وہاں مسلمانوں کا قبلہ اوّل بھی یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ جو تمام مسلمانوں کے لئے باعث عبرت اور غیرت کا مقام ہے۔

۲۔ **افغانستان:** روس اپنا جارحانہ تسلط قائم کرنے کے لئے کئی سالوں سے اپنے قدم جما چکا ہے۔

۳۔ **مسئلہ کشمیر:** جو عرصہ تقریباً چالیس سال سے عالمی سطح پر زیر غور ہے اور ابھی تک کوئی قابل عمل حل نہیں ہوا ہے وہاں کے مسلمان ہندوستان کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں کمزور ہیں۔ وہاں ان کی حالت مسلسل پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ بھارتی مسلمان، اریٹیریا، فلپائن، تھائی لینڈ، قبرص اور دیگر غیر اسلامی ممالک ہیں جب تک ان کی

اعانت کا مداوا نہ کیا جائے گا ۔ اس وقت اتحاد مسلمین ایک کھوکھلا نعرہ ہوگا ۔

داخلی سیاسی تقاضے : ۔ اسلامی ریاست کے لئے دورِ حاضر میں ایسا دستور تیار کیا جائے جو اسلامی نظام سیاست کے عین مطابق ہو اور ہر اسلامی ملک وہاں کے تقاضوں کے مطابق حکومت بنا سکے ۔ لیکن بنیادی اصول یہ ہونے چاہییں ۔

۱۔ مقتدر اعلیٰ کا حق صرف خدا کو حاصل ہے ۔ ۲۔ قانون سازی کے اختیارات صرف خدا کو حاصل ہیں ۳۔ دیگر انبیاء اور آنحضورؐ خدا تعالیٰ کے سیاسی اور قانونی حاکمیت کے مظہر ہیں ۔ لہٰذا ریاست کے حکمران کے لئے ضروری ہے کہ وہ حاکمیت کے دعوے سے بالکل مبرا اور جذبۂ خدمت سے سرشار ہو ۔ ۴ ۔ حکمرانوں کے لئے ملکی قانون سازی میں اطاعتِ رسولؐ ضروری ہے ۔ ۵ ۔ رئیس حکومت کا تقرر باہم مشاورت سے ہو تاکہ بعد میں اندرونی اختلاف پیدا ہونے کی گنجائش نہ رہے اور نظام ریاست پر امن رہے ۔ ۶ ۔ انتخاب امراء، وزراء اہل شوریٰ کے لئے بنیادی شرائط یہ ہوں ۔

۱۔ ووٹ کو خدائی حکم کے مطابق امانت سمجھتے ہوئے اس کے اہل ترین شخص کے لئے استعمال کیا جائے ۔ اس کے لئے ایماندار ہونا ۲۔ صالح عمل، کم از کم معیار تعلیم شخصی وجاہت و استحکام فیصلہ کن اور موثر بات کرنے کی صلاحیت ہو ۔

(۲) معیار انتخاب تقویٰ پر ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ (إن أكرمكم عند الله أتقاكم)

(۳) حدیث نبوی کے مطابق ان رہنماؤں کو منتخب کیا جائے جن سے عوام کو محبت ہو اور وہ بھی عوام سے محبت کرتے ہوں ۔

(۴) حدیث نبوی کے مطابق ان رہنماؤں کو منتخب کیا جائے

(۵) مقصود ریاست نظام اقامت دین ہو نہ کہ برائیوں کی ترویج اور حصول اقتدار و منصب ۔

۶ ۔ اسلامی ریاست کو ایک فلاحی اور رفاہی ہونا چاہیئے جہاں کمزور اپاہج اور تنگدست لوگوں کو بنیادی ضرورتیں فراہم ہوں ۔

۷ ۔ شوریٰ کا کردار :۔ اسلامی حکومت میں مجلس شوریٰ کو خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے اس کے تمام ارکان کا انتخاب بھی قرآن و سنت کے ضوابط کے مطابق ہونا چاہیئے ۔ تاکہ وہ عوام اور خلیفہ دونوں کے درمیان رابطہ رکھتے ہوئے ہو ۔

مجلس شوریٰ کے لئے چند عملی تجاویز یہ ہیں :

اسلامی احکام کے لئے کوشاں رہیں ۔ اسلامی نظام حکومت کے تحت ملک میں 1 شوریٰ عام نیشنل اسمبلی

مکمل طور پر منتخب ہو۔ II اور شوریٰ خاص یعنی سینیٹ مکمل طور پر Selected ادارہ ہو جس میں مختلف شعبہ جات کے چیمبرز ہوں۔ مثلاً ایوان تجارت وصنعت، ایوان دفاع، ایوان فقہ و شریعت، ایوان تعلیم و ثقافت، ایوان صحت ایوان زراعت وغیرہ پورے ملک میں مختلف شعبہ جات کے ماہرین، محققین، علماء اور تجربہ کار شخصیات کو مختلف طریقوں سے چن کر مخصوص کوٹوں کی صورت میں نامزد کیا جائے۔ اور ان کے چناؤ کے لئے ملازم اور غیر ملازم کا کوئی امتیاز نہ ہو۔ طریقہ کار انتخاب ایسا آسان اور سستا بنایا جائے کہ ایک غریب مگر اہل شخص بھی انتخابات میں حصہ لینے کے بارے میں سوچ سکے۔ چونکہ موجودہ سیاست تو (الا ماشاء اللہ) اسلام کے نام پر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ہاتھ میں ہے۔ موجودہ جمہوریت کا تصور ڈکٹیٹرشپ کے مترادف ہے۔ جمہوریت کے نام پر بنے ہوئے صدر اور وزراء ڈکٹیٹروں کی طرح اپنی پارلیمنٹ سے صرف وہی کام کرواتے ہیں جو ان کی مرضی کے عین مطابق ہو۔ حالانکہ یہ سراسر اسلام کی خلاف ورزی ہے۔ بقول مولانا مودودیؒ "اسلامی اسٹیٹ بہرحال اس قانون پر قائم ہوگا جو خدا کی طرف سے اس کے نبیؐ نے دی ہے۔ اور اسلامی اسٹیٹ کو چلانے والی گورنمنٹ صرف اس حال میں اور اس حیثیت سے اطاعت کی مستحق ہوگی تاکہ وہ خدائی قانون کو نافذ کرنے والی ہو[1]۔" حقیقت یہ ہے کہ آج مسلمان اسلامی نظام سیاست سے قطعاً نابلد اور ناآشناس ہیں۔ انہوں نے یورپی انداز میں سیاست پر اپنی حکومتیں بنائی ہوئی ہیں۔ عدل وانصاف اور حقوق اور فرائض کے تقاضوں سے کوئی دلچسپی نہیں ورنہ اسلامی نظام حکومت میں معاشی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی مسائل کا احسن انداز سے حل موجود ہے وہ پوری نظام سیاست سوچ بھی نہیں سکتی۔ لہذا جب تک ایسے لوگوں کے ہاتھ میں زمام اقتدار نہ آئے جو خوف خدا اپنی ذمہ داری کا احساس نہ ہو دنیا پر آخرت کو ترجیح نہ دیتے ہوں۔ جن کی تمام سعی وجہد کا ہدف مقصود خدا کی رضا ہو۔ جو مال و حکومت کے نشے میں بدمست ہو جانے والے نہ ہوں۔ جو حکومت کو امانت سمجھ کر لیں تاکہ جاگیر بنا کر استعمال کریں جو قوم کی بہتری اور خوف جوابدہی میں راتیں بے چینی گزاریں اور لوگ ان کی طرف اپنی جان ومال عزت و آبرو کو محفوظ سمجھیں۔ اس وقت تک اسلامی حکومت نہیں بن سکتی۔ یہ سب کچھ ایک طویل جدوجہد اور جذبہ عمل سے سرشار انقلابی تحریک کے بغیر ناممکن ہے۔

سربراہان کے لئے سردست کرنے کے کام:- ۱۔ دفاع ملک کے لئے وسائل قوت کی فراہمی۔ ۲۔ وسائل معاشی کی توسیع اور ہر فرد کی ضرورت کا معقول انتظام ۳۔ اسلامی قوانین کا نفاذ ۴۔ علم کا فروغ

---

[1] اسلامی ریاست ص ۱۲۸ از مولانا مودودیؒ

اور علماء کی عزت افزائی اور پرورش - ۵ - اوامر اور نواہی کے لئے ہر ملک کے صاحب علم تقویٰ لوگوں کی قومی سطح کمیٹی جس کو حکومت اور انتظامیہ کا بھرپور تعاون حاصل ہو - ۶ - نظام عبادات اور بیت المال خلافت راشدہ کی طرح قیام ۷ - نظام عدل کا حقیقی شعار اور ظلم کا استحصال - ۸ - عیاشی کی بیخ کنی اور حوصلہ شکنی - ۹ - دوسرے ممالک سے قیام امن کے لئے تعاون

مذہبی اختلافات کا خاتمہ،

اہم تقاضا

فرقہ پرستی اور مذہبی انتشار کی مرض آج ملت اسلامیہ کے رگ و ریشے میں اس طرح سرایت کر گئے ہیں کہ اب یہ مرض کچھ لاعلاج نظر آنے لگا ہے۔ مسلمان بیکل معمولی اور فروعی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ لہٰذا اس کے تدارک کے لئے موثر منصوبہ بندی اور اس کے خطرناک نتائج کے تدارک کے لئے کا حقہ کوئی قابل عمل حل تلاش کرنا اشد ضروری ہے کیونکہ یہ مذہبی حلقوں تک محدود نہیں رہا اس کے اثرات عالمی سطح پر پہنچ رہے ہیں۔ ہمارے گردوپیش سرعت سے تغیر پذیر حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہمیں ہر حال اندرونی اختلافات ختم کر کے عالمی سطح پر اسلام کی نصرت کے لئے کوششیں کرنی چاہئیں۔ میں یہاں صرف ان چند قابل عمل حل اُمت مسلمہ کے ارباب اختیار کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

۱۔ قرآنی تصور وحدت پر عمل (وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا) (آل عمران: ۱۰۳) کے تحت اخوت و اتحاد کی دعوت اور تفرقہ و انتشار کی مذمت پر زور دیا گیا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد نسل و رنگ اور و قبائل پر مبنی تفاخر کے بتوں کو توڑ کر ایک مرکز پر دائمی وحدت کے رشتے میں منسلک کرنا ہے لہٰذا مسلمان اپنی اجتماعی اور انفرادی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اس خدائی حکم پر عمل پیرا ہوں۔

۲۔ جسد واحد کا تصور:۔ ملت اسلامیہ حضورؐ کے فرمان کے مطابق "کمثل الجسد" ہے۔ جس طرح جسم کا کوئی حصہ دوسرے حصہ سے برسرپیکار نہیں ہو سکتا بلکہ جسم کے کسی حصہ کی تکلیف برداشت نہیں کرتا اور تمام اعضا جسم کی بیرونی خطرات سے بچانے کے لئے ہمہ وقت پورا جسم بیدار رہتا ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کے مختلف طبقے اور فرقے جسد ملت کے عضو ہیں۔ ایک دوسرے سے برسرپیکار ہو کر نہ صرف انفرادی سلامتی کو تباہ کر رہے ہیں بلکہ اجتماعی خطرات مول لے رہے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے درخت کے تنے اور ایک شہر کی سلامتی

سے بے نیاز ہو کر شاخوں اور اپنے گھروں کی حفاظت کی امید رکھی جائے ۔

۳ ۔ سقوطِ بغداد کے واقعہ سے عبرت پکڑتے ہوئے مسلمانوں کو متحد ہونا چاہیئے ۔جہاں شیعہ سنی اختلافات سے پوری ملت کا شیرازہ بکھرا اور صدیوں کی تہذیب و ثقافت اور علمی ورثہ ضائع ہوا ۔ دشمنی کی تلوار شیعہ سنی دیوبندی ، بریلوی ، اہلحدیث کی تمیز نہیں کرتی ۔ تاریخی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ۔ دیکھیو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

۴ ۔ نسبتِ محمدیؐ کو بنائے اتحاد بناتے ہوئے انکی مکمل پیروی و اتباع پر عمل کیا جائے کیونکہ یہی نسبت ہمیں یہودیوں اور عیسائیوں سے ممتاز کرتی ہے ۔ ورنہ کسی حد تک توحید کے تو وہ بھی قائل ہیں ۔

۵ ۔ تفرقہ باز لوگوں کے ساتھ قرآن فرماتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی گروہ ہو گئے (اے نبی) آپ کا ان سے کوئی علاقہ نہیں[1] کے مطابق انقطاع تعلق کر دیا جائے ۔ اس میں بہت بدنصیبی اور بدبختی کا ذکر ہے ۔ اور تفرقہ بازوں کے لئے عبرت ہے ۔

۶ ۔ عقائد اور اعمال کے مشترک پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے اتحاد ممکن ہے کیونکہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان بنیادی اور اتنقادی قدریں سب مشترک ہیں ۔ سب مسلمان توحید و رسالت وحی و آخرت ، ختم نبوت ، نماز روزہ ، زکوٰۃ و حج کی فرضیت پر یکساں ایمان رکھتے ہیں ۔ باقی فروعی خشک علمی اختلاف کوئی حقیقت نہیں رکھتے

۷ ۔ بلاجواز شرعی کلمہ گو کو کافر ، مشرک ، بدعتی ، گستاخ جیسے کلمات کہنے کی ممانعت ہونی چاہیئے ۔

۸ ۔ مثبت اور غیر تنقیدی اسلوب تبلیغ ۔ مثلاً اعتقادی عملی اور اخلاقی و روحانی زندگی کے اصلاح طلب پہلوؤں کو موضوع گفتگو بنائیں ۔ آج معاشرہ قول و فعل کے تضاد ، منافقت ، ریاکاری ، تضحیح و کذب ، روزمرہ معاملات میں فریب ، عیاری مکاری اور چالبازی جیسی برائیوں سے بھرا پڑا ہے ۔ ان برائیوں کے خلاف جہاد و ذہنیت کی ضرورت ہے ۔

۹ ۔ دینی تعلیم کے لئے مشترکہ اداروں کا قیام جو بلا امتیاز مسلک تعلیم دیں ۔ کیونکہ آج ہر مسلک اپنے حلقہ درس میں مخصوص ذہن تیار کر رہا ہے ۔

۱۰ ۔ علماء کے عصری تعلیم کا بندوبست : تاکہ جدید علوم کے مطالعہ سے واقفیت ہو ۔

۱۱ ۔ تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کے لئے موثر روحانی تربیت کا اہتمام جس سے نفاق ، حسد ، بغض اور بداخلاقی جیسی برائی کا علاج ہو سکے ۔ علاوہ ازیں ارباب اختیار کے لئے چند تجاویز قابل غور ہیں ۔

---

[1] سورۃ آل عمران ۳ : ۱۰۳ ۔ [2] سورۃ الانعام ۶ : ۱۰۹

I۔ مذہبی سطح پر منفی اور تخریبی سرگرمیوں کے خلاف عبرت ناک تعزیرات کا نفاذ کیا جائے۔

II۔ تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء پر مشتمل سپریم کونسل قائم کی جائے تاکہ باہم گفت و شنید ہو سکے۔

III۔ منافقانہ اور خفیہ فرقہ پرستی کی حوصلہ شکنی کے لیے عملی اقدامات ضروری ہیں۔

IV۔ ہنگامی نزاعات کے حل کے لیے سرکاری سطح پر مستقل مصالحتی کمیٹی قائم کی جائے۔

قانون کی حکمرانی RULE OF LAW کیوں ضروری ہے؟

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانوں نے اپنی طویل تاریخ سے تلخ تجربوں کے بعد یہ سبق حاصل کیا ہے کہ مہذب زندگی کے قیام و بقا کا انحصار قانون کی حکمرانی پر ہے' اپنی روح اور حقیقت کے اعتبار سے قانون ایک ایسی ناگزیر ضرورت ہے جس سے انسانی معاشرے کو مفر نہیں ہے اسی قانون کی وساطت سے اجتماعی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ مظالم کی روک تھام، حقوق کی حفاظت اور عدل و انصاف کا قیام عمل میں آتا ہے قانون نے شہری ضروریات سے جنم لیا ہے اس لئے انسان کے دل و دماغ میں اس کی پابندی ایک پسندیدہ فعل کے طور پر جاگزیں ہوتی ہے۔ معاشرے کی انفرادی اور اجتماعی ضروریات تقاضا کرتی ہیں کہ جماعتی زندگی ایک قانونی نظام کی بنا پر استوار کیا جائے

بلاد اسلامیہ سے غیر اسلامی قانون کا خاتمہ

ہر آدمی اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہر قانون اپنی مذہبی روایات کا حامل ہوتا ہے کہ لحاظ سے کسی دوسری قوم کا قانون قبول کر لینا گویا اس کی غلامی اور چاکری کی بدترین شکل ہے کہ سے قوم اپنی روایات سے منہ موڑ کر غیروں کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالتی ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ سوائے سعودی ریاستوں کے سب اسلامی ممالک میں مغربی تہذیب کے غلبے کے ساتھ ساتھ یورپی قانون بھی رائج ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے ممالک میں ایسے غیر مانوس اور بیگانہ قوانین کو بالادستی حاصل ہو گی جن میں نہ مسلمانوں کے ماضی کی کوئی جھلک تھی اور نہ ان میں مسلمانوں کے موجودہ مسائل کا کوئی مداوا تھا۔ اس سے براہ راست اسلامی اقدار کو نقصان پہنچا اور نظام عدل و انصاف کا تصور ختم ہو گیا جو اسلامی نظام کی امتیازی خصوصیت تھی، نتیجہ جرائم میں کثرت حکم عدولی میں نکلا۔

لہٰذا ضروری ہے کہ دیگر تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک اپنی اپنی ریاستی قانون کو از سر نو اسلامی رنگ میں ڈھالیں تاکہ معاشرہ میں دینی اقدار کا احیاء ممکن ہو سکے۔

اسلامی قانون کا نفاذ کیونکر ممکن ہے

جسمانی قانون کی طرح اسلامی قانون بھی جسم اور روح سے مرکب ہے۔ قانون کے اندر کارفرما معنوی اس

اصلی روح ہوتی ہے اور اپنی بالادستی تسلیم کراتی ہے، ورنہ جو قانون دل و دماغ پر اقتدار و غلبہ حاصل نہ کر سکے وُہ مردہ جسم کی مانند ہوتا ہے اس غلبہ و تسلط کے لئے دو طرح کی نوعیت ہوتی ہے اب خالص روحانی اور اخلاقی نوعیت سے قانون کی تقدیس و احترام کا وہ جذبہ ہو جو قانون کی خالص اطاعت کرنے والوں کے قلوب میں جاگزیں ہو اور دل و دماغ اس کی اطاعت قبول کریں۔ یہ صورت قانون کو لوگوں کے ان بنیادی عقائد سے ہم آہنگ کئے بغیر نہیں پیدا ہو سکتی جن پر لوگوں کا ایمان ہو۔

۲۔ دوسرا ذریعہ، وہ جبر و اکراہ ہے جو نفاذِ قانون کے لئے عمل میں لایا جاتا ہے، یہ باقاعدہ نظام عقوبات ہے جن کی آگے تفصیل آرہی ہے۔

احتکار : سے مراد دولت سمٹ کر کسی ایک طبقہ میں محصور و محدود ہو جائے۔

اکتناز : دولت کے عظیم الشان خزانے چند افراد کے پاس جمع ہو جائیں اور ان کے پھیلاؤ اور تقسیم کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔ اسلام ان دونوں طریقوں کو غلط تسلیم کرتا ہے۔ سودی لین دین کے بعد یہی صورت تجارت کا باعث ہے۔

قمار یا سٹہ : جوئے کی طرح تمام ایسی صورتیں جو تجارت کے نام سے کی جاتی ہیں سود، احتکار سب ملعون صورت۔

منشیات کا انسداد : بھی اپنی جگہ معاشی استحکام کے لئے ضروری ہے۔

سرمایہ اور محنت میں توازن : اسلام کے ہاں سرمایہ اور محنت میں ایک معتدل نظام قائم کر رکھا ہے، جس سے مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ کی گنجائش ہی نہیں رہتی اس سلسلے میں سرمایہ دار جتنے طریقوں سے مزدور پر ظلم کر سکتا تھا اس کا انسداد کیا گیا ہے تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو۔ اسلام کا اقتصادی نظام صہ۲۹۶ ، ۲۹۵ جدید معاشی افکار وغیرہ

عیش و تنعم : انفرادی عیش و تنعم کی حوصلہ شکنی کے لئے اخلاقی اور آئینی پابندیاں حکومت کی ذمہ داری ہے۔

زکوٰۃ و عشر : اور صدقاتِ واجبہ و نافلہ اور وراثت کے قوانین کی کے صحیح نفاذ اور اجراء سے ایک مثالی معاشی نظام بنایا جا سکتا ہے مگر افسوس کہ اتنے آفاقی اور خوشگوار معاشی نظام اور قوانین و شرائع کی روشنی میں بھی مسلمان آج غیروں کے محتاج ہیں اور فرہنگی قوانین و نظام سے وابستگی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں ؎

بتوں سے تجھ کو امید خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی کافری کیا ہے

علاوہ ازیں • غیر مسلم اقوام جو مسلمانوں کے ازلی وابدی دشمن ہیں ان سے مکمل طور پر معاشی آزادی کا حصول • غیر مسلم اقوام کے قرضوں سے نجات حاصل کرنا • پورے اسلامی ممالک میں باہم تعاون سے بھاری صنعتیں لگانا • کمیونسٹ اور سوشلسٹ بلاک سے قطع تعلق • اور عالمی اسلامی بنک کے ذریعے پورے مسلم ممالک میں متفقہ کرنسی جیسی تجاویز، وقت کے اہم معاشی تقاضے ہیں اور ملکی و انفرادی طور پر • تمام ضروریاتِ زندگی میں سادگی کے رجحان کا فروغ • سرکاری سطح سے عملاً تذین و آرائش کے رجحانات کی مکمل حوصلہ شکنی • سرکاری افسران اور ملازمین کے درمیانی تفاوت معاش کو ختم کیا جائے • مزدور اور چھوٹے ملازمین کو ان کی بنیادی ضرورتوں کے خصوصی اہتمام • محنت کش طبقوں کو سرمایہ کاری اور صنعت میں مناسب حد تک منافع میں شریک ہو جاتا تاکہ وہ غیر فطری معاشی تنگی سے بچ سکیں۔
• صحیح اور قابلِ عمل نظام محصولات Taxes کو اس طرح بدلا جائے کہ غیر قانونی اقدامات کا وقوع نہ ہو سکے۔ • تمام غیر قانونی تجارت مثلاً سمگلنگ اور بے جا اخراجات آرائش و زیبائش کا خاتمہ کیا جائے • اور انفرادی طور پر فلسفہ اتفاق پر عمل کرایا جائے۔

شرعی عدالتوں کا قیام : غیر اسلامی قانون سے اسلام کے نظام عدل کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ۱۔ مظلوم طبقے کو اس نظام کے تحت فطری تقاضوں کے مطابق انصاف نہیں ملتا ۲۔ غیر اسلامی نظامِ عدالت بہت کھٹک مہنگا اور غیر تسلی بخش ہے۔ ۳۔ کئی کئی سال بعد بھی انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ ۴۔ ان عدالتوں میں رائج نظام وکالت بھی انصاف کی راہ میں شدید رکاوٹ ہے یہ ایک مہنگا کاروبار بنا ہوا ہے۔ ۵۔ اس وکالت کے نظام میں غریب لوگ عدالت کا رجوع ہی نہیں کر سکتے۔ جو کرتے ہیں وہ اتنی رقم نہیں دے سکتے۔ کہ ان کو حق ملے۔ اس کے برعکس اسلام کے ہاں باقاعدہ نظام شہادت ہے۔ لہٰذا عصر حاضر کا اہم ترین قانونی تقاضا یہ ہے کہ صحیح اسلامی قانون کا نفاذ ہو تاکہ مسلمان خدائی نظام عدل و انصاف سے مستفید ہو سکیں۔ قاضی (جج) کے لئے ضروری ہے کہ وہ امر ونواہی، جدید علوم، حدود و تعزیرات و دیگر فقہی اجتہادی مسائل سے آگاہ ہو۔

نظام عدل کا پرچار و نفاذ : خلقِ خدا آج ظلم و بربریت کا شکار ہے۔ دنیا میں فسادات کی آگ لگی ہوئی ہے لوگوں کو ناحق قتل کیا جا رہا ہے۔ کسی کی عزت محفوظ نہیں۔ دنیا سپر طاقتوں کی شکارگاہ بنی ہوئی ہے۔

لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں کے پاس قرآن کریم جیسی پاکیزہ قوانین کی لازوال دولت موجود ہے۔ خدا کے افضل ترین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تشریحات اور صحابہ کرام کے

عملی نمونے محفوظ ہیں مسلمانوں کا فرض تو اس خوفزدہ دنیا کو پیغام عافیت سناناتھا۔ مگر آج تقریباً ۴۵ آزاد مسلم ریاستوں میں اس نظام عدل سے محرومی ہے۔ (سوائے سعودی ریاستوں کے) اس بدقسمتی پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے اور تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

اسلامی سزاؤں کا نفاذ : اسلام نے لوگوں کے جان کا تحفظ، عزت کا تحفظ، مال کا تحفظ، ایمان کا تحفظ، برقرار رکھنے کے لئے پاکیزگی گفتار، کردار کے لئے اور معاشرے میں ہر طرح کا امن و امان برقرار رکھنے کے لئے تین قسم کی سزاؤں کا تعلق ضرور ٹھہرایا ہے۔

۱۔ **حدود :** تہمت، ڈاکہ، زنا، سرقہ، شراب نوشی، ارشاد جیسے جرائم پر
۲۔ **قصاص :** قتل عمداً، قتل خطا اور دیگر اقسام قتل کے لئے قصاص و دیت کا نفاذ
۳۔ **تعزیرات :** ان کا دائرہ وسیع ہے جو حالات و واقعات کے مطابق امیر یا قاضی کے اختیار میں ہے۔

اگر ان قرآنی سزاؤں کا صحیح معنوں میں نفاذ کیا جائے تو اسلامی معاشرہ ان تمام مفاصد سے صاف ہو جاتا ہے۔ ان میں سراسر انسان کی بھلائی و مضمر ہے........ جو لوگ اسلامی سزاؤں پر تنقید کرتے ہیں۔ آج مغربی معاشرے کے جرائم ان کے سامنے ہیں

کے حکیمانہ اصول کے مطابق موجودہ تہذیبی معرکہ جیتنا ہے ۔مسلمانوں کو تہذیب و ثقافت کے اصول کسی قوم سے عاریتاً لینے کی ضرورت نہیں بلکہ ان خدائی تمدنی اصولوں کو نافذ کرنے کی ضرورت ہے ۔

تاریخ وادب کی ازسرنو تدوین: مسلمانوں کی تاریخ وادب اسکی تہذیب کے ماخذ ومصادر ہیں غیروں کی ریشہ دوانیوں سے ہماری تاریخ اور ادب مغربی تہذیبی اثرات سے صاف ستھرے ہونے چاہئیں ۔

۱۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ——— اس کے تقاضے

ارشاد خداوندی ہے ۔وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۔[1] ترجمہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور انہیں معروف کا حکم دے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہوں گے ۔ دوسرا ارشاد ہوتا ہے ۔کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر[2] ۔ترجمہ: تم وہ بہترین امت ہو جو تمام لوگوں کے لئے بھیجی گئی ہے ۔تمہارا منصب یہ ہے کہ تم انہیں معروف کا حکم کرتے رہو۔ گویا دونوں آیتوں کے مفہوم کو ملا کر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس فریضہ دینی کو ادا کرنے کے لئے امت مسلمہ میں سے ایک ایسی جماعت ضرور ہونی چاہیئے جو ہر قسم کے دینی و شرعی معاملات میں تمہاری رہنمائی کرے ۔ اور تمہارے تمام ملی اور اجتماعی مسائل حل کرے ۔

"خیر" علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ خیر سے مراد اتباع قرآن وحدیث ہے[3]

معروف اور منکر کا مفہوم: ۔معروف کے لغوی معنی ہیں جانا پہچانا ۔اور منکر کے غیر جانا پہچانا ۔امام راغب کے نزدیک معروف سے مراد وہ فعل ہے جس کو عقل یا شرع بہتر سمجھے ۔اور منکر وہ ہے جس کو یہ دونوں برا جانیں ۔مفسرین کی تصریح کے مطابق معروف میں وہ تمام احکام آجاتے ہیں جن کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور منکر میں وہ تمام منہیات داخل ہیں ۔جن سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے ۔اس طرح ان دو الفاظ میں پورا دین سمو دیا گیا ہے اور پورے دین کی روح یہی معروف اور منکر ہیں سارا دین الٰہی دو امور کے گرد گھومتا ہوا نظر آتا ہے ۔جس نے معروف و منکر کی حقیقت کو سمجھ لیا ۔اس نے دین الٰہی کی رمز کو پالیا ۔موجودہ دور میں معروف و منکر کی صحیح ادائیگی ہی کے باعث اسلامی اور انسانی معاشروں کی اصلاح عمل میں آسکتی ہیں ۔

تقاضے: ۔۱۔ تبلیغ دین: ۔مسلمانوں پر جہاں اطاعت واحکام الٰہی فرض ہے وہاں اشاعت الٰہی بھی فرض ہے ۔اس کے لئے ایک سیاسی جماعت کا ہونا اشد ضروری ہے ۔جو پوری ملت اسلامیہ کی

درمیان ایک نگران اعلیٰ اور قائد کی سی ہو۔

۲۔ مبلغ کے اوصاف:۔ اس سے یہ تقاضا بھی سامنے آتا ہے کہ اس جماعت کو دینی و دنیاوی تمام مسائل پر عبور ہونا چاہیئے تاکہ وہ ملت کی صحیح صحیح راہنمائی کر سکے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ[۴]

کے تحت حکمت و دانائی، اچھی نصیحت اور اچھا طریقہ استدلال کا ہونا مبلغ میں بدرجہ اتم موجود ہونے چاہیئں تبلیغ اپنے حلقے خاندان اور گھر سے شروع کرے لہٰذا مسلمانوں کو پہلے خود با عمل ہونا چاہیئے اور اپنے اسلامی ممالک کا نظام سیاست، عدالت اور معیشت درست کر کے پوری دنیا کو اس کی طرف مدعو کیا جائے۔ ہم جماعت کے افراد کا جدید علوم کو جاننا باکردار با اثر اور پر وقار شخصیت ہونا ضروری ہے۔

اس قسم کی جماعت کو ہر قسم کی قومی، لسانی اور جغرافیائی تعصبات اور سیاسی عصبیتوں سے بالا ہو کر پوری امت کے مفاد کے لیئے کام کرنا چاہیئے۔

غلبۂ دین کی بحالی کیلئے جدوجہد اور سیاسی غلبہ کی ناگزیریت

خلافت کا بارگراں ابتدائے آفرینش آدم سے لے کر موجودہ دور تک نوع انسانی کے مختلف طبقات اور مختلف اقوام کو مختلف اوقات میں برابر سونپا جاتا رہا اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی خاطر انہیں تنبیہ کی جاتی رہی۔ تاآنکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو قرآن نے مقصد بعثتِ محمدی کا ذکر یہ کیا۔ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ۔ کئی اور مقامات کی طرح یہاں بھی قرآن واضح الفاظ کے ساتھ امتِ مسلمہ کو یہ یاد کر رہا ہے کہ حضورؐ کو دین حق یعنی اسلام اور ہدایت کا ملہ دے کر صرف اس لیئے دنیا پر بھیجا تھا کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام ادیان باطلہ کے مقابلے میں دین اسلام کو غالب اور فائز کر سکے۔ گویا دین کا منشا و مقصود ہی غلبہ و فوقیت ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔ ترجمہ: "جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے تو اُن سے اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ انہیں زمین پر ضرور اقتدار دے گا۔ جیسا کہ اُن سے پہلے والوں کو دیا تھا اور اُ

---

[۱] آل عمران ۳: ۱۰۴ [۲] آل عمران ۳: ۱۱۰ [۳] اسلام کی نشاۃ الثانیہ قرآن کی نظر میں از شہاب الدین ندوی [۴] سورۃ نحل ۱۲۵ [۵] بحوالہ شہاب الدین۔

دین کو اور مضبوطی سے جما دے گا جس کو اس کے حق میں پسند کر لیا ہے ۔ اور ان کے خوف کو وہ امن سے بدل دیگا (بشرطیکہ) وہ میری عبادت کرتے رہیں ۔ اور کسی کو میرا شریک نہ بنائیں ۔ اس واضح حکم کے بعد جو لوگ اس حقیقت سے انکار کر لیں گے وہ لوگ بدکردار ہوں گے[۱] چنانچہ آیت میں اللہ نے مقصد دین و رسالت بیان کیا ہے ۔ اور دوسری میں شرائط خلافت اور نتائج پر روشنی ڈالی ہے ۔ یعنی جس دین حق کا اللہ نے ارادہ کیا ہے وہ غالب ہوگا ۔ تو اسے کیا فائدہ حاصل ہوگا ۔

سیاسی اقتدار سے یہ فوائد حاصل ہوں گے: I دین کا پوری طرح نفاذ ہو سکے گا ۔ II خوف کو امن میں بدل دے گا یعنی انہیں ہر طرح کا تحفظ حاصل ہوگا ۔ III نظام عبادت قائم ہوگا IV اور خالص توحید کا پرچار ہوگا ۔ معاشرہ ہر قسم کے شرک سے پاک ہوگا ۔ ایک دوسری آیت میں صلوٰۃ کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے ۔ مطلب یہ کہ یہ تمام چیزیں جو آج کل مفقود ہیں ۔ اور عالم انسانی ان کی خاطر حیران و پریشان ہے پوری دنیا خطرات میں گھری ہوئی ہے ۔ مسلمان عبادت سے کتراتے ہیں ۔ اور آج خدا کو چھوڑ کر سپر طاقتوں کی (فکری و ذہنی) پوجا ہو رہی ہے ۔ لہٰذا غلبہ دین حق کی بحالی کے لئے جدوجہد اور کوشش کرنا فرائض دینی میں سے ہے ۔ قبل ازیں ایمان بالرسالت کے تقاضوں میں سے یہ ذکر ہو چکا ہے کہ "نصروا" سے مراد یہی انقلابی جدوجہد میں حصہ لینا ہے ۔ اس کے مطلوبہ نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہمہ گیر انقلابی تحریک کا آغاز کیا جائے اور کفر و طاغوت کے خلاف ایسی غیر مصالحانہ جنگ کا آغاز کیا جائے جو بالآخر فیصلہ کن ثابت ہو ۔ قرآن مجید میں اس کی طرف اس طرح آیا ہے ۔

ترجمہ: ۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ وہ حق کو ثابت کرے اپنے حکم سے اور کافروں کی جڑ کاٹ تاکہ سچ ثابت کر دے اور جھوٹ کو مٹا دے اگرچہ اس کو مجرم لوگ ناگوار ہی سمجھتے ہوں[۲] ۔ اس سے مراد اگرچہ ابتدائی دور ہے مگر آیت کا منشا یہ ہے کہ جب تک باطل رہے گا خدا کا ارادہ اسی طرح رہے گا ۔ مسلم معاشرے کو وجود میں لانے اور اس کی حفاظت کرنے کے لئے جہاں دانی اور جہاں بانی کی ضرورت ہے ۔ کسی کمزور قوم یا معاشرے میں اخلاقی قدریں بھی پنپ نہیں سکتیں ۔

---

[۱] ۔ سورۃ نور آیت (۵۵) [۲] سورۃ فتح آیت (۱۷)

۲۔ جہاد ۔ اس کی ضرورت ۔ اس کے تقاضے ۔

تعریف ۔ علامہ شوقانی رح کے بقول "جہاد کے لغوی معنٰی طاقت لگانے یا کسی کام میں انتہائی جد وجہد کرنے کے ہیں ۔ اور شریعت کی اصلاح میں اس سے مراد اللہ کی راہ میں اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق نفس مال اور زبان کے ذریعے جنگ کرنا" [۱] اس تعریف کی رو سے جہاد بالنفس (عملی جہاد) جہاد بالمال (انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے) قولی جہاد (زبان سے جہاد کرنا) ان تینوں اقسام کا ذکر قرآن پاک میں ہے ۔ ایمان باللہ کے ایک تقاضے کے طور پر قرآن میں ذکر کیا گیا کہ عدم جہاد سے بعض لوگوں کے ایمان کا نقص بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ جہاد سے رخصت مانگتے ہیں ۔ "لکن الرسول والذین معہ جاھدوا باموالھم و انفسھم"، لیکن رسول ؐ اور اس کے ساتھی جو ایماندار ہیں ۔ انہوں نے اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا [۱] ۔ اس قدر جہاد کی اہمیت کیوں ہے ۔ اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ ایک مثال بلکہ اس کا فلسفہ سمجھاتے ہیں ۔ کہ "تمام شریعتوں میں سب سے مکمل شریعت وہی ہو سکتی ہے جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو ۔ کیونکہ اللہ کا اپنے بندوں کو امر ونواہی کا مکلف ٹھہرانا ایسے ہی ہے جیسے کسی طبیب کے نوکر چاکر بیمار ہو گئے ہوں ۔ وہ اپنے کسی خاص آدمی سے دوا پلانے کو کہے ۔ اگر وہ آدمی ان بیماروں کو زبردستی دوا پلائے تو وہ حق بجانب ہو گا لیکن شفقت اس کی متقضی ہے ۔ کہ وہ پہلے دوا کے فوائد بیان کرے ۔ آگے فرماتے ہیں کہ نوع انسانی کے تعلق سے اللہ تعالٰے کی رحمت کاملہ کا تقاضہ ہے کہ وہ اس کو حسن عمل کی طرف لے جائے ۔ ظالم کو اس کے ظلم سے روکے اور انسان کے تمام عائلی و اجتماعی معاملات کو درست کرے ۔ اس اعتبار سے وہ تمام علاقے جو فاسد ہو چکے ہوں اور جن پر درندہ صفت انسان غالب ہوں ۔ وہ جسم انسان کے ایک ناسور کی طرح ہیں جنکو کاٹ کر پھینکے بغیر انسانی جسم درست نہیں ہو سکتا [۲] ۔ مزید آگے چل کر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت خلافت عام کے ساتھ ہوئی ہے ۔ دیگر ادیان پر آپ کے دین کا غلبہ صرف جہاد اور آلات کی تیاری ہی کے ذریعے برپا ہو سکتا ہے ۔ لہٰذا اگر اہل جہاد کو ترک کر دیں اور بیلوں کے دموں کے پیچھے پڑ جائیں تو ان کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا ۔ اور دیگر اہل مذاہب ان پر چڑھ دوڑیں گے [۳]

حاصل بحث یہ کہ ملت اسلامیہ کی زندگی کا دارومدار جہاد اور صرف جہاد ہے ۔ اور یہی ہماری بیماری کا علاج ہے ۔ دکھوں کا دارومدار اور ہمارے اجتماعی اور بین الاقوامی مسائل کا واحد حل ہے ۔ جہاد ہی ہماری تمام ملی سرگرمیوں کا محور اور ہماری فوجی وعسکری اور سائنسی وصنعتی تیاریوں کا مقصود اصلی ہے ۔ جو قوم جہاد کی اسپرٹ حاصل کرے وہ دنیا میں کبھی ناکام نہیں ہو سکتی ۔

جہاد کے تقاضے ۔ ۱۔ جذبہ ایمان :۔ اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر جانوں اور مالوں کی قربانی دینا

---

[۱] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۷/۹۷ مطبوعہ کراچی [۲] حجۃ اللہ البالغۃ ۲/۱۷۳ [۳] ایضاً

اس راہ میں جدوجہد کرنا ۔ دنیا ہتھیلی پر رکھ کر اللہ کی راہ میں کام کرنا ۔

جدید صنعتی ترقی :۔ عصر حاضر میں جہاد کی تیاری کے لئے جدید سے جدید تر تمام صنعتوں میں برتری حاصل کرنے کے لئے مختلف مصنوعات اور مختلف دھاتوں کا علم حاصل ہونا ۔ اور موجودہ تقاضوں کے مطابق اسلحہ اور دیگر جنگی سازوسامان خود تیار کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا ۔ فریضہ جہاد کی دینی فرضیت اور اہمیت کو مسلمانوں پر پیش کرنا تاکہ اس طرف توجہ دلائی جائے ۔

۳۔ جوہری توانائی

یہ بیسویں صدی کی سب سے اہم دریافت ہے جس نے عصر جدید میں ایک تہلکہ مچا دیا ہے اور اس کی فوجی اور عسکری اہمیت کی بنا پر اس کو حاصل کرنے کے لئے آج دنیا کا ہر ملک بے چین نظر آتا ہے ۔ اسی وجہ سے ترقی یافتہ قوموں کے درمیان لا متناہی رقابت شروع ہو چکی ہے ۔ آج کسی ملک کی ترقی کا اندازہ اسی لحاظ سے لگایا جاتا ہے ۔ الحمد للہ اب پاکستان بھی اس میدان میں فخر سے سر بلند کر سکتا ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے۔

محمد اعجاز بھٹی۔ خیبر میڈیکل کالج پشاور

آغاز ہے اس رب ذوالجلال کے بابرکت نام اور لافانی کلام سے جو تمام ابتداؤں کی ابتدا اور انتہاؤں کی انتہا ہے تعریف کے لائق ہے صرف وہی ذات قدیم جس نے نہ صرف اپنے بندوں کی تخلیق کا سامان کیا بلکہ ہمیں اسلام جیسا نظام حیات عطا کر کے ہم پر اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا

ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط

"آج کے دن میں نے اس دین کی تکمیل کر دی اور تم پر اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا۔ اور تمہارے لئے (ہر دور میں) اسلام کو بطور دین پسند کر لیا"

کلام اللہ کی یہ آیت مبارکہ بذات خود ہر مسلمان کے لئے ایسی نعمت غیر مترقبہ اور بشارت کی حیثیت رکھتی ہے جس کے بعد کسی مزید بہتر نعمت کی، یا کسی دوسری بشارت کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ یہ وہ روشنی ہے جو ہر دور کی ظلمتوں کا سینہ چیر کر اپنا راستہ خود بنا لیتی ہے۔ یہ وہ صدائے بازگشت ہے جو انسان کے دل سے ٹکرا کر اپنے منبع کی طرف لوٹ جاتی ہے اور جاتے جاتے ہر زمانے میں ان انسانوں کی رہنمائی کرتی چلی جاتی ہے جو خواہ بصارت سے محروم سہی، لیکن بصیرت سے بیگانہ نہیں ہوتے، جو ہر دور کے تقاضوں کو صرف اور صرف اسلام کے آفاقی نظام حیات کے تابع سمجھتے ہیں اور جو اللہ کی آیات پر اندھے بہرے بن کر گرنے کی بجائے دن رات ان پر تفکر کرتے نظر آتے ہیں۔

لیکن جس دور میں دیکھنے والے اپنے دل کی آنکھ پر ظلمت کی پٹی باندھ لیتے ہیں، سننے والے اپنے ضمیر کی آواز پر کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں اور پڑھنے والے اللہ کے کلام کو پڑھنے کے باوجود دل سے کچھ نہیں پاتے اس دور کا انسان گرداب زمانہ میں پھنس کر رب ذوالجلال سے رہنمائی نہ ملنے کا شکوہ کرنے لگتا ہے اور تب جلال خداوندی بھی بزبان علامہ اقبال کہہ اٹھتا ہے کہ :۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

تربیت عام تو ہے جوہر قابل ہی نہیں
جس سے تخلیق ہو آدم کی یہ وہ گِل ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

اگر ہم موضوع زیر بحث پر ایک عمیق نظر دوڑائیں تو احساس ہوگا کہ معنوی اعتبار سے یہ موضوع یک معنی نہیں بلکہ ذو معنی ہے۔ لہذا ہم اس موضوع کو مندرجہ ذیل دو نکتہ ہائے نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔

ا۔ کیا اسلام اور قرآن کا عطا کردہ نظامِ حیات دورِ حاضر کے تقاضے پورے کرتا ہے۔

ب۔ دورِ حاضر، اسلام کی سربلندی کے لئے آج کے مسلمان سے کیا تقاضے کرتا ہے؟

تصویر کے یہ دونوں رُخ ایک دوسرے کے ساتھ اس حد تک لازم و ملزوم ہیں کہ محض ایک رُخ کو دیکھنے کے بعد موضوع کی تشنگی کا احساس کم ہونے کی بجائے بڑھنے لگتا ہے۔ اور اس کے باوجود یہ دونوں رُخ اتنی اہم اور جُداگانہ حیثیت کے حامل ہیں کہ ان دونوں کا الگ الگ جائزہ لینا بھی ناگزیر ہے۔

ا۔ کیا اسلام اور قرآن کا عطا کردہ نظامِ حیات عصر حاضر کے تقاضے پورے کرتا ہے۔

ا۔ تمہید

اسلام ایک دینِ فطرت ہے کیونکہ اسے فطرتِ انسانی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرکے اور انسان کی جبلّی ضروریات اور احساسات کو مدِنظر رکھ کر تخلیق کیا گیا ہے۔ اور اسی لئے دینِ اسلام ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت کا حامل ہے۔ کیونکہ یہ تقاضے انسان کے ماحول کی نہیں بلکہ اس کے اپنے وجود کی پیداوار ہوتے ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ ان تقاضوں کا منبع و مخرج یہ کائنات یہ زمانہ نہیں بلکہ انسان کی اپنی فطرت اور ذات ہوتے ہیں۔

کائنات کی ہر چیز خواہ وہ مادی ہو یا روحانی بہت سے عوامل کے زیرِ اثر ہوتی ہے اور انہی میں سے ایک تغیر و تبدل کا عمل بھی ہے۔ لیکن فطرتِ انسانی وہ واحد قوت ہے جو اس عمل میں قطعی مبرا ہے۔ یہ قوت اپنی اسی خاصیت کی بدولت زمانے کے اتار چڑھاؤ سے بے نیاز، ماہ و سال کی گردش سے بے خطر، ہر دور ہر زمانے میں اپنے جُداگانہ وجود کے ساتھ ایک لاتبدیل حقیقت رہتی ہے۔ چونکہ فطرتِ انسانی ہی مختلف تقاضوں کا منبع و مخرج ہے اسی لئے یہ تقاضے بھی ہر دور میں یکساں اور مستقل رہتے ہیں، خواہ وہ عصرِ ماضی ہو، عصرِ حاضر ہو یا آنے والا دور۔ لیکن اتنا ضرور ہوتا ہے کہ ہر دور میں ان تقاضوں کو پورا کرنے کے ذرائع اور انداز بدل جاتے ہیں۔ دراصل اسلام کی آفاقیت اور تا قیامت کمال کا راز بھی اسی مستقل فطرتِ انسانی میں پوشیدہ ہے جو نہ خود تبدیل ہوتی ہے اور نہ ہی انسانی ضروریات

ور تقاضوں کو تبدیل ہونے دیتی ہے اور یوں یہ دین ہر زمانے میں صراطِ مستقیم پر اس کی رہنمائی کرتا چلا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے عوام کی اکثریت لفظ "آفاقیت" کے ایک انتہائی خطرناک حد تک غلط تاثر کا شکار ہے اس کے نزدیک

اسلام ایک آفاقی اور زمان و مکان کی قید سے آزاد دین ہونے کے ناطے ہر ماحول میں ڈھل جانے کے قابل ہے قطع نظر اس کے کہ وہ ماحول اسلامی تصورات اور نظریات کے لئے زہر قاتل کی حیثیت ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔

یہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ آج کا مسلمان جب اپنے مذہب کو باطل مغربی نظریات سے ٹکراتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس دین کی "آفاقیت" پر اس کا ایمان متزلزل ہونے لگتا ہے۔ اسلام کے خلاف مغربی پروپیگنڈہ اس جلتی پر تیل کا کام کرتا ہے اور اس کے ایمان کی متزلزل عمارت کو زمین بوس ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔ پس مغرب کی یہ مادی ترقی، جو اسلام کی نگاہ میں قطعی ناقابلِ قبول ہے، اسے یہ بات سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے کہ آیا وہ جس آئینِ حیات کی پیروی کر رہا ہے وہ "جدید دنیا" کے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل ہے بھی یا نہیں؟ وہ یہ بات محسوس تو کرتا ہے لیکن کہہ نہیں پاتا۔ یہ سوال اس کے دل میں کھٹکتا تو ضرور ہے لیکن اس کا جواب اس سے بن نہیں پاتا۔ وہ دماغ سے سوچتا ہے تو مغربیت اس پر حاوی ہونے لگتی ہے اور وہ دل سے سوچتا ہے تو اس کی غیرتِ دینی اسے مذہب سے دور نہیں جانے دیتی اور اس کی مثال زمین و آسمان کے درمیان معلق اس تنکے کی سی ہوتی ہے جو ہوا کے تھپیڑوں کے رحم و کرم پر کبھی بلندی اور کبھی پستی کی طرف تیر رہا ہو۔

اس لئے آج کے دور کا اولین اور اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ اسلام کی آفاقیت کے اس غلط تصور کا موثر انداز میں قلع قمع کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ اسلام ڈھل جانے کا نہیں بلکہ ڈھال دینے کا نام ہے۔ اسلام خود بدلنے کا نہیں بلکہ دوسروں کو بدل دینے کا قائل ہے اور اسلام کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا نہیں بلکہ عصرِ حاضر کے تقاضوں کو اسلام کے مطابق ڈھالنا ہی صراطِ مستقیم ہے تاکہ مختلف اسلامی اور غیر اسلامی تصورات کے باہم غلط ملط ہونے کو روکا جا سکے اور آج کا مسلمان باطل نظریات کے درمیان بھٹکتے رہنے کی بجائے پورے طور پر اسلام میں داخل ہو سکے۔

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

خلاصۂ تمہید:۔

چنانچہ اگر آج کوئی شخص جانتے بوجھتے یا انجانے میں اسلام کے نظامِ حیات کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے

مقابلے میں ناقابلِ عمل ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو جان لیجئے کہ وہ دراصل اسلام کے مقابلے میں کسی نئے دین، مذہب یا ازم کی وکالت کر رہا ہے۔

۲۔ اسلام کا نظریۂ ارتقاء یا سائنسی اندازِ فکر

اور مغرب سے موازنہ

ہر وہ ذہن جس پر اسلامی تعلیمات کا ذرا سا بھی عکس موجود ہو یہ بخوبی جانتا ہے کہ اسلام دورِ حاضر کے جدید علوم سے نہیں بلکہ جدید روایات سے متصادم ہے۔ اسلام کی جنگ ایجادات سے نہیں بلکہ ان رجحانات سے ہے جو ان ایجادات کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ اور عصرِ حاضر کے ساتھ اسلام کا یہ اختلاف محض جذباتی نہیں بلکہ نظریاتی ہے۔ پس اسلام جس بنا پر مغربی ترقی سے متنفر ہے اور انسانی ترقی کے جس انداز کا خواہاں ہے اسے سمجھنے کے لئے اسلام کے نظریہ ارتقاء یا سائنسی اندازِ فکر کو سمجھنا ناگزیر ہے۔

قرآن کریم خدا کا "قول" اور کائنات خدا کا "فعل" ہے۔ اور ربّ ذوالجلال جیسی مستند ذات کے قول و فعل میں ہم آہنگی کا پایا جانا ایک قدرتی اور لازمی امر ہے۔ پس جس طرح ایک قابلِ اعتبار شخص کا قول اس کے فعل کی اور اس کا فعل اس کے قول کی ترجمانی کرتا ہے اور یہ قول و فعل اس شخص کو جاننے اور پہچاننے کا ذریعہ ہوتے ہیں بالکل ویسے ہی "قرآن اور کائنات" بھی ایک دوسرے کی تشریح کرتے ہیں اور انسان کو خدا کی ذات تک پہنچانے کا اتنا ہی مستند ذریعہ ہیں کہ جتنا کہ خالقِ کائنات بذاتِ خود۔

اگر انسان قرآن پاک کی "آیات" سے شروع کرے تو یہ "نشانیاں" اُسے کائنات کے اسرار و رموز کا وجدان عطا کرتی ہوئی خدا کی ذات تک لے جاتی ہیں اور اس ارتقائی عمل کو "علمِ دین" کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر انسان اس کائنات کے حقائق سے شروع کرے تو یہ حقائق اسے قرآنی آیات کا سہارا لینے پر مجبور کر کے دوبارہ دربارِ خداوندی پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ اور اس ارتقائی عمل کو "علم سائنس" کا نام دیا جاتا ہے۔ پس انسان اپنے دل و دماغ کے حواس کو بروئے کار لاتے ہوئے جہاں سے بھی آغاز کرے اس کی منزل خدا کی ذات ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"طلب العلم فریضۃ علیٰ کلّ مسلمٍ و مسلمۃٍ۔

یعنی "علم" کا حصول ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے"۔

گویا اسلام کا علم کے حصول کو محض دینی علوم تک محدود نہیں کیا گیا بلکہ ہر علم کو خدا کی ذات تک پہنچنے

کا ذریعہ سمجھ کر لازمی قرار دیا گیا ہے۔

پس اس بحث سے ثابت ہوا کہ علم کی ترقی سے اسلام کی مراد "ذہنی ترقی" ہے ایک ایسے "ذہنی رویے" کا پیدا کرنا جو انسان کی دنیوی اور آخروی فلاح کی ضمانت دیتا ہو۔ اور انسان کے وجود میں بصیرت کے ایسے چراغ روشن کرتا ہو جن کی روشنی میں انسان کسی کی انگلی پکڑ کر چلنے کا محتاج نہ رہے بلکہ ہر شعبۂ زندگی میں صراطِ مستقیم کو خود ہی بآسانی تلاش کر لے۔ یہی وہ مخصوص ذہنی روّیہ ہے جو علم سائنس کی بنیاد اور ایک اچھا سائنسدان بننے کی اوّلین ضرورت ہے۔ اسی مخصوص ذہنی رویے کو مغرب والے General Scientific Spirit کا نام دیتے ہیں اور بقول کیمسٹری کے نوبل انعام یافتہ سائنسدان H. A. Krebs کے :

"سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ایک عظیم استاد یا سائنسدان اپنے شاگرد کے ذہن میں حقائق کے بارے میں معلومات سے کہیں زیادہ ایک ذہنی رویہ یا Mental Attitude منتقل کرتا ہے جو اسے سچے معنوں میں سائنسدان بناتا ہے۔

پس اسی مخصوص ذہنی روّیے کی منتقلی کا جو کام مغرب میں ایک "عظیم استاد" سر انجام دیتا ہے وہی کام ہمارے لئے قرآن کرتا ہے اور اپنے "فیضانِ نظر" سے انسان کے اندر وہ ذہنی روّیہ یا Mental Attitude پیدا کرتا ہے جو مغرب کی اصطلاح میں General Scientific Spirit اسلام کی زبان میں "بصیرت" اور اقبالؒ کے اشعار میں "نظر" کہلاتا ہے۔ بقول اقبال

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

اب بات آتی ہے اس مخصوص ذہنی روّیے کو استعمال میں لانے کی۔ یہ بصیرت جو خواہ "علم دین" سے حاصل ہو یا "علم سائنس" سے اُتنے تک بے قیمت اور بے فائدہ ہے جتنے تک اسے استعمال میں لا کر مظاہر قدرت کے اندر موجود اس ربط و ضبط اور نظم کو دریافت نہ کر لیا جائے۔ جو ان مظاہر قدرت کے پیچھے موجود کسی قادر مطلق ذات کی موجودگی پر مہر تصدیق ثبت کر دے۔ اور انسان کا دل ہی نہیں بلکہ دماغ بھی کسی ان دیکھے خدا کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک اندھا قوتِ بینائی سے محروم ہونے کے باوجود اپنے دیگر حواس کو استعمال کر کے دنیا کی ہر چیز کو نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ ان کے موجود ہونے پر کلّی ایمان بھی رکھتا ہے۔

اسلام کے سائنسی اندازِ فکر پر ایک طویل بحث کے بعد جب ہم مغرب کے سائنسی اندازِ فکر پر غور کرتے

ہیں تو یہ سمجھنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی کہ آخر اسلام مغربی اندازِ فکر کی مخالفت کیوں کرتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید عیسائیت میں خدا کا تصور، اسلام کے تصورِ خدا سے قطعی جُداگانہ ہے۔ عیسائیت کا خدا دنیا کا خالق تو ہے لیکن دنیا سے الگ تھلگ ہے اس کو پانے یا راضی کرنے کے لئے دنیا کو چھوڑ کر غاروں اور پہاڑوں میں پناہ لینی پڑتی ہے۔ عیسائیت دین کو دنیا سے الگ کرتی ہے۔ اور دنیا کو پلید اور نجس اور دین کی راہ میں رکاوٹ سمجھتی ہے۔ اسی تصورِ خدا کا براہ راست اثر جدید مغربی معاشرے اور بالخصوص جدید مغربی سائنس پر صدور نمایاں ہے۔ لہٰذا مغرب کا سائنسدان یہ سمجھتا ہے کہ سائنس اس دنیا کی چیز ہے اور اسے خدا کے تصور سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیئے۔ اور مغرب کی بدقسمتی یہ ہے کہ اُن کی بے خدا سائنس مظاہرِ قدرت کی بے خدا تشریحات کو اتنی مدت تک صحیح سمجھتی رہی ہے کہ اب مغربی سائنسدان سائنس کے بے خدا ہونے کو خود سائنس ہی کی ایک ضرورت سمجھنے لگا ہے۔ چنانچہ اس کی پوری کوشش ہے کہ سائنس کی کتابوں میں کہیں بھی خدا کا نام نہ آنے پائے اور جہاں کہیں بھی سائنسی حقائق کی تسلی بخش تشریح کے لئے خدا کی صفات رکھنے والا کوئی تصور ناگزیر ہو جائے وہاں وہ کسی من گھڑت تصور سے کام لے کر لفظ "خدا" کو اپنی بحث سے خارج کر دے۔ پس حیاتیاتی مظاہرِ قدرت کی تشریح کے لئے (Burgson) برگسان کا قوتِ حیات یا (Source of Life) کا مفروضہ، اور (Draish) ڈریش کی (Intelegy) نامی اختراع۔ اور مادی مظاہرِ قدرت کی تشریح کے لئے (James Janes) کا ریاضیاتی ذہن (Mathematical Mind) کا تصور اور ایڈنگٹن (Eddington) کی مادی ذہن یا (Material Mind) کی اصطلاح اسی سلسلے کی مثالیں ہیں۔

چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مادی اور حیاتیاتی سطح پر خدا کے عمل دخل کو تسلیم نہ کرنے سے آج کا مغربی سائنسدان ابھی تک انسان کو ہی نہیں سمجھ پایا اور یہ اس کی انسانی علوم میں لاعلمی اور جہالت ہی ہے جو اس کے پیش کردہ جدید نظریات اور رجحانات کے ساتھ مل کر پوری دنیا میں انسانیت کو گمراہ کر رہی ہے۔ یہ اسی بے خدائیت کا ثمر ہے کہ جدید دور کا انسان اپنی تمام اخلاقی قدروں سے ہاتھ دھو بیٹھا اب انفرادی واجتماعی، ملکی وبین الاقوامی غرض ہر سطح پر انسانیت کو پامال کر رہا ہے۔ کیونکہ جب اذہان بے خدا ہوں انسانی اعمال وافعال کے فلسفے بے خدا ہوں تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ افراد اور جماعتوں کے افعال واعمال بے خدا نہ ہوں۔ چنانچہ عصرِ حاضر میں انسانوں کے بہت سے الجھے ہوئے مسائل مثلاً جنگوں کا غیر متناہی سلسلہ بے راہ روی، غیر محدود جنسی آزادی، فارغ البالی اور دولت مندی کے باوجود عام پریشانی ذہنی بیماریوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور بہیمانہ جرائم کی کثرت وغیرہ سب اسی بے خدا ذہن کا نتیجہ ہیں۔

خلاصۂ کلام :۔ لہٰذا آج کے سائنسدان کے لئے ضروری ہے کہ کائنات کی بنیادی "حقیقت نظم" کی تشریح کے لئے، خدا کا تصور قرآن حکیم سے لے کر اپنی سائنس کو مکمل کرے جس کے بغیر نہ تو علم سائنس ، ہی درجہ کمال تک پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی معاشرتی بیماریوں کے اس سیلاب کو روکا جا سکتا ہے جو عصر حاضر کے انسان کو بے بس تنکے کی طرح بہائے لئے چلا جا رہا ہے۔

۳۔ قرآن حکیم بحیثیت تفسیر کائنات

قرآن حکیم ایک زندہ معجزہ ہے۔ اور یہ معجزہ ماضی، حال اور مستقبل غرض ہر زمانے کے اسرار و رموز کو بے نقاب کرنے پر قادر ہے۔ مسلمانوں کی نظر میں قرآن حکیم ایک ایسے ثالث کی حیثیت رکھتا ہے جو ہر دور کے ہر انسانی مسئلے پر بڑے کامل اور مدلل انداز میں گفتگو کرتا ہے۔ اور انسان کو، کسی نئے دین، پیغمبر یا نظام حیات کے بغیر ہی، بخوبی رہنمائی کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ قرآن پاک کی طرف رجوع کرنے والا انسان اسے بنیادی طور پر ایک مذہبی کتاب ہی کا درجہ دے اور اس کی آیات سے "الفاظ کے ہیر پھیر کے ذریعے اپنی مرضی و منشاء کے معانی "درتراشنے" کی کوشش نہ کرے۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم

حرف او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے

صد جہانِ تازہ در آیاتِ اوست
عصر ہا پیچیدہ در آنات اوست

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں کچھ عرصے سے قرآن حکیم کی تشریحات کے ایسے عجیب و غریب رجحانات نے جنم لیا ہے۔ جنہوں نے قرآن کو ایک رہنما اور صحیح راستہ دکھانے والی کتاب سے زیادہ حیرت انگیز انکشافات" کرنے والی کسی معلوماتی انسائیکلو پیڈیا کا تصور دے دیا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ آیات ڈھونڈی جاتی ہیں۔ ان میں خاص خاص الفاظ تلاش کئے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کے لغت میں معانی بعید نکالے جاتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر بات پوری کر دکھائی جاتی ہے۔ اس طرح ہمارے یہاں ایک عجیب قسم کا تفسیری مدرسہ پیدا ہوا ہے جو بڑے مضحکہ خیز طریقے سے نکتے نکالتا ہے۔ مثلاً ایک نکتہ طراز نے آئن سٹائن کی Theory of Relativity کے ہر نکتے کو سورۃ الملک کی ابتدائی آیات

سے ثابت کرنے کی کوشش کی اور ایک بزرگ نے سورۂ مدثر سے جدید ترین انقلابی تصورات تک برآمد کر دکھائے۔ ایک صاحب نے "والمقسمٰتِ امراً" کو عصر حاضر کے ڈاک خانوں اور تار گھروں سے تشبیہ دی اور ایک محترم نے سورۂ رحمٰن کی چند آیات سے چاند کے سفر کا الف سے لے کر ی تک نقشہ کھینچ دکھایا۔

قطع نظر اس بات کے کہ ان کوششوں کا مقصد قرآن حکیم کی عظمت اور حکمت کو مزید اجاگر کرنے کے سوا کچھ اور نہ تھا، اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ ان رجحانات نے قرآن حکیم کو ایک واضح اور آسان پیغام ہونے کے باوجود، لوگوں کی نظر میں ایک ایسی کتاب بنا دیا ہے جو اپنے ایک ایک لفظ سے کئی کئی مطلب نکالنا چاہتی ہے۔ حالانکہ قرآن کی ہر ہر آیت کا پیغام تو بڑا مختصر، ٹھوس اور جامع ہے جن کی دس دس نہیں بلکہ صرف اور صرف ایک ہی ممکنہ عقلی توجیح پیش کی جا سکتی ہے۔

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے جسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستان کے لئے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہم مغرب کے ہر ادنیٰ و اعلیٰ نظریئے کو اتنی اہمیت ہی کیوں دے کہ اُسے قرآن کے سیاق و سباق میں ثابت کرنے کی ضرورت پیش آئے؟ آخر ہم کیوں ان باطل عقیدہ تصورات کے لئے قرآن کی آئتیں ڈھونڈتے پھریں جن کی اصلی روح ہی اسلام سے ٹکراتی ہے؟۔ آخر ہم ہر دریافت و انکشاف کے سامنے آنے پر قرآن کھولے کھولے کیوں دنیا کو دکھاتے پھریں کہ اس ایجاد اور اس دریافت کا پیشگی بیان ہمارے پاس موجود ہے؟ کیا یہ ضروری ہے کہ ہم قرآن کی حقانیت کو تبھی تسلیم کریں جب وہ مغرب کے مادی نظریات کی تصدیق کر دے؟ اور اگر وہ یہ سب کچھ نہ کرے تو بحیثیت ایک مذہبی کتاب اس میں کونسی کمی رہ جاتی ہے؟

اگر اس کا مقصد اپنی بے عملیوں کا ازالہ کرنا ہے تو یہ قرآن اور اس کی تعلیمات کے ساتھ ایک سنگین مذاق ہوگا۔ اور اگر اس کا مقصد مغرب کو قرآن سے متاثر کرنا ہے تو انہیں متاثر کرنے کے لیے تو اس سے بھی بڑی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں جو ہمیشہ بے اثر ثابت ہوئیں ہیں۔

خلاصۂ کلام:۔ "مفسر کائنات ہونے کے ناطے" اس کائنات کے اسرار و رموز کی تشریح کا کام خالق کائنات کا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ آنے والا ہر نیا دن مظاہر قدرت کے نئے نئے کرشموں کو بے نقاب کرتا چلا جا رہا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ

اے حبیب پاکؐ! قرآن کی تشریح ہمارے ہی ذمہ ہے۔

گویا ہر زمانے میں علم، قرآن کی، اور قرآن کے ذریعے اس کائنات کی تشریح کرتا چلا جائیگا ہمارے ہاں کے بیشتر ذہین لوگ اس مہم میں لگ گئے ہیں کہ کس طرح سائنس کے شعبدوں کا وقوع قرآن سے ثابت کریں۔ حالانکہ کرنے کا اصل کام ہے اس مادہ پرستانہ اور ملحدانہ مزاج کے خلاف فکری جنگ جسے مغرب نے جدید علوم کی روح بنادیا ہے۔

۴۔ اسلام اور دورِ حاضر کے دیگر نظریات

آج کا دور نہ صرف جدید سائنسی ترقی کا ڈسا ہوا ہے بلکہ اس کے وجود میں ہر سطح، ہر مقام پر، ہر طریق ہر نظام میں باطل اور ملحد رجحانات کا دور دورہ نظر آتا ہو، معاشرت ہو یا معیشت، حاکمیت ہو یا سیاست، وطنیت ہو یا قومیت انسانی زندگی کا کوئی پہلو ان نظریات اور رجحانات سے آزاد نہیں یہ وہ زہر ہے جو مسلمان قوم کی رگوں میں اندھیرے کی مانند اتر رہا ہے، یہ وہ کینسر ہے جو اس کے وجود کو اندر ہی اندر چاٹتا چلا جا رہا ہے اور یہ وہ آگ ہے جس نے اس کے گوشے گوشے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ اسی لئے آج کا دور تقاضا کرتا ہے اس تریاق کا جو اس زہر کا توڑ کر سکے۔ آج کا دور تقاضا کرتا ہے اس اکسیر کا جو اس کینسر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور آج کا دور تقاضا کرتا ہے اس بارانِ رحمت کا جو اس آگ کو ٹھنڈا کر سکے اور یہ وقت گواہ ہے کہ اگر کوئی طاقت ان تقاضوں کو پورا کرنے کی اہل ہے تو بلاشبہ وہ صرف اور صرف "اسلام" ہے۔

عہدِ نو برق ہے آتش زنِ ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے
ملتِ ختمِ رسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

"خداوندانِ مغرب" نے اپنے "وظیفہ خواروں" کو جہاں اور بہت سی "نعمتوں" سے نوازا ہے انہیں میں سے ایک ان کا دیا ہوا نظامِ معیشت بھی ہے۔ اور یہ نظام بھی ان کے دیگر نظاموں کی طرح بے خدائیت کا شکار ہے۔ یہ نظام ایسا نظام ہے جس کا پیرو کسی محاسبہ کرنے والی ذات سے بے نیاز، ہر دم اپنے

خزانے کو صحت مند سے صحت مند تر بنانے، دوسرے کا مال ہڑپ کرنے اور دوسرے کو حتی الوسع نقصان پہنچانے میں مصروف رہتا ہے اور اگر مشرق کا سادہ لوح مسلمان ان "کاروباری کمالات" کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اسے مقابلے یا Competition کا دور کہہ کر خاموش کر دیا جاتا ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ "جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز" قرار دے کر کسی قسم کے اعتراض کا جواز ہی باقی نہیں رہنے دیا جاتا یہ وہ نظامِ معیشت ہے جسے چلانے کے لئے سودی نظام اور ایک مخصوص طبقے میں پیسے کا ارتکاز اشد ضروری ہے جس کے بغیر مغربی ذہن کے تخلیق کردہ دیگر نظاموں مثلاً Capitalism یا Imperialism کا چلنا قطعی ناممکن ہے۔

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگِ مفاجات

پس اس نظامِ معیشت کا آخر کار نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مغرب تو اپنا مطلب پورا کر کے اپنا راستہ ناپتی ہے اور ترقی پذیر ممالک (جن میں مسلمان ممالک کی تعداد شاید سب سے زیادہ ہے) آئے دن سودی قرضے کے بوجھ تلے دبتے چلے جاتے ہیں۔ ملک کی تمام معیشت مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس قوم کے افراد اپنی ضروریات کے ہاتھوں مجبور ہو کر یا تو کالے دھندوں میں ملوث ہو جاتے ہیں اور یا حلال روزی کی تمنا دل میں لئے دو وقت کی روٹی کو ترستے رہتے ہیں۔

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکرِ معاش

چنانچہ مغرب کے اس نظامِ معیشت کو پوری طرح سمجھنے کے بعد اور ایک ایسے نظامِ معیشت کی ضرورت محسوس کرنے کے بعد جو ہر شخص کو اس کا جائز مقام دلا سکے۔ قائداعظمؒ نے فرمایا۔

"ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی نظام کو تشکیل دینا ہے جو انسانی مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو۔"

آج کا دور ایسے ہی اسلامی معاشی نظام کا متقاضی ہے جو غریب کے حق کو اتنا مقام دے کہ اسے اسلام کے پانچ بنیادوں میں سے ایک بنیاد قرار دیا جائے اور جو ایک بھوکے ہمسائے کو اتنا جواز عطا کر دے کہ وہ اپنے بے خبر پیٹ بھرے ہمسائے کو اس کے مسلمان ہونے کے حق سے محروم کر سکے۔

مغرب نے اس دور کو سیاست اور حاکمیت کے جو نظریات دیئے ہیں ان میں سب سے نمایاں اور مقبول جمہوریت کا نظام ہے اور بقولِ مغرب "Democracy is a type of government which is of the people, for the people by the people."

لیکن اسلام کو اس نظام حاکمیت کی روح ہی سے اختلاف ہے جہاں عوام کو سبز باغ دکھا کر اور چند منتخب لوگوں کو عوام کے سفید و سیاہ کا مالک بنا کر اپنی مرضی کرنے کے لئے بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور جس نظام میں بالآخر وہ برائے نام حکومت عوام کے ہاتھ سے نکل کر نام نہاد سیاستدانوں کے ہاتھ کا کھلونا بن جاتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک حریص جانوروں کی طرح "حکومت کی کرسی" پر نظر جمائے بیٹھا ہوتا ہے اور موقع ملنے پر اسے جھپٹ لیتا ہے۔

اسلام اس قسم کی حاکمیت کا قطعاً قائل نہیں اور حاکمیت اعلیٰ کو صرف اللہ تعالےٰ کے لئے خاص قرار دیتا ہے اور بندے کو صرف اس حاکم اعلیٰ کے نمائندہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے جو اپنے ہر قول و فعل میں ہر لمحہ اپنے مالک کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔

اقبال دور حاضر کی سیاست کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

تیری حریف ہے یارب سیاست افرنگ
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس

بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس

مغرب کی سیاسی سوچ نے اسلام کو مٹانے کے لئے عصر حاضر میں کئی نئے بت تراشے ہیں۔ انہیں میں سے ایک "وطنیت" بھی ہے۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور — ساقی نے بنا کی روش لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور — تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ اسی بت کا "فیضان نظر" ہے کہ آج کا مسلمان، پاکستانی، ایرانی، ترکی اور افغانی پہلے ہے اور مسلمان بعد میں۔ اسے اپنے "قومی اور قوی" مفادات، ملی مفادات سے بہت زیادہ عزیز ہیں۔ اور یہ اسی وطنیت کا کرشمہ ہے کہ اگر کسی مسلمان ملک کے ذاتی مفادات پر ذرا سی بھی ضرب پڑتی ہے تو وہ ملت سے اپنا تعلق، اپنا برائے نام تعلق بھی یوں توڑ لیتا ہے جیسے کبھی کوئی تعلق ہی نہ تھا۔

اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے — تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے — کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے

اقوام میں مخلوق خدا بٹتی اسی سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

یہ وہ لمحہ ہے جہاں انسانیت نے عصر حاضر کے تراشیدہ ہزاروں بتوں کے آگے اپنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ یہ وہ ساعت ہے جہاں انسان تباہی کے کھڑے پہ کھڑا ہونے والی تباہی کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور یہ وہ گھڑی جہاں آج کے دور کو انسانیت کی بقا کے لئے سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان، پاکستانی، ایرانی کی نہیں بلکہ مسلمانوں کی، اور مغربیت سے آلودہ نظریات کی نہیں بلکہ اسلام کی ضرورت ہے اور یہ دور، یہ زمانہ بار بار اسلام اسلام اور مسلمان مسلمان کی صدا لگا رہا ہے، یہ التجا لئے ہوئے کہ :-

معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

ب :- دور حاضر، اسلام کی سربلندی کے لئے آج کے مسلمان سے کیا تقاضے کرتا ہے؟

۱۔ تمہید :

کسی مفکر کا قول ہے کہ

" انسان نے اپنی تاریخ سے جو سب سے بڑا سبق سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ انسان نے اپنی تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھا "

یہ قول اپنی جگہ اتنا واضح اور پُرزور ہونے کے باوجود عقل انسانی کے لئے اتنا مبہم اور غیر موثر رہا ہے کہ وہ کسی دور میں بھی اپنے آپ کو اسی ایک غلطی کے بار بار ارتکاب سے نہیں بچا سکا جو ہر دور میں اس کے سر سے بادشاہی کے تاج کو چھین کر گلے میں غلامی کا طوق ڈال دیتی ہے۔ انسان یہ حقیقت بخوبی جاننے کے باوجود کبھی بھی زوال کی وہ تاریکی دور نہیں کر سکا جو تقدیر نے اس کے مقدر میں ازل سے لکھ دی تھی لہذا زوال ایک قانون فطرت اور اٹل حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں عروج ایک خالصتاً مشروط کامیابی ہے۔ زوال کے آگے انسان جتنا بے بس اور لاچار ہے عروج کو حاصل کر لینے میں اتنا ہی با اختیار۔ اور یہی وجہ ہے کہ عروج کا شاندار دور گزار کر ایک زوال پذیر قوم کا کردار کبھی اتنا قابل تنقید نہیں ہوتا جتنا کہ صدیوں سے ذلت کی گہرائیوں

میں پڑی ہوئی ایک ایسی قوم کا کردار، جو اپنی حالت کو بدل نہ پا رہی ہو یا یوں کہئے کہ بدلنا نہ چاہ رہی ہو۔

" بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت اتنے تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت نہیں بدلتے "

(پارہ ۱۳ ۔ سورۂ رعد ۔ آیت ۱۰)

پس ایک قانونِ فطرت ہونے کے ناطے زوال بذات خود اتنی قابل شرم حالت نہیں جتنی کہ انسان کی وہ حالت جو اس کے زوال کو طویل ترین بنا رہی ہو۔ چنانچہ زندہ قومیں وہی ہوتی ہیں جو اپنے دور کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اپنے دورِ عروج کو طویل تر اور اپنے زوال کو قلیل تر بنا دیتی ہیں۔

آج کا دور ہر مسلمان کے لئے ایک ایسی الجھی ڈور کی مانند ہے جس کا کوئی دوسرا سرا ہاتھ نہیں آتا اور اسے سلجھاتے سلجھاتے یا تو انسان خود الجھ جاتا ہے اور یا بددل ہو کر یہ خیال ہی دل سے نکال دیتا ہے۔ زندگی کے ہر میدان میں کفر و الحاد کا ایسا دور دورہ نظر آتا ہے، تہذیب کی ہر قدر اتنی بگڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اور معاشرے کا ہر فرد اس قدر بھٹکا ہوا لگتا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اصلاح کا کام کہاں سے شروع کیا جائے؟ کن تقاضوں کو کن ضرورتوں پر فوقیت دی جائے؟ کیونکہ ہر مسئلہ ہر بگاڑ اپنی جگہ دوسرے سے بڑھ کر قابل توجہ اور خطرناک ہے۔

اس مشکل کا بہترین حل یہی ہے کہ انسان اندھیرے میں بھٹکنے رہنے کی بجائے ان شخصیات کی پیروی کرے جنہوں نے اپنی ساری عمر اسی دشت کی سیاحی میں گزار دی اور جاتے جاتے اپنے اخلاف کے لئے ایسا پیغام چھوڑ گئے جو ان کی تمام زندگیوں کا نچوڑ ہے۔ ذیل میں ایسی چھ شخصیات کی تعلیمات کا خلاصہ اس عنوان کے تحت دیا جا رہا ہے کہ ہر "شخصیت" نے دورِ حاضر میں مسلمانوں کے کردار کی اصلاح کے لئے کن بنیادی باتوں پر زور دیا۔

۱۔ شاہ ولی اللہ

۱۔ صحیح عقیدہ

۲۔ مسلمانوں کی سیاسی مضبوطی

۳۔ قرآنی نظام تعلیم کا رائج کرنا

۲۔ سید احمد شہید بریلوی

۱۔ صحیح عقیدہ اور بدعات کی بیخ کنی

۲۔ جہاد

۳۔ اسلامی فلاحی مملکت کا قیام

۳ - سید جمال الدین افغانی

۱ - صحیح عقیدہ

۲ - اتحاد بین المسلمین

۳ - طبقہ استاد کی حرمت

۴ - علامہ محمد اقبال

۱ - صحیح عقیدہ

۲ - خودی ۔

۳ - مغربی افکار سے آزادی

۵ - مولانا مودودی

۱ - صحیح عقیدہ

۲ - دعوت و تبلیغ دین

۳ - عام زندگی کے چھوٹے چھوٹے مسائل کو حل کرنا

۶ - ڈاکٹر علی شریعتی

۱ - صحیح عقیدہ بالخصوص عقیدۂ توحید

۲ - مغربیت سے آزادی

پس اگر ان چھ انمول زندگیوں کے تجربات اور تعلیمات کو مختصر کیا جائے تو نتیجہ ایک سو فیصد قابل عمل منصوبے کی شکل میں سامنے آتا ہے ۔ جو آج کے مسلمان سے مندرجہ ذیل تقاضے کرتا ہے ۔

۱ - صحیح عقیدہ کے لئے رجوع من جانب اللہ

۲ - خالص اسلامی بنیادوں پر استوار نظام تعلیم

۳ - دعوت و تبلیغ دین

۴ - مغرب اور مغربیت سے آزادی

بظاہر یہ تقاضے پورے کرنا صبر آزما اور مشکل کام نظر آتا ہے اور انفرادی سطح پر ان تقاضوں پر پیش رفت تو بالکل ہی ناممکن نظر آتی ہے ۔ لیکن اگر آج کا مسلمان اپنی حالت کو بدلنے کا تہیہ کرلے تو اُسے یہ دیکھ کر سکون بخش مسرت ہوگی کہ وہ ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے انفرادی سطح پر بھی بالکل بے دست و پا نہیں اور یہ کہ اگر وہ چاہے تو کسی گروہ یا جماعت کی اعانت کے بغیر یہ کام آج یہیں اور اسی وقت سے شروع کیا جا سکتا ہے ۔

۱۔ صحیح عقیدہ

مشہور چینی فلاسفر کنفیوشس سے اس کے مخالف سکالروں نے ایک دفعہ یہ سوال کیا کہ اس کے خیال میں کسی زندہ قوم کی تین بڑی ضروریات کون سی ہوتی ہیں تو کنفیوشس نے جواب دیا (۱) فوجی طاقت (۲) خوراک۔ (۳) ایک صحیح اور مضبوط عقیدہ" پوچھنے والوں نے دوبارہ پوچھا کہ اگر ان ضروریات میں سے کوئی ایک چیز چھوڑنی پڑے تو تم کس چیز کو چھوڑ دو گے۔ کنفیوشس نے جواب دیا "فوجی قوت کو" مخالفین نے پھر پوچھا کہ اگر باقی دونوں ضرورتوں میں سے بھی کوئی ایک پوری نہ کی جا سکے تو کسے چھوڑ دینا چاہیئے۔ کنفیوشس نے جواب دیا "خوراک کو" ان لوگوں کو انکی فراست پر ہنسنے کا موقع ملا اور پوچھنے لگے کہ کیا کوئی قوم خوراک کے بغیر بھی زندہ رہ سکتی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں! خوراک کے بغیر تو کوئی قوم پھر چند دن گزار سکتی ہے لیکن ایک صحیح اور مضبوط عقیدے کے بغیر وہ اس دنیا میں ایک لمحہ بھی زندہ رہنے کا تصور نہیں کر سکتی۔"

یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں گزرتے والے حقیقی مصلحین نے اپنی قوم کی ظاہری حالت پر توجہ دینے کی بجائے ان کے باطن کو، ان کے سرچشمۂ وجود کو اور ان کے انداز فکر کو بدلنے کی کوشش کی۔ اور انہیں ایک ایسا مضبوط عقیدہ دیا جس نے انہیں زوال کی گہرائیوں سے نکال کر عروج کی بلندیوں کا ہم رکاب بنا دیا۔ اس سلسلے میں یہ کائنات، یہ زمانہ جو بہترین مثال پیش کر سکا ہے وہ مصلحِ اعظم محسنِ انسانیت نبیِ آخرالزمان حضرت محمد مصطفٰے کی ذات اقدس ہے۔ جنہوں نے اپنے دورِ نبوت کے ۲۳ سالوں میں سے مکی دور کے دس قیمتی سال صرف اسی بنیادی عقیدہ کی تخلیق و تزئین پر صرف کر دیئے جو آج بھی مسلمان قوم کی ڈولتی ہوئی کشتی کا واحد سہارا ہے۔ جو آج بھی مسلمان قوم کی رگوں میں اسی خون کی مانند دوڑ رہا ہے جو گو زمانے کی آلائشوں کا شکار سہی لیکن بہر حال اس کی زندگی کا واحد ذریعہ ہے۔ اور جس کی بدولت آج کا مسلمان اپنی ناگفتہ بہ حالت کے باوجود مردہ نہیں بلکہ خوابِ غفلت میں پڑی ہوئی زندہ قوموں میں شمار ہوتا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے کی اسی دلخراش حالت نے آج کے ایک اوسط مسلمان کی ذہنی سوچ کو اتنی بری طرح متاثر کیا ہے کہ وہ اس تمام بگاڑ، تمام بے قاعدگیوں کا ذمہ دار (نعوذ باللہ) بذات خود اسلام کو قرار دیتا ہے (۲) اس کی مایوسی کی انتہا اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ انجانے میں بعض اوقات شرکیہ کلمات تک ادا کرنے سے بھی نہیں کتراتا اور سونے پر سہاگہ یہ کہ معاشرے میں رائج مغربی نظریات اور مروجہ بدعات و رسومات اس کے تمام خدشات کی تصدیق کرتی چلی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک حضرت اپنے خیالات کا اظہار یوں فرماتے ہیں۔

عصر حاضر میں جبکہ انسان خلا کا سینہ چیر کر چاند پر اپنی عقل کا جھنڈا[1] گاڑھ آیا ہے قرآن کے علمبردار ہیں کہ

نہ سیاسی طور پر صحت مند، نہ اقتصادی لحاظ سے خوشحال، نہ اقتصادی لحاظ سے ترقی یافتہ نہ دفاعی پہلو سے خود کفیل اور نہ ہی بین الاقوامی سیاست کی ہر بازی میں زیرک۔[۲] بے بس ہو کر غیروں کے مہرے بنے ہوئے ہیں اور آپس میں "مزے مزے" سے لڑ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کا خون تک بہا رہے ہیں اور جگہ جگہ پٹ رہے ہیں قرآنی امت اب ایک ایسی گاڑی ہے جس کے پہیے ٹوٹ چکے ہیں، جس کا انجن جواب دے چکا ہے اور جس کے پرزے گھس گھسا کر ختم ہو چکے ہیں۔ کچھ سمجھدار سواریاں اس شکستہ گاڑی کو چھوڑ کر جا چکی ہیں۔ کچھ دل برداشتہ ہیں اور کچھ خوش فہم وہ بھی ہیں جو اس کی شان میں قصیدے پڑھتی ہوئی یہ یقین دلا رہی ہیں کہ بس ابھی کوئی معجزہ یکایک رونما ہوگا اور گاڑی چل پڑے گی۔[۳]

ان کے مقابلے میں ایک نسبتاً تعلیم یافتہ صاحب یوں خیال آرائی کرتے ہیں :۔

"ہمیں اس چکر میں پڑنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ ایمان تو پہلے لائیں نئے نئے فلسفوں اور سائنسی نظریوں پر اور پھر قرآن میں ان کی حمایت میں آیتیں تلاش کرتے پھریں اور سیدھی طرح کام نہ چلے تو الفاظ میں نئے معنی ڈال لیں۔ میں اگر ڈارون، نیوٹن، آئن سٹائن، فرائڈ اور مارکس کی باتیں سوچ سمجھ کر پسند کرتا ہوں تو پھر یہ کیا ضرورت کہ میں ان لوگوں کے خیالات کا سلسلہ قرآن سے بھی ملاؤں۔ میں قرآن کو چوم کر چند برس پہلے بالائے طاق رکھ کر فارغ ہو گیا۔"[۴]

اور نہ صرف یہ بلکہ انہیں جیسے بے شمار "زریں" خیالات ہر گلی، ہر کوچے اور ہر دکان پر بکثرت سننے کو مل جاتے ہیں۔ یہی ہیں وہ بظاہر دل کو "اپیل" کرنے والے چرب زبانی میں لپٹے ہوئے، باطل عقائد جو دل و دماغ میں موجود صحیح اسلامی عقیدے کے اس ہلکے سے خاکے کو بھی دھندلاتے چلے جاتے ہیں جو ایک مسلمان برسوں کی تعلیم و تربیت کے بعد بمشکل بنا پاتا ہے۔

اس لئے آج کا دور ہر مسلمان سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے معاشرے، اپنے حلقے، اپنے خاندان یا اور کچھ نہیں تو کم از کم اپنے ذاتی عقائد کا قبلہ درست کرے کیونکہ اب نہ تو اس کے لئے کوئی نئی وحی نازل ہونی ہے، نہ کوئی نیا پیغمبر مبعوث ہوگا اور نہ ہی کوئی کتاب اتاری جائے گی اگر اسے ایمان کے راستے پر چلنا ہے تو صرف نبی آخر الزماں کی پیروی کرنی ہوگی اور اگر اسے تقویٰ کی ضرورت ہے تو صرف قرآن کو تھامنا ہوگا۔ چنانچہ اگر آج صحیح عقیدہ کے لئے مسلمان کو کسی چیز کی اشد ضرورت ہے تو وہ رجوع من جانب اللہ ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں علمائے دین کو خلیفۃ اللہ اور خلیفۃ الرسول کہہ کر ان سے رہنمائی حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :۔

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ الانبیاء۔ آیت ۷)

یعنی اہل الذکر (علمائے دین) سے پوچھو اگر تم نہیں سمجھتے ۔"

پس آج کے مسلمان کو اپنی زندگی کے لئے، اپنی بقار کے لئے اپنے مرکز و منبع کی طرف لوٹنا ہوگا - اسے قرآن و حدیث کی روشنی سے حتی المقدور فیضان حاصل کر کے اپنی زندگی کے ہر ہر عمل کا احتساب کرنا ہوگا تاکہ وہ اپنی ذات میں ایک ایسی روشنی کو جنم دے سکے جو نہ صرف اُسے بلکہ اس کی قربت پانے والے ہر نفس کو عرفان و ادراک کی روشنی عطا کر سکے ۔ اور یوں چراغ سے چراغ جلے اور مشعل سے مشعل روشن ہوتی چلی جائے ۔

فاش گویم آں چہ در دل مضمر است　　　این کتابے نیست چیزے دیگر ست

چون بجاں در رفت جاں دیگر شود　　　جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

اور یوں اپنی ذات کو بدل لینے کے بعد اسے کائنات کی ہر چیز میں برائیوں سے زیادہ اچھائیاں، بگاڑ سے زیادہ سنوار اور بے یقینی سے زیادہ امید کی کرنیں پھوٹتی دکھائی دیں گی ۔ اور اسے احساس ہوگا کہ

۱۔ عصر حاضر کے انسان کی سلطنتِ عقل کا درجہ کمال اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ چاند پر اپنی عقل کا جھنڈا گاڑھ آنے کے باوجود، شعوری طور پر پتھر دور کے وحشی اور نیم جانور انسان سے آگے نہیں بڑھ سکا ۔ یہ نتیجہ ہے ساری توجہ اور عقلیت، سائنس اور مادیت پر صرف کرنے کا کہ وہ محض اس سائنسی ترقی کے بدلے اپنی تہذیب اخلاقیات اور شرافت کا سودا کر بیٹھا ہے اور اسے اس کا احساس تک نہیں -

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا　　　اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا　　　آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا

زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

۲۔ اگرچہ ایک پہلو سے عالم اسلام کی صورت حال سخت پریشان کن ہے ۔ تب بھی اس کے لئے قصوروار کسی طرح بھی اسلام کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا بلکہ اس کی ذمہ داری یا تو خود اس دور کے مسلمان پر عائد ہوتی ہے یا پھر مخالف اسلام عوامل کی شدت پر اور یا پھر دونوں پر برابر برابر ۔

۳۔ خواہ قرآنی امت کی یہ گاڑی ٹوٹی پھوٹی سہی، خواہ اس کے پہیئے شکستہ اور انجن بے جان سہی اور خواہ اس کے پرزے امتدادِ زمانہ کے باعث گھسے پٹے سہی لیکن پھر بھی قرآنی امت کی یہ شان کسی اور گروہ انسانی میں کہاں جو دشمنوں کے حملوں سے اپنے کچھ اجزار کھو دینے اور کچھ شکستہ و ناکارہ ہو جانے کے باوجود رکی نہیں بلکہ کسی نہ کسی رفتار سے چل رہی ہے ۔ چنانچہ قطع نظر مسلمانوں کی ظاہری حالت

کے ملتِ اسلامیہ کا یہ جذبہ بلاشبہ قابلِ ستائش ہے کہ وہ ان حالات میں بھی احیائے اسلام کے نصب العین کی شمع روشن رکھ کر، اس پر جل مرنے والے پروانے مسلسل پال پال کر سامنے لا رہی ہے اور قربانیوں کا یہ سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔

۴۔ قرآن حکیم فزکس یا کیمسٹری کی کوئی کتاب نہیں کہ اگر انسان اسے سائنس کی تشریح کے لئے استعمال نہ کرنا چاہے تو اس کا کوئی مصرف ہی باقی نہ رہے۔ یہ پیغام محض بیماری، نزع اور موت کی تنگی کا علاج نہیں کہ اس کی آیات کو گھول گھول کر پینے کے بعد انہیں کبھی اٹھا کر سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی جائے۔ اور یہ کتاب آپس میں تفرقہ بازی کی جولانگاہ نہیں کہ اس میں سے اپنی مرضی اور ضرورت کی آیات چن چن کر مناظروں کا بازار گرم کر لیا جائے۔

– حیات از حکمتِ قرآن نگیری
به بندِ صوفی و ملا اسیری

به آیاتش ترا کارے جز این نیست
که از یٰسین او آساں بمیری

بلکہ قرآن نے اپنے نزول کی غرض و غایت یوں بیان کی ہے (پارہ ۲۳۔ سورۃ ص، آیت ۲۹)

"اے رسول مقبول! آپ کی طرف یہ بابرکت کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ لوگ اس کی آیات پر غور و فکر کریں۔ اور اربابِ عقل و فراست صحیح نتائج اخذ کر کے عبرت اور نصیحت حاصل کریں۔"

۲۔ تعلیم :-

اسلام اپنے پیروکاروں کے لئے جس اندازِ تعلیم کا خواہاں ہے اس پر سائنس کے حوالے سے مفصل بحث اس مضمون کے پہلے حصے میں کی جا چکی ہے۔ لیکن اگر آج کا مسلمان ایک ایسے نظامِ تعلیم کی تمنا کرے جو اس کے ماحول اور دین کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہو تو اس سلسلے میں اسے سر سید احمد خان کے مندرجہ ذیل ارشاد سے بہتر کوئی رہنما اصول مل ہی نہیں سکتا کہ

"اگر آج کے دور میں کوئی بھی نظامِ تعلیم مسلمان قوم کی ضروریات پوری کر سکتا ہے تو وہ ایسا نظام ہوگا جہاں اس کے ایک ہاتھ میں فلسفہ، دوسرے میں جدید سائنس اور سر پر لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ" کا تاج ہو"

اگر اسی اصول کو لے کر ہم علم کے سمندر میں غوطہ زن ہوں تو ہمیں ہر طرف خدا کی ربانیت اور خالقیت کے

بلوے بکھرے نظر آئیں گے ۔ ہم علوم جہاں کو تمام لیں یا علم دین کو ہر ایک خدا تک پہنچنے کا واسطہ اور ذریعہ بن جائے گا ۔ اور عصر حاضر کی ہر نئی پیش رفت کائنات اور خالق کائنات کی تشریح ثابت ہوگی ۔

حقیقی اسلامی تعلیم کا مرکزی نکتہ "نور اللہ" کا تصور ہے ۔ قرآن حکیم کی بنیادی دعوت یہی ہے کہ انسان اپنے تمام ذہنی رویوں کو اسی کی روشنی میں متعین کرے ۔ چنانچہ قرآن کریم کا سب سے پہلا مطالبہ یہی ہے کہ اللہ پر ایمان لایا جائے لیکن اللہ پر ایمان لانے سے پہلے اسے "جاننے" اور ایمان لانے کے بعد "پہچاننے" کی ضرورت پیش آتی ہے اور قرآن حکیم ان دونوں مراحل پر ہماری رہنمائی فرماتا ہے ۔

۱ ۔ اسلام خداوند قدوس کی ذات کو "جاننے" کے لئے ہم سے کسی قسم کی کورا ایمانی یا (Blind Faith) کا تقاضا نہیں کرتا ۔ چنانچہ قرآن حکیم جب ہم سے اللہ پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ ہرگز نہیں کہتا کہ اس پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آیا جائے ۔ بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ خدا کو جاننے کے لئے حواس کو معطل نہیں بلکہ بیدار رکھا جائے ۔ اور قرآن حکیم جہاں خود اپنی آیات پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے وہاں بھی ہمیں تاکید کرتا ہے کہ ان مضامین اور مفاہیم پر تدبر و فکر کرو اور ان پر اندھے بہرے بن کر مت گرو ۔ اس بنا پر قرآن حکیم کی نظر میں انسانوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اپنے دل و دماغ کے تمام دریچوں کو کھول کر حق کی جستجو میں سرگرداں رہتے ہیں ۔ اور یہ لوگ اللہ کی نظر میں نجات کے صحیح حقدار اور صاحب علم و فراست ہیں ۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو دل، دماغ اور حواس خمسہ رکھنے کے باوجود اس کائنات پر فکر نہیں کرتے پہلے طبقے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

" زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے میں ان ہوشمند لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے ہر حال میں اللہ کا ذکر ہیں (اور کہتے ہیں کہ) پروردگار! تو نے یہ سب کچھ فضول نہیں بنایا" (پارہ ۴، سورۃ آل عمران آیت ۱۹۱)

دوسرے طبقے کے بارے میں بارہا ارشادات ہوئے ہیں ۔ ایک جگہ فرمایا :۔

"ان کے پاس دل ہیں مگر وہ سوچتے نہیں ۔ اُن کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھتے نہیں ۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ سنتے نہیں ۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے" (پارہ ۹ ۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۷۹)

ایک اور جگہ فرمایا :۔

"اللہ کا طریق یہ ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے"

۲ ۔ اللہ تعالیٰ کو جان لینے اور ایمان لے آنے کے بعد اس کائنات میں اس کی حیثیت قدرت اور عظمت کو پہچاننے کی باری آتی ہے ۔ اور تمام مشاہدات انسان کو نظریہ توحید تک پہنچا کر دم لیتے ہیں ۔ کیونکہ

اگر انسان اپنے علم کو مشاہدے کا ذریعہ بنا کر غور کرے تو اسے اندازہ ہو کہ کائنات کے قوانین مسلسل، متنقل، ہر کہیں اور ہر زمانے میں یکساں اسی لئے ہیں کہ اس کائنات میں صرف اسی ایک ذات لاشریک کا قانون نافذ ہے اور اس کے قوانین غیر متبدل ہیں۔

گویا ثابت ہوا کہ اس دنیا میں پڑھا جانے والا ہر علم خدا کی ذات کا متلاشی ہے۔ اس مدرسۂ جہاں کے ہر سبق کا منتہائے نظر صرف اور صرف خدا کی ذات کا عرفان ہے اور ہر وہ علم، ہر وہ سبق جو انسان کو اس مقصد سے دُور لے جائے باطل ہے، فریب ہے، سراب ہے۔ خواہ وہ علم سائنس ہو جو بھٹک کر شیطان کی مریدی اختیار کر لیتا ہے خواہ علم دین ہو جو بھٹک کر رہبانیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اسلام کے فلسفۂ تعلیم کو سمجھنے کے بعد اب یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کسی بھی دور کے نظام تعلیم کا مخالف نہیں بلکہ صرف اتنا چاہتا ہے کہ۔۔۔۔۔ اُن علوم کو، جو کسی بھی دور کی ضروریات کے تحت تعلیمی اداروں میں پڑھائے جاتے ہوں، اپنے مقصد سے ہٹنے نہ دیا جائے اور کسی بھی علم کو مادی ترقی یا ناقابل تسخیر قوت کے حصول کا ذریعہ نہ بننے دیا جائے۔

پس اگر آج کے دور میں مختلف سطحوں پر بالخصوص Professional Local پر پڑھائے جانے والے نصابوں میں اس انداز میں ردّ و بدل کر دیا جائے کہ کتاب کے ہر باب یا قانون کے اختتام پر قرآن تعلیمات کے ساتھ اس کا موازنہ نہ سہی ایک مختصر نوٹ یا تشریح کی شکل میں موجود ہو تو آج کے طالب علم میں بفضل خدا اتنا شعور موجود ہے کہ وہ اپنے راہِ عمل خود ہی تجویز کر لے گا۔ یوں نہ تو پروفیشنل سطح کے وسیع کورسز پر نئی کتابوں کا مزید کوئی بار پڑے گا اور نہ ہی آج کا طالب علم خود کو دین سے اتنا دور محسوس کرے گا۔

بالفرض اگر فوری طور پر یہ اقدام ممکن نہ ہو تو ایک صورت یہ بھی ہے کہ نمونے کا ایک ایسا کالج قائم کیا جائے اور جس میں مختلف علوم کے نصاب کی کتابیں اس انداز میں لکھی گئی ہوں کہ خدا کا تصور ان کے مواد کا مدار محور ہو۔ مثلاً ان کتابوں میں طبعیات یا Physics کی تعریف یوں کرنے کی بجائے کہ "طبعیات مادہ کی سائنس ہے"، یوں کی جائے کہ "طبعیات خدا کی اس تخلیقی فعلیت کی سائنس ہے جو مادی مظاہر قدرت کی صورت میں رونما ہوتی ہے"، اسی طرح نفسیات یا Psychology کی تعریف یوں ہو کہ "نفسیات خدا کی اس تخلیقی فعلیت کی سائنس ہے جو ذہن انسانی اور اس کے مظاہر یعنی افکار و اعمال کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے" وغیرہ وغیرہ

اور بالفرض اگر خدا نے ہمیں اتنی توفیق بھی نہ دی ہو تو کم از کم آج کا استاد ذاتی طور پر حتی الوسع اس بات کا اہتمام کرے کہ وہ اپنے طرز تعلیم کو تصور خدا سے محروم نہ رہنے دے۔ کیونکہ لے دے کے اب طبقۂ استاد ہی بچا ہے

جو اگر چاہے تو اس قوم کو وہی ذلت کی تاریکی میں ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دے اور اگر چاہے تو انہیں خاکبازی سے اٹھا کر جہاں سازی پر لگا دے۔

۳ دعوت و تبلیغِ دین

اس امت کو، قرآن کریم میں اجتماعی طور پر ایک داعی امت بنایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے
(پارہ ۴ ۔ سورۃ آل عمران ۔ آیت ۱۱۰)
اے مسلمانو! تم بہترین امت ہو جو پیدا کی گئی ہے (بنی آدم کے فائدے کے لئے)، تمہارا فرض منصبی یہ ہے کہ تم لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو (اور تمہارے اندر یہ طاقت اس لئے پیدا ہوئی ہے کہ) تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو"

انفرادی سطح پر ارشاد ہوا (السجدہ۔ آیت ۳۳)
"اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور (خود بھی) نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں"

ارشاد نبویؐ ہے۔
"اگر تم کسی برائی کو دیکھو تو اسے ہاتھ سے روکو۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے منع کرو اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو دل سے برا جانو۔ اور (بے شک) یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"
آج کا دور وہ طلسم ہے جو اپنے توڑ کے لئے ہر مسلمان سے قربانی مانگتا ہے۔ کبھی اپنے جذبات، کبھی اپنی خواہشات کی۔ کبھی اپنے مال و دولت کی اور کبھی اپنی جان عزیز کی۔ جس دور کا مسلمان بھی ان قربانیوں کے بغیر دعوت و تبلیغ کا کام کرے گا اس کی صدا بے کیف اور اس کی دعوت بے اثر ثابت ہو گی۔ پس آج کا دور ہر مسلمان سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے، اپنی معاشرتی، تعلیمی اور معاشی ذمہ داریوں کو پورا کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو ہر دم میدانِ جہاد میں محسوس کرے اور خواہ ادنیٰ ترین درجے ہی کا سہی صاحبِ ایمان تو بنے۔

۴۔ مغرب سے آزادی

ہمارے "گورے آقاؤں" نے ہمیں بہت کچھ دیا۔ ہمیں خالص Made In England نظریات دیئے۔ جن پر عمل کرنا ہمارے لئے آج بھی "باعث فخر" ہے۔ ہمیں ایسا "لاثانی" نظام تعلیم دیا۔

جس نے ہماری سرکاری مشینری کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر "بلند پایہ کلرک" پیدا کیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہمیں ایسی اعلیٰ کوالٹی کی "غلامانہ ذہنیت" عطا کی جو آج آزادی کے ۳۹ سال گزر جانے کے باوجود بھی بڑی "پائیدار اور کارآمد" ہے۔ اور خداوندانِ مغرب کی سخاوت کا یہ عالم بھی دیکھئے کہ ہمیں اتنی ڈھیر ساری نعمتیں "اکھٹی" دینے کے بعد انہوں نے بدلے میں ہم سے لیا ہی کیا "دو محض ہماری آزادانہ سوچ"۔ پس حیف ہے ہر اس عقل کے لئے جس نے مغرب کی ان "عنایات" کو نہ سمجھا۔ نہ جانا۔ حیف ہے صد ہزار حیف

اگر برصغیر پاک و ہند کی آزادی کے دور پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں اور بھی بہت سی مسلمان قوموں نے مغرب کے سیاسی تسلط سے آزادی حاصل کی اور انگریز نے جاتے جاتے ہر قوم میں غلامانہ ذہنیت کا ایسا زہر پھیلا دیا جس کا اثر آج بھی مختلف اسلامی ممالک پر بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ اسی زہر کی تاثیر ہے کہ مسلمان سیاسی طور پر آزاد ہوتے ہوئے بھی خود کو قرآن کے مطابق ڈھال نہیں پا رہا۔ یہ اسی مغربیت کا نتیجہ ہے کہ مسلمان کسی خطرے کے سامنے بھی خدا کی ذات اور اپنے زور بازو پر بھروسہ نہیں کر پاتا اور پناہ کے لئے اپنے مغربی آقا کی دہلیز پر جبّہ سائی کرنے پہنچ جاتا ہے۔ اور یہ غلامی کے انہیں بچے کھچے جراثیم کا اثر ہے کہ دور حاضر کا مسلمان آقا کے منہ سے اپنے لئے Beggars cannot be Chosen جیسے الفاظ سن کر بھی وہ بھیک بخوشی قبول کر لیتا ہے جو اس کے کاسۂ گدائی میں "بخشش" کی صورت میں ڈال دی جاتی ہے۔

لیکن اس کے باوجود امید کی کرن ابھی باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ مسلمان کبھی بھی مکمل طور پر تبدیل نہیں ہوتا۔ اور انتہائی جبر کا سامنا کرتے ہوئے بھی کھلے ارتداد کی راہ اختیار نہیں کرتا۔ وہ پہلے مقابلہ کرتا ہے۔ ظلم سہتا ہے۔ پھر دب جاتا ہے اور غلامی تک اختیار کر لیتا ہے اور دور غلامی میں مجبوراً عملی کوتاہی کا شکار بھی ہو جاتا ہے لیکن اس طرح سے نسل در نسل لمبے بھگتان کے بعد بھی جبکہ مسلمانوں کی اولادوں میں بظاہر اسلام کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے ان کے سینوں کے اندر راکھ میں دبی ہوئی ایمان کی چنگاریاں ایک حسرت بے تاب کی صورت میں باقی رہتی ہیں اور جونہی انہیں جبریت کے بوجھ اور غلامانہ ذہنیت کے تسلط سے نکلنے کا موقع ملتا ہے۔ اسلام سے انکی وابستگی حرکت میں آ کر نشو و نما پانے لگتی ہے۔ بقول کسے :۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

پس آج وہ دور آ پہنچا ہے کہ مسلمان اپنے وجود کی پہچان خود بھی کرے اور مغرب کے ان مطلب پرست سرمایہ داروں کو بھی کرائے جو اسے اپنا ذاتی غلام سمجھ کر فراموشی کر چکے ہیں۔ آج وہ دن آ پہنچا ہے کہ مسلمان اپنے

ذہن پر مسلط غلامی کے بچے کھچے ان اثرات کو نوچ کر مغرب کے منہ پر دے مارے جو دراصل ان کی امانت ہیں۔ آج وہ سورج طلوع ہو چکا ہے کہ مسلمان اپنے سینوں میں دبی ایمان کی چنگاریوں کو بھڑک کر وہ شعلہ بن جانے دے جو باطل کے وجود کو جلا کر خاکستر کر ڈالے۔

آ سشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا — دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو

آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے — راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو

وائے ناکامی کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا — مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو — خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

ج۔ **خلاصۂ عنوان** :۔ اتنی طویل اور صبر آزما بحث کے بعد قاری یہ بات بخوبی جان گیا ہوگا کہ :۔

۱۔ " اسلام بلاشبہ دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ عمل مشروط ہے اور اتنے تک ممکن نہیں جتنے تک دورِ حاضر کا مسلمان اپنے اوپر عائد تقاضوں کو پورا نہ کر دکھائے "

۲۔ اور یہ بھی کر ایسا کر دکھانے میں صرف اور صرف اسی کا ذاتی مفاد وابستہ ہے کیونکہ ہر دور کی طرح آج کے دور میں بھی اسلام کو مسلمان کی نہیں بلکہ مسلمان کو اسلام کی ضرورت ہے "

د۔ **ایک بات !** اگر قاری نے اس مضمون کو اپنے دل و دماغ کے تمام حواس بیدار رکھ کر پڑھا ہو تو موضوع پر اتنی تفصیلی گفتگو کے بعد بھی اُسے ان سطور میں ایک خاص قسم کی تشنگی کا احساس ضرور ہوا ہوگا۔ ایسے کسی اہم چیز کی کمی نے ضرور ستایا ہوگا۔ اور خواہ الفاظ کے بہاؤ نے اس کے خیالات میں ایک وقتی ہلچل ہی کیوں نہ مچا دی ہو، تب بھی اسے خوبصورت مگر بے جان جسم کی مانند محسوس ہوا ہوگا جس میں سے روح نکال لی گئی ہو۔ اگر قاری نے نفسِ مضمون میں فی الحقیقت کسی کمی کو محسوس کیا تو راقم التحریر کے لئے یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی کیونکہ ان صفحات میں یہ تشنگی، یہ کمی کسی عدم توجہی کا نہیں بلکہ ایک ذاتی کوشش کا نتیجہ ہے۔ مضمون میں تشنگی کے اس احساس کو جنم دینے کا مقصد دراصل یہ تھا کہ اس جذبے کی کمی کو، جو دینِ اسلام کی روح ہے اور جسے سمجھایا نہیں صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے، پڑھنے والا بذاتِ خود محسوس کرنے لگے۔ یہ جذبہ ہے عشقِ محمدی کا جس کے بغیر ہر عمل، ہر عبادت بے کیف محسوس ہوتی ہے۔ یہ کمی ہے نورِ محمدی کی جس کے بغیر ہر راستہ تاریک تاریک سا لگتا ہے۔ یہ تشنگی ہے ذکرِ محمدی کی جس کے بغیر ہر مضمون پھیکا، ہر تصویر بے رنگ اور ہر لفظ بے جان دکھائی دیتا ہے۔ سیرتِ محمدی وہ تصویر ہے جس کے بغیر خالقِ کائنات خود اپنے ہی پیغام کو ناکامی سمجھتا ہے۔ اور سنتِ محمدی وہ تفسیر ہے جس کے بغیر قرآن

بھی وہ سب کچھ نہیں سمجھا سکتا جو وہ سمجھانا چاہتا ہو۔ پس جو کوئی خدا کو جانے اور محمد کو نہ مانے، قرآن کو بھلائے اور سنتِ نبوی کو چھوڑ دے وہ شیطان کا پیروکار تو ہو سکتا ہے لیکن بندۂ خدا نہیں۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبیست

پس دنیا و آخرت کو اسی نے پایا جو عشقِ محمد میں ڈوب گیا۔ اور زمانے کے تقاضوں کو اسی نے سمجھا جس نے سنتِ رسول کو اپنایا۔

عشقِ نبی کونین کی دولت، عشقِ نبی بخشش کی ضمانت

اس سے بڑھ کے دستِ طلب میں ہے بھی کوئی سوغات نہ پوچھ

۱۳۔ **حرفِ آخر:** ۔ اگر آج کے معاشرے کو ایک غیر متعصبانہ اور حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ہمارے یہاں جو داعیات اور رجحانات کام کر رہے ہیں ان کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا نظامِ فکر یہاں قدم نہیں جما سکتا۔ اور معاشرے کے ظاہر و باطن کو بدل دینے والا قرآنی انقلاب بہت جلد ایک سورج کی مانند طلوع ہوگا اور ان تمام باطل عقائد و نظریات کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ جو درحقیقت اس انقلاب کے متحرک اور وجہ تسمیہ ہیں۔

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی

افق سے آفتاب ابھرا گیا دورِ گراں خوابی

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے

تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے۔

عبدالجبار غازی۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد۔

تمہید:۔

اس موضوع پر بحث کرتے وقت ذہن میں ایک وسیع کائنات سی گھوم جاتی ہے اور پھر تاحد نگاہ انسانوں کا ایک جنگل سا نظر آتا ہے جہاں پر ۵ یا ۶ فٹ جسم لئے ہوئے اور مخصوص قسم کے خدوخال سے آراستہ ایک مخلوق بس رہی ہے۔ اندرونی مشینری بھی اچھی خاصی پیچیدہ ہے اور جس کے دو اہم پرزے دل و دماغ ہیں جن کا کردار انسانی جسم کو برقرار رکھنے میں بہت اہم ہے۔ ادھر ہر طرف بے چینی اور اضطراب ہے گھبراہٹ چھائی ہوئی ہے کیوں کہ زندگی بڑی تیزی سے جاری و ساری ہے۔ وقت کی سرعت کا پتہ نہیں چلتا بعض جگہیں تو اس قدر تاریک ہیں کہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کچھ سجھائی نہیں دیتا لیکن جہاں کچھ روشنی کے آثار ملتے ہیں۔ وہاں پر بھی انسانیت حیران و پریشان کھڑی ہے۔ ہر کوئی اپنے مسائل لئے کھڑا ہے کوئی فٹ پاتھ پر روٹی کو رو رہا ہے اور کوئی دھوپ میں ننگے بدن سائے کو ترس رہا ہے۔ گویا انسانیت بہت پیچھے اور وقت بہت آگے ہے اور وقت ساتھ نہیں دے رہا۔ انسانیت ہمت نہیں ہاندھری۔ دونوں کے درمیان گو مگو کی کیفیت اور عجیب کشمکس ہے وقت تو اپنا فرض ادا کر رہا ہے لیکن انسانیت کمزوری اور ضعف کے باعث اسے اپنا دشمن سمجھے ہوئے ہے بس کوئی مدد کو نہیں پہنچ رہا۔

ان حالات میں ہر کوئی اپنی زندگی بہتر کرنے اور پستی سے عروج کے لئے پریشان ہے۔ اگرچہ آج کا انسان قدیم انسان کی نسبت زیادہ آسائش کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ زیادہ پر لطف طریقے سے رہ رہا ہے۔ لیکن پھر بھی ہر انسان ذہنی آسودگی اور جسمانی آرام حاصل کرنے کے لئے پریشان ہے اپنی نفسیات کی تسکین چاہتا ہے اور پھر جب وہ ایٹم بم کے دھماکوں کے متعلق خبر سنتا ہے تو اسے اپنی انسانیت کی تباہی کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور اس کا توڑ تلاش

کرتا ہے یا پھر اس کے برابر قوت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت تیار ہو جائے۔

بچاؤ کے اس سارے سامان کے باوجود راحت نصیب نہیں ہوتی گویا سکون کی تلاش کے بعد بھی سکون نہیں ملا۔ فرض کریں ایک انسان ہر قسم کی نعمت کے ساتھ ہر قسم کی خواہشات پوری کر رہا ہے لیکن پھر بھی ایک کھٹکا لگا رہتا ہے کہ موجودہ عیش کو برقرار کیسے رکھا جائے اور ان کی حفاظت کے لئے ہر وقت بے چین اور مضطرب رہتا ہے گویا آسائش خرید کر بھی سرور نہیں ملا جس کی وجہ سے ہر قسم کی کیفیت انسان کو پریشان رکھے ہوئے ہے۔

یہ بات تو وسائل والوں کی ہے لیکن جن کے پاس وسائل نہیں اور وہ اس مجبوری کی زندگی گذار رہے ہیں کہ گویا انہیں زندہ رہنے کا حق ہی نہیں۔ دنیا میں مختلف لوگوں کی مثالیں موجود ہیں جن کی آزادی سلب کی جا چکی ہے، اظہار خیال پر پابندی ہے، جائز تمنائیں تک پوری ہونا محال ہے۔ بھارت میں شودر کا حکم ہے اور آجکل غریب مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنی ہوئی ہے۔ سکون اور اطمینان نام کو نہیں لیکن کوئی مسیحا نہیں۔ اسی طرح سفید اور سیاہ فام کا الجھاؤ ہے اور جنوبی افریقہ میں انسانیت سسکتی نظر آتی ہے۔

انسانی نقطہ نظر سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو انسان عوام پر مسلط ہیں کیا ان کے علاوہ کسی دوسرے انسان کو اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرنے کا حق نہیں تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ انسان کالا ہو یا گورا، اونچی ذات سے متعلق ہو یا نیچی سے، ترقی یافتہ ممالک کا باشندہ ہو یا ترقی پذیر کا، فقط ۵ یا ۶ فٹ کے جسم پر لفظ انسان کا اطلاق کیے جانے سے اسے طبعی حد تک زندہ رہنے، آزادی دیئے جانے، جائز ضروریات پورا کرنے کا حق ہے اور حسن کائنات سے محظوظ ہونا اور قدرت کے کارناموں سے فائدہ اٹھانا بھی اسی کا ایک فطری حق ہے تب کہیں جاکر سکون میسر ہوتا ہے وگرنہ حالت وہی ہو گی جو انتہائی بھوک اور پیاس کے وقت کچھ نہ ملنے پر ہوتی ہے اور بعض دفعہ خود انسان آگے بڑھ کر موت کا دروازہ کھٹکھٹا دیتا ہے۔ ورنہ موت تو اس کا دروازہ کھٹکھٹا ہی دے گی۔ اور پھر وہ انسان مٹی کے ڈھیر تلے دب کر رہ جاتا ہے اور پس ماندگان اس کے بارہ میں مختلف قسم کی قیاس آرائیوں سے لوگوں کو عجیب قسم کے فلسفیانہ مسائل سے دوچار کرتے ہیں اور وہ یہ کہ آیا مرنے والا دوبارہ زندہ ہوگا؟ اگر ایسا ہے تو اس کے ساتھ سلوک کیا کیا جائے گا؟ عقلمند تو اس نکتہ کو بھانپ جاتے ہیں کہ جب کوئی کسی دروازے سے داخل ہوتا ہے تو وہ صرف ہماری نظروں سے اوجھل ہوتا ہے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ نہیں جاتا۔ اور کچھ لوگ اس خارجی خلا کو ابدی قرار دے کر زندگی کا مقصد بھلا دیتے ہیں اور پھر نئے سرے سے تاریکی میں کھو کر رہ جاتے ہیں حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھی موت کے دروازے کے سامنے پاتے ہیں۔

مجھے آئندہ صفحات میں اسی قسم کی کیفیات، پیش آمدہ مسائل اور ان کے حل کو سامنے رکھ کر انسان کی فطرت کے حوالے سے اس موضوع "اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے" پر بحث کرنا ہے۔ اس لئے کہ فطرت تمام انسانوں کی یکساں ہے یہ الگ بات ہے کہ کوئی انسان اپنے مکتب ذہنی نظریہ سے محبت رکھتے ہوئے فلسفۂ انسانیت و اسلام کو سمجھ نہ پائے۔ اسی لئے آئندہ صفحات میں اسلام کا مختصر ساخاکہ اور عصر حاضر اور اس کے تقاضوں کے بارے میں بحث کی جائے گی اور یہ کہ اس دور میں ان تقاضوں کا حل کسی نظام کے تحت زندگی بسر کرنے سے ملتا ہے۔

اسلام:۔ جہاں پر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسلام کے نظام کے تحت انسان کی رہنمائی آسان طور پر ہو سکتی ہے اس دعویٰ کو مدلل بنانے کے لئے اسلام کے بارے میں معلومات ہونا بہت اہم ہے۔

تعریف:۔ "اسلام وہ ضابطۂ حیات ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے اور اس پر عمل کرنا آسان ہے اور جس کے نتائج ہمیشہ اچھے نکلتے ہیں"

اس تعریف کی اہمیت پر غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا اطلاق اس مخلوق پر ہونا چاہیئے جو کسی ضابطۂ حیات کے تحت زندگی گزارنے کے قابل ہو اور اچھے نتائج کی خواہش رکھتی ہو اسی لئے حیوان اس کے اطلاق سے خارج کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ اسے کسی دستور کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے مکلف نہیں بنایا گیا۔ اور لفظ 'حیوان' ہی بتا دیتا ہے کہ اسے صرف اور صرف زندہ رہنا ہے اور اس کی خاطر تگ و دو کرنا ہے لیکن انسان کا مادہ انس سے ہے جس میں معاشرہ کا پہلو بھی موجود ہے اور ایک معاشرہ کے قیام کے لئے ایک دستور حیات کے مطابق زندگی بسر کرنا زندگی کا ایک اہم اصول ہے۔ اس مختصر بحث سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام ایسی مخلوق کے لئے دستور بنا کر بھیجا گیا ہے جو زندگی اور عقل کے علاوہ ایک خاص مقصد بھی رکھتی ہے۔

اسلام کا انسان سے تقاضا کی وضاحت سے قبل ضابطۂ حیات کی وضاحت بہت ضروری ہے اور ضابطۂ حیات "عربی لفظ دین" کے مترادف ہے اور مذہب اور ضابطۂ حیات میں فرق یہ ہے کہ مذہب صرف عبادات کو شامل ہے اور دین بشمول عبادات کے دوسرے شعبوں پر بھی حاوی ہے۔ اور تمام شعبوں کے لئے ایسا طریقہ کار وضع کرتا ہے جو عملاً سہل ہو۔ ارشاد ربانی ہے۔ "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین (ضابطۂ حیات) مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو تمہارے لئے ضابطۂ حیات کے طور پر منتخب کر لیا گیا۔ آئیہ ۳ المائدہ۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضابطۂ حیات معاشی، معاشرتی، اقتصادی، ازدواجی، نظریاتی اور عملی غرض ہر قسم کے پہلو کو شامل ہے۔ ان سب شعبوں کے بارے میں تفصیلات اسلام نے بیان کی ہیں۔ اس آیت میں دین کو

نعمت قرار دے کر انسان کے لئے ضابطہ حیات کے طور پر پسند کر لیا گیا ہے۔

لیکن اگر اس نعمت کو ٹھکرا دیا یا دستور حیات میں تبدیلی کر لی تو پھر وہ تاریک بھول بھلیوں میں پڑ کر تباہی کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے سے مقصدِ زندگی کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ تاریخ بھی ہمیں بتاتی ہے کہ جس نے بھی حق کی تلاش کی کوشش کی وہ کامیاب و کامران ہوا۔ اور اسلام کا تربیت یافتہ انسان ایک راسخ، پختہ اور مکمل وجود ہوتا ہے جس کے تمام پہلو ساتھ ساتھ نہایت متوازن، بھرپور اور ہمہ گیر نشوونما حاصل کرتے ہیں" اور حق کی تلاش کے لئے اگر کوئی برہمن اٹھتا ہے تو غازی احمدؒ بنتا ہے اور پھر "من الظلمات الی النور" کتاب لکھ کر دنیا پر واضح کر دیتا ہے کہ اسلام کے علاوہ کوئی اور ضابطہ ایسا نہیں جو انسان کے مقصد حیات کو پورا کرے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرے اور اگر کوئی یہودی عورت حق کی تلاش کے لئے بے تاب ہوتی ہے تو مریم جمیلہ کی صورت میں اسلام کی عملی صورت بن جاتی ہے اور دنیا پر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ایک تحریک بھی ہے جو دلوں کو تازہ کی حرکت دیتی ہے۔ اور ان کا سلسلہ اس عظیم ہستی سے جوڑتی ہے جو اس کائنات کا صانع ہے۔ جس کے سامنے تمام پوشیدگیاں واہیں وہ واسع اور علیم ہے اور انسان کی تقدیر ہے۔ وہ ساری کائنات کا مالک ہے چاہے تو ایک پل میں اس کائنات کو عدم میں لے جائے اور کسی کو خبر تک نہ ہو اور وہ چاہے تو لاکھوں کروڑوں کائناتیں بنا ڈالے۔ غرض وہ جو چاہے کرے، اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں لیکن وہ سب سے پوچھنے والا ہے۔ مذکورہ بالا نومسلموں کے علاوہ اور بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا رخ بدل ڈالا اور جونہی مقصدِ حیات سمجھ میں آیا اسی وقت صراط اختیار کر لی۔ سرسری تذکرہ کے لئے "روڈ ٹو مکہ" کے مصنف علامہ محمد اسدؒ، ڈاکٹر راجر گیراڈیؒ اور مترجم قرآن محمد مارماڈیوک پکتھالؒ کا نام لوں گا۔ اور عالم اسلام ان لوگوں پر فخر کرتا ہے کہ انہوں نے حقیقت کو صحیح سمجھ کر اسلام کا طوق اپنے گلے میں ڈالا۔ اور جو لوگ عصر حاضر میں اسلام کی سختیوں اور پابندیوں کا رونا روتے ہیں ان سے میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا مریم جمیلہ کو پردے کے بارے میں علم نہ تھا؟ کیا وہ قانون شہادت سے ناواقف تھیں؟ اسی طرح دوسرے نومسلم اور حق شناس اسلام کے ضابطۂ سے اچھی طرح واقف تھے کہ نہیں؟ تو میرے خیال میں کوئی بھی ان کی لاعلمی کا اظہار نہیں کرے گا۔ سب نے دقیق نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد اس دستور کو فطرت کے عین مطابق اور ہر دور کے تقاضے پورے کرتا ہوا پایا تو فوراً اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ اور فطرت انسانی کیا ہے؟ یہی کہ اس مخلوق کا ہر فرد انسان ہے اور ہر انسان نفس ہے اور ہر ایک نفسانی مرغوبات رکھتا ہے جن کو وہ پورا کئے جانے کا تقاضہ کرتا ہے اور انسان کی زندگی کی ایک خاص حد جو ایک دن اپنے انجام کو پہنچ کر ختم ہو جائے گی۔ اور اس کے علاوہ انہوں نے ذیل کی آیات کا مطالعہ بھی ضرور کیا ہوگا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ایک آسان دین ہے۔

ترجمہ: "ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنا دیا ہے۔ پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول

کرنے والا! (تفہیم القرآن) آیتہ ۱۷ ۔سورۃ القمر)

ترجمہ :۔سو ہم نے آسان کر دیا ہے یہ قرآن تیری زبان میں اسی واسطے کہ خوشخبری سنائے تو ڈرنے والوں کو اور ڈرا دے جھگڑالو لوگوں کو" (معارف القرآن ج/۷ مریم آیتہ ۹۷)

اور جب انہوں نے اس شہادت گہہ الفت میں قدم رکھا تو وہ اس کے نتائج سے بخوبی تھے جس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ بھی امید تھی کہ :۔

(ترجمہ) اور ہر اس شخص کے لئے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتا ہو۔ دو باغ ہیں اپنے رب کے کن کن انعامات کو تم جھٹلاؤ گے، ہری بھری ڈالیوں سے بھرپور اپنے رب کے کن کن انعامات کو جھٹلاؤ گے (تفہیم القرآن ج/۵، الرحمٰن آیتہ ۴۶ تا ۳۹)

(ترجمہ)" بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے لئے جنت فردوس مہمان نوازی کے لئے ہوگی (الکہف : آیتہ ۱۰۷)

ان کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر اچھے نتائج کی خوشخبریاں ملی ہیں۔ جیسے کبھی کبھار کڑوی دوا بھی شفا ہوتی ہے جس نے نگل لی صحت یاب ہو گیا اور جو نگل نہ سکا تو وہ ناکام و نامراد ہوا۔ اسلام بھی ظاہراً کڑوی دوا کی طرح ہے لیکن حقیقت میں یہ شیریں اور مزے دار مشروب ہے جو ایک ابدی اور پر لطف زندگی کا سراغ دیتا ہے۔

اسلام کی مخالفت کے علاوہ کچھ لوگ تو بالکل ہی مذہب کے خلاف ہیں اور وہ کسی طور پر بھی مذہب کے دخل کو گوارا نہیں سمجھتے اور طرح طرح کے اعتراضات اور بہانے گھڑ ہیں تاکہ وہ تمام ایسے سوالات و اعتراضات سے بچ سکیں جو ان سے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے کئے جا سکتے ہیں باوجود کہ وہ اس کو حق سمجھتے ہیں۔ مثلاً فرائڈ نے مذہب کو بے مقصد قرار دے کر انسان کو مادر پدر آزاد قرار دیا اور ملحدین نے مذہب کے تصور خدا کی تردید کی اور جولین ہکسلے کے تاثرات مذہب کے بارے میں یہ ہیں۔

" مذہب انسان اور اس کے ماحول کے درمیان ایک خاص طرح کے تعامل کا نتیجہ ہے اب چونکہ وہ مخصوص ماحول ختم ہو گیا ہے یا کم از کم ختم ہو رہا ہے۔ جو اس طرح کے تعامل کو وجود میں لانے کا ذمہ دار تھا۔ اس لئے اب مذہب کو زندہ رکھنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی

(Man in the Modern World ; P. 130)

مزید یہ کہ "قانون، اخلاق اور مذہب سب بورژوا کی فریب کاری ہے جس کی آڑ میں اس کے بہت سے مفادات چھپے ہوئے ہیں" (کمیونسٹ مینی فسٹو)

اسی طرح ایک امریکی پروفیسر اپنی کتاب میں Science and Christian: p. 4 رقمطراز ہے کہ "سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مذہب تاریخ کا سب سے زیادہ دردناک اور سب سے بدترین ڈھونگ تھا"

یہ سب مذہب کے حوالے سے اسلام کے ابدی نظام حیات سے انکار کرتے ہیں حالانکہ سائنس نے ابھی تک کوئی ایسا تجزیہ نہیں کیا جو سراسر مذہب یا اسلام کو وہم قرار دے۔ اور یہ متعصب لوگ اسلامی نظریۂ روح کے بھی منکر ہیں اس لئے کہ ان کی تجربہ گاہیں روح کو ثابت نہیں کر سکیں جس سے وہ اس کا مشاہدہ کر سکیں لیکن یہ خود بھی چند ایسے اعتقادات رکھتے ہیں جو مشاہدہ میں نہیں آ سکتے جیسے قانون تجاذب یہ ایک مفروضہ ہی تو ہے کسی نے اس کو دیکھا تو نہیں اور اسی طرح ذہن انسان کا لاشعوری حصہ اور بجلی کی لہر، یہ سب ایسے مفروضے ہیں جو صرف اور صرف اثرات تو مرتب کرتے ہیں لیکن بذاتہا کوئی جسم نہیں رکھتے۔ اسی طرح روح کا مسئلہ ہے۔ ان سب اعتراضات کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ابھی تک حقیقت تک نہیں پہنچ سکے۔ اور اپنی ہٹ دھرمی اور اپنے آپ کو پابند نظام کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ورنہ جن حق شناسوں کی مثالیں دی جا چکی ہیں۔ انہوں نے اس قسم کے اعتراضات قبول اسلام کے بعد کیوں نہ کئے؟

بہر حال اسلام حقیقتاً ایک طریقہ کار وضع کرتا ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ مثلاً جلب منفعت اور دفع ضرر انسانی فطرت ہیں۔ اور اس کے بارے میں اسلام کا تصور یہ ہے کہ حقیقی نفع انسان کا ایمان لانا ہے اور پھر عمل صالح کرنا ہے اگر وہ یہ شرائط پوری نہیں کرتا وہ حقیقتاً خسارے میں ہے (سورۃ العصر) اور اسلام نے رہبانیت کو ممنوع قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر کے علم کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ لگائے اور قدرت کے سربستہ راز ڈھونڈے اسی چیز کی تلقین کے لئے جگہ جگہ پر قرآن کریم میں ارشاد ہوا "کیا وہ غور و فکر نہیں کرتے" "کیا وہ دیکھتے نہیں؟" "کیا وہ عقل نہیں رکھتے؟" "کیا وہ تدبر نہیں کرتے؟" اور پھر دوسری جگہ انسانوں اور جنوں کی تمام زندگی کو عبادت قرار دیا لیکن جب وہ اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق چلیں۔ پھر خواہ وہ دنیاوی کام ہی کیوں نہ کریں۔ اور اس طرح اسلام نے ایک ذمہ داری کا بوجھ اٹھا لیا کہ جو خدائی احکام کی پیروی کرے گا اس کی کامیابی (دنیا و آخرت میں) کا ذمہ دار اسلام ہے۔ یہ ہے اسلام کا مختصر سا خاکہ جس کی صداقت کے بارے میں آج سے ۱۴ صدیاں پہلے محسن انسانیت ﷺ نے یقین دلا دیا تھا اور اعلان کر دیا تھا کہ یہ شک سے بالاتر نظام حیات ہے۔ اور اگر کوئی اسے بغیر حیل و حجت کے بھی قبول کرتا ہے تو اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں۔ اور یہی ضابطہ بنی نوع انسان کے تمام جھگڑوں کا حل ہے۔ صرف اور صرف اسی ایک نظام پر اکتفا کرتے ہوئے۔ جب اس پر عمل پیرا ہونے سے مسائل حل ہوں گے۔ فسادات ختم ہوں تو دنیا میں امن کا دور دورہ

ہو گا ۔

اسلام کی چند اہم خصوصیات :۔

خاکۂ اسلام ذکر کئے جانے کے بعد اب اس کی چیدہ چیدہ خصوصیات ذکر کی جاتی ہیں ۔

بحیثیت معاشرتی نظریہ اور اقتصادی نظام کے اسلام اپنی ایک مستقل اور منفرد شان رکھتا ہے ۔ اس کا ۱۴ صدیوں پہلا چیلنج آج بھی اس کی بے مثالی کی دلیل ہے ۔ لیکن اب تک کوئی بھی اس طرح کا نظام نہیں لا سکا جتنے نظام بھی وضع کئے گئے سب کے سب انسانی فطرت کے خلاف اور انسان کو حقیقت سے دور لے جانے والے تھے ۔ اور آج جن مقامات پر وہ نظام رائج ہیں وہ اپنی مقبولیت کی وجہ سے نہیں بلکہ حکمران طبقہ کے جبر کی وجہ سے ہیں وگرنہ بڑے بڑے فلاسفروں نے باوجود غیر مسلم ہونے کے اسلام کی عظمت کو سلام کیا ہے ۔

پہلی خصوصیت یہ کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے ۔ اور اس کی اس خصوصیت سے متاثر لوگ فوج در فوج دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے کیونکہ یہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے بات کرتا ہے اور قرآن بھی ان تمام علوم سے بحث کرتا ہے جو انسان سے متعلق ہیں ۔ یہی وہ دستور ہے جو عزوجل کی طرف سے پوری بنی نوع انسان کی زندگی کی تنظیم کا طریقہ ہے ۔ اور اس کے علاوہ کوئی بھی طریقہ قبول نہیں کیا جائے گا ۔ اور یہ اسلام اسی خصوصیت کی وجہ سے ہر دور کے تقاضے پورے کرتا ہے ۔ آئندہ صفحات میں ان تقاضوں کے بارے میں بحث ہو گی ۔

دوسری خصوصیت اسلام کا اعتدال ہے جو انسان کے ہر پہلو کو معتدل و متوازن بناتا ہے ۔ لیکن دوسرے نظام کیمونزم، سوشلزم، کیپٹل ازم اور فیوڈل ازم وغیرہ ایک انسان کی زندگی کو اتنا گرا دیتے ہیں کہ گویا وہ انسان کہلانے کا حق دار نہیں اور دوسرے طبقہ کو اس قدر مغرور بنا دیتے ہیں کہ وہ اپنے کو خدا تصور کرنے لگتا ہے ۔ لیکن معتدل اسلام نے اقتصادی مسائل کا حل زکوٰۃ، عشر، خراج اور غنیمت کے قانون کے ذریعے اور ازدواجی مسائل کا حل ایک سے زائد شادی اور پھر ناچاقی کی بناء پر آزادی اور مرنے کے بعد وراثت کی تقسیم کے ذریعے دے دیا ۔

تیسری اہم خصوصیت کہ اسلام ایک سائنسی ضابطۂ حیات ہے ۔ اور یہ حقیقت اسی طرح مسلمہ ہے جیسے ہائیڈروجن اور آکسیجن کا امتزاج مسلّمہ حقیقت ہے ۔ قرآن کے تمام امور علمی اور سائنسی ہیں جو سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ منکشف ہوتے جا رہے ہیں ۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ اسلام نظریہ پیش کرتا ہے اور سائنس اس کی تائید کرتے ہوئے اس کو ثابت کرتی ہے ۔ مثلاً قرآن میں آسمان کے بارے میں ارشاد ہوا کہ :۔

"اللہ وہ ہے جس نے آسمان کو بلند کیا بغیر کسی ستون کے جیسے تم دیکھ سکو" (رعد ۲۰) اور اسی نظریہ کی عملی صورت یہ پیش کی کہ انسانوں میں سے ایک انسان کو آسمانوں پر بلا کر یہ واضح کر دیا کہ یہ ہیں وہ آسمان جن کے

بارے میں قرآن میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ بغیر ستونوں کے قائم ہیں ۔ اور اسی نظریہ کو آج کی سائنس نے یوں ثابت
کیا ہے کہ اجرام سماوی خلا میں بغیر عمد کے قائم ہیں "بغیر عمد غیر مرئی" یعنی کشش ثقل ان کو سنبھالے ہوئے ہے ۔
اگرچہ موجودہ سائنسدان ابھی تک آسمان تک نہیں جا سکے لیکن پھر بھی وہ آسمان پر یقین رکھتے ہیں کہ آسمان ہے ۔ اس
کے علاوہ اور بہت سی ایسی چیزیں جو قرآن نے بتائی ہیں اور سائنس نے ثابت کی ہیں ۔

چوتھی اہم خصوصیت اسلام کا تصور آخرت ہے ۔ اور یہ تصور جب کسی انسان کے تخیل میں حسن اور افکار
میں بلندی پیدا کرتا ہے ۔ تو حسن نکھر کر سامنے آ جاتا ہے ۔ اور بلند افکار کے ذریعے انسان اپنی اصل منزل کی طرف
لوٹ کر معرفت حق پا لیتا ہے ۔ کیونکہ "اللہ جمیل و یحب الجمال" کے تحت اللہ سبحانہ و تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرے
پاس میرا بندہ دل کی کدورتوں اور غلاظتوں اور شرک کی بیماریوں سے پاک و صاف ہو کر آئے تو پھر میں اس کو
اپنا قرب عطا کروں اور یہ خصوصیت انسان کی اس فطرت کے عین مطابق ہے جس کے تحت ہر انسان آرام
طلب زندگی کا خواہشمند ہوتا ہے ۔

اسلام کے عالمگیر اصول :- یہ تھیں خصوصیات جن سے اسلام کا سہل العمل ہونا اور فطرت
کے عین مطابق ہونا ثابت ہوتا ہے ۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اسلام کے وہ کون سے سنہری اصول ہیں جو انسانی
فطرت کی تعمیر کرتے ہیں ۔ اور اس بنیاد پر انسانی عمارت کی تعمیر بلا جھجک کی جا سکتی ہے ۔

پہلا اصول یہ کہ اسلام اپنی بات زبردستی کسی پر نہیں ٹھونستا بلکہ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ کا فریضہ ادا
کر کے اپنی حجت پوری کر دیتا ہے ۔ اسی لئے ارشاد ربانی ہوا کہ "دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں" عقل تسلیم کرتی
ہے تو تسلیم کر لو ورنہ آپ کی مرضی اور پھر اندھیرے ہی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہو ۔

دوسرا اصول یہ کہ اپنے لئے جینے کی بجائے دوسروں کے لئے جیا جائے ۔ اسی لئے ارشاد ربانی ہوا کہ
"بھلائی اور تقویٰ کے کاموں میں آپس میں معاونت کرو اور گناہ اور زیادتیوں کے معاملہ میں آپس میں تعاون
مت کرو" اسلام نے اس اصول کے ذریعے انسان کا کھویا ہوا سکون واپس لوٹایا ہے اور اس طرح پورے
معاشرتی نظام کی اجمالی صورت پیش کر دی ۔

تیسرا اصول انسان اور اس کی ملکیت کا تحفظ ہے ۔ اسلام نے قانون قصاص و دیت، حد سرقہ، حد قذف
حد زنا وغیرہ مقرر کر کے پورے کا پورا جرائم کا قانون (Criminal Law) وضع کر دیا تاکہ
کسی بھی انسان کی عزت سے نہ کھیلا جائے اور اس کی اغراض تباہ نہ ہوں ۔

چوتھا عالمگیر اصول مساوات ہے ۔ باوجودیکہ کچھ کم علم کچھ اہل علم اور کچھ اعلیٰ درجے پر کچھ نیچے طبقے میں ہیں

لیکن پھر بھی قانون مساوات نے سب کو برابر رکھا ہے اور نظام صلوٰۃ اور زکوٰۃ وغیرہ سے سب کو مساوی قرار دیا جیسے اقبال نے اس طرف اشارہ کر کے کہا،

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا، نہ کوئی بندہ نواز،

یہ تو تھے چند اہم عالمگیر اصول جنہوں نے انسانوں کے دلوں کو موہ لیا ہے۔

عصر حاضر:-

اسلام کے ایک فطری ضابطہ حیات ثابت ہونے کے بعد اب عصر حاضر اور اس کے تقاضوں کا ذکر ہوگا۔ فرائڈ کے مطابق انسانی زندگی کے تین ادوار ہیں ایک وحشت دوسرا مذہب تیسرا سائنس، پہلے دو طے پا چکے ہیں۔ اب زندگی تیسرے دور میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ کہنا کہ اب صرف اور صرف سائنس کا دور دورہ ہے غلط ہے۔ سائنس ہی کو خدا مان لینا عقلمندی کی بجائے کم علمی کا ثبوت ہے اس دور کو مذہب سے آزاد سائنسی دور قرار دینا پستیوں کے گڑھے میں گرنے کے مترادف ہے

موجودہ دور کے سائنسی ہونے میں کوئی شک نہیں، ہر طرف سائنسی ایجادات ہیں۔ گویا آج سے کچھ صدیاں پہلے کا دور بالکل نظر نہیں آتا ہے بلکہ نیا ماحول اور نئی فضا ہے جس میں انسان پر بھی نئے نئے تجربات کئے جا رہے ہیں۔ موجودہ سائنس چاند تک پہنچ چکی اور اب آگے کے ارادے ہیں۔ ہر گھر میں دنیا کے آخری کونوں تک کی خبریں پہنچ رہی ہیں۔ خصوصاً ترقی یافتہ ممالک میں آج کے انسان کی زندگی محتاجِ آلات و ایجادات بن کر رہ گئی ہے۔ اور ابھی انکشافات جاری ہیں۔ گویا "دور حاضر احیائے علوم و فنون کے زمانہ کا استمرار ہے"

یہ سائنسی دور اس قدر ترقی کی طرف رواں دواں ہے کہ کیلر سے شروع ہو کر جس نے راجر بیکن کے ذریعے اس کی تحقیقات کے نتیجہ کو اپنا کر مزید تحقیقات جاری رکھیں اور یہ سلسلہ کوپرنیکس اور گیلیلو اور نیوٹن اور آئن سٹائن کے ذریعے اپنے عروج کو پہنچا۔ اور یہاں تک کہ ایسا حیرت انگیز مادہ تیار ہو گیا جو ایک ہی لمحہ میں تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں ہم اس دور کو مادی بھی کہہ سکتے ہیں جس کا مرکز صرف اور صرف مادہ ہے۔ اور موجودہ تہذیب مادی تہذیب کہلاتی ہے۔ اور یہ تہذیب کبھی صرف جسم (مادہ) کی طرف مائل ہو کر روحانیت کھو دیتی ہے اور کبھی سائنسی ترقی پر اتنی توجہ دیتی ہے کہ اخلاقی رہنمائی کھو دیتی ہے۔ اور کبھی صرف حیات دنیا میں کھو کر آخرت کو گم کر بیٹھتی ہے۔ غرض کہ انسان کے پاس توازن نہیں اور یہ عدم توازن موجودہ مادی قسم کے غیر متوازن نظاموں

کی وجہ سے ہے۔ اور اس ۲۰ ویں صدی کی تہذیب ایک ایسے تنزل پذیر نفس سے جنم پائی ہے جس کے پاؤں نہ تھے جو انسانیت کی صحیح رہنمائی کرنے سے قاصر تھا۔

ایجادات کی حد تک ہی نہیں بلکہ گھر کی زندگی کا ماحول تک تبدیل ہو چکا ہے۔ اور انسان فطرت ختم ہوتی چلی جا رہی ہے۔

اس کو اکبر نے یوں تعبیر کیا ہے۔

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں، مرے ہسپتال جا کر

بس ایک دوڑ لگی ہوئی ہے ہر کوئی آگے نکل جانے کی کوشش میں ہے۔ لیکن کسی کو بھی صحیح راستہ معلوم نہیں۔ ہر کوئی اپنے اختراعی نظام کو صراط مستقیم سمجھے بیٹھا ہے۔ اس قدر ترقی کے باوجود بھی انسانیت کی حالت دگرگوں ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کیوں ترقی اور عروج کے باوجود پستی کی طرف گر رہی ہے؟ جس پہلو کو بھی دیکھیں وہی کمزور ہے۔ انسان دو وقت کی روٹی کے لئے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے۔ اور یہ اشتہار اس قدر بڑھتی ہے کہ مختلف بیماریوں اور غیر انسانی عادات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور پھر ان ناسوروں میں ایک مکمل انسانیت دب کر رہ جاتی ہے۔ اس کی طرف قومی شاعر اقبال اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا کہ جس نے
قبض کی روح تیری دے کے تجھے فکر معاش

موجودہ دور کی اس پریشانی کو امریکہ کے سابق وزیر مسٹر چیسٹر باولز نے یوں ذکر کیا ہے۔

زیر ترقی ممالک صنعتی ترقی حاصل کرنے کے سلسلے میں دو طرح کے پیچیدہ مسائل سے دوچار ہیں۔ ایک یہ کہ سرمایہ، خام اشیاء اور فنی مہارت کو کیسے استعمال کریں اور دوسرے یہ کہ صنعت کو تیزی سے آگے بڑھانے کے ساتھ ہمیں یہ یقین بھی حاصل کرنا ہے کہ وہ جتنی خرابیوں کو دور کرے اس سے زیادہ خرابیاں پیدا نہ کرے مہاتما گاندھی کے الفاظ ہیں۔ سائنسی معلومات اور دریافتیں محض حرص کو بڑھانے کا اوزار ثابت ہو سکتی ہیں یا صل قابل لحاظ چیز انسان ہے

علاوہ ازیں اخبار میں، ٹی وی اور ریڈیو وغیرہ سے ایسی ایسی خبریں نشر کی جاتی ہیں کہ فطرت انسانی بلبلا اٹھتی ہے۔ اور بدحالی انسان کو بے چین کئے ہوئے ہے۔

"ایک برطانوی سوسائٹی کی رپورٹ کے مطابق برطانیہ میں دس لاکھ افراد بلکہ اس سے بھی زیادہ جنسی بے راہ روی میں مبتلا ہیں"

الاہرام۔ قاہرہ ۷ مئی ۱۹۶۵ء

۲۵ مئی ۱۹۶۵ء کا الاہرام (قاہرہ) لکھتا ہے کہ "سات کروڑ بیس لاکھ امریکی شراب پیتے ہیں۔ جن میں سے دو کروڑ امریکی اپنے فرائض سے کوتاہی کے مرتکب ہو کر ہر سال حکومت کو کھربوں ڈالر نقصان پہنچاتے ہیں۔"

"اخبار الیوم قاہرہ ۲۴ اپریل ۱۹۶۴ء کے مطابق "سویڈن کی عورتوں نے جنسی آزادی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے بھرپور مظاہرہ کیا اس مظاہرہ میں ملک کے ہر حصہ سے تعلق رکھنے والی خواتین نے شرکت کی جن کی تعداد تقریباً "ایک لاکھ تھی"

مذکورہ بالا رپورٹوں سے انسان کی اخلاقی اور روحانی ابتری ظاہر ہوتی ہے۔ اگرچہ آخری رپورٹ انسان کا فطری جذبہ ظاہر کرتی ہے کہ انسان فطرتاً اخلاقی بیماریوں سے نجات چاہتا ہے۔ اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس قسم کے برے نتائج صرف اور صرف نام نہاد شخصی آزادی اور بے راہ روی کی وجہ سے ہیں۔ لیکن آخر کیوں یہ ہے؟۔ کیوں اس قدر تیزی سے انسانیت حیوانیت کی راہ اختیار کر رہی ہے؟ اور اشرف المخلوقیت کی تذلیل ہو رہی ہے۔ کیا کہیں دنیا کا کوئی ایسا گوشہ ہے جہاں اخلاقی اقدار کا لحاظ رکھا گیا ہے اور انسان کو آرام نصیب ہوا ہو اور ذہنی اطمینان ملا ہو؟ اگر تحفظِ امن کے بارے میں کوئی مناسب اقدام نہ کیا گیا تو پھر جسمانی، نفسیاتی اور روحانی بیماریاں اس قدر بڑھ جائیں گی کہ موجودہ دور کے آلات و ایجادات علاج کرنے سے انکار کر دیں گے اور ہسپتال کم پڑ جائیں گے۔

قبل اس سے کہ عصر حاضر آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک مجبوریوں اور اخلاقی بیماریوں سے اٹا ہوا دور کہلائے اور وہ اس دور کو سائنسی ترقی کی طنز میں بدترین دور قرار دیں۔ ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ وہ کون سے تقاضے ہیں جن کے پورا کئے جانے سے یہ دور ایک بہترین دور کہلانے کا حق دار ٹھہرے۔

اب عصر حاضر کے تقاضے اور ان کے حل کے بارے میں وضاحت کی جاتی ہے۔

عصر حاضر کے تقاضے اور ان کا حل

جب ماضی اور حال کے حالات کو ملایا جاتا ہے تو منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کا مستقبل تاریک ہے نہ صرف تاریک ہی بلکہ خطرناک حد تک تباہ کن بھی ہے۔ کیونکہ تباہیٔ انسان کا سامان تو تیار ہو چکا ہے لیکن اس سے بچاؤ کا کوئی طریقہ نہیں۔ اٹیم بم تو بن چکا ہے۔ لیکن اس سے دفاع کی کوئی صورت نہیں۔ مادہ کے بارے میں تو

علم بڑی وسعت اختیار کر گیا ہے لیکن خود انسان کے بارے میں ابھی جہالت چھائی ہوئی ہے۔ اس قسم کے حالات ہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ عصر حاضر امن کا متلاشی اور اطمینان کا پیاسا ہے۔ یہ امن اور سکون ہی آج کے دور کا سب سے اہم اور بڑا تقاضا ہے۔ اس کو ہم خوشحالی، روحانی اطمینان یا ذہنی سکون سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ متوسط طبقہ کے ایک فرد کو روٹی کپڑا اور مکان مل جائے تو وہ خوشحال ترین انسان کہلائے گا۔

اس خوشحالی اور امن کو قائم کرنے کے لئے بہت سی کوششیں بھی کی گئیں۔ اسلامی امن کمیٹی اقوام متحدہ کا ادارہ اور سلامتی کونسل امن کی خاطر تشکیل پائے۔

اتنے انتظامات کے باوجود نتائج ابھی تک خوش آئند نہیں ہیں کیونکہ ابھی تک افغانستان اور کشمیر کے مسائل ویسے ہی ہیں۔ ایران عراق جنگ جاری ہے۔ کوئی ایک قوم بھی ایسی نہیں جو ذہنی طور پر خوشحال ہو اور جس سے فریاد کی جا سکے۔ امریکہ اور روس کی دوڑ جاری ہے۔ ایک حریف دوسرے حریف سے آگے نکلنے کی کوشش میں ہے اور جو چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو کٹھ پتلی کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور نصف سے زیادہ کام ان سے لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے آپس میں انسانی جذبۂ اخوت ناپید ہو گیا ہے اور جب انسانی خصوصیات مٹ جاتی ہیں تو خود انسانیت کی بقا ناممکن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دوسری انسانی خصوصیات ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ اور افراتفری، بے چینی اور اضطراب بڑھتا جا رہا ہے۔

ان سب حالات کو دیکھتے ہوئے عصر حاضر کا یہی ایک تقاضا ایسا نظر آتا ہے جس پر پوری کی پوری انسانیت کا انحصار ہے اور اگر یہی حالت رہی تو زمانہ قریب میں ہی موجودہ انسانیت اپنی نسلیں غائب پائے گی۔ اور اگر یہ تقاضا پورا نہ ہوا تو گویا انسانیت اپنے ہاتھوں اپنی موت کا باعث بنے گی۔

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس کا حل ممکن ہے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا میں امن قائم ہو، لوگ آرام کی زندگی گزاریں، اطمینان و سکون کو لوگ متاع عزیز سمجھنے لگیں؟ جب موجودہ مروجہ نظاموں کی طرف نظر جاتی ہے تو ان کے اثرات سب کے سامنے ہیں۔ جمہوریت کا نام آج کل تقریباً پوری دنیا میں مشہور ہے۔ لیکن اس نقطہ سے انتہائی محبت رکھنے والے حکمران بھی عوام الناس کو سکون نہیں دے سکے۔ آج کے اس پر آشوب دور میں اس کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ بدکردار لوگ کے جھتے متحد ہوتے رہے اور وہ کامیاب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ اسی طرح کمیونزم، سوشلزم اور کیپٹلزم وغیرہ ہیں۔ کہ ایک طرف ایک طبقہ تو انتہائی عیش میں ہے اگرچہ وہ بھی ذہنی اطمینان سے عاری ہے اور دوسرا طبقہ انتہائی طور پر ضروریات زندگی سے محروم کر دیا گیا۔ ان سب کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت اسلام ہی ایک ایسا نظام ہے جو

انسان کی انسانیت کو باقی رکھتے ہوئے اس کو ذہنی اور روحانی اطمینان دے سکتا ہے۔ آزمائش شرط ہے۔ کیونکہ یہ نظام جب بھی اور جہاں بھی جتنے تھوڑے سے عرصے تک کے لئے بھی نافذ رہا تو اس وقت کے لوگ انتہائی خوشحال زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کی مثالیں زمانۂ نبوت اور پانچوں خلفاء راشدین کا دور ہے۔ کہ زکوٰۃ دینے والے تو بازاروں میں مستحقین کو ڈھونڈ رہے ہیں لیکن زکوٰۃ لینے والے مل نہیں رہے۔ اسلام ایک ایسا نظام امن رکھتا ہے جس کے تحت انسانیت کو پوری طرح نشوونما پانے کا موقع ملتا ہے۔ اور وہ انسانی روحانیت کو جلا بخشتا ہے۔ اس لئے کہ اسلام ایک تو انسان کی انسانیت کو تسکین دیتا ہے اور دوسرے یہ کہ اپنے عالمگیر اصولوں اور اپنی قیمتی خصوصیات کو لاگو کرتے ہوئے انسان کے جسمانی تقاضے پورا کرتا ہے۔ حجتہ الوداع کا خطبہ ان دونوں کی مثال ہے ایک طرف ہر انسان روحانیت کے اعلےٰ درجے پر فائز تھا۔ اور دوسری طرف سے یہ اعلان ہو رہا تھا کہ تم میں سے ہر ایک پر دوسروں کے حقوق کی حفاظت فرض قرار دی گئی ہے۔ اور ایک دوسرے کا خون کرنا حرام ٹھہرا دیا گیا اگر اسلام امن کے حق میں نہ ہوتا اور اپنے پیرو کاروں میں اقتدار کی حرص کو روا رکھنا ہوتا تو حجتہ الوداع کا موقع ایسا نادر موقع تھا کہ جس کے ذریعے پوری دنیا پر تسلط حاصل کیا جا سکتا تھا۔ لیکن نہیں اسلام تو امن وسلامی کے لئے ایک اصطلاح بنائی گئی تھی۔ اور اسی طرح مسلمانوں کے رہبر و رہنما چاہتے تو صلح حدیبیہ کی بجائے ایک خونریز جنگ کے ذریعے فتح مکہ سے بہت پہلے مکہ پر قابض ہو سکتے تھے۔ لیکن اس عظیم لیڈر اور محسن انسانیت ؐ نے صلح کا راستہ اختیار کیا اور دس سال تک نہ لڑنے کا معاہدہ کر لیا۔ اور اسی طرح دوسری جنگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ آرڈیننس جاری ہوتا کہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کیا جائے"۔ اس کے علاوہ عام حالات میں بھی فساد سے دور رہنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ ان سب مثالوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ امن و آشتی کا پیام اسلام ہی دیتا ہے۔ اور موجودہ افراتفری کا عالم تب ہی ختم ہوگا جب اسلامی نظام کے تحت فضائے بدر پیدا ہوگی اور ہر شخص کو اپنا مقصدِ حیات (جس کا فطرت انسانی تقاضہ کرتی ہے) کے پورا کرنے کا احساس ہوگا۔ اور تب کہیں جا کر امن و سلامتی کے دیپ روشن ہوں گے اور پھر دیپ سے دیپ روشن ہونے کا سلسلہ چل نکلے گا حتیٰ کہ مظاہر قدرت روشن ہو جائیں گے کہ معرفت حق کو پانے میں آسانی ہوگی۔ جیسے کہ قرآن میں ارشاد ربانی ہے"

قرآن میں ارشاد ربانی ہے۔ "اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف خوشی خوشی لوٹ جا"۔

عصر حاضر کا دوسرا بڑا تقاضا یہ ہے کہ سائنس مسلسل ترقی کرتی رہے۔ اب تک کی سائنسی ایجادات اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ اگر کوئی مناسب انتظام نہ کیا گیا اور انسانیت کی بقا کا نہ سوچا گیا تو ایک ہی پل میں یہ انسان کی تباہی کا باعث بن سکتی ہیں۔ معروف ایجادات کے علاوہ ترقی یافتہ ممالک نے ٹیکنالوجی میں اس قدر اضافہ کر لیا ہے کہ

ایسے ایسے آلات نصب ہیں جو ان کو دوسرے ممالک کی پوری رپورٹ مہیا کر رہے ہیں۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے پوری دنیا کا نظام جامد کر سکتے ہیں۔ خفیہ تنظیموں کی بھرمار ہے۔

تو عصر حاضر یہ تقاضا کرتا ہے کہ سائنس اپنی عروج تک پہنچے۔ لیکن عروج تک حاصل ہوگا جب ان وسائل کو انسانیت کی معراج حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ لیکن سوءِ استعمال کی صورت میں ہیروشیما کی سی حالت پیدا ہو سکتی ہے اور انسانیت تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ اور عین ممکن ہے کہ یہ حالت عنقریب ہی پیدا ہو کیونکہ خالق کائنات کا ایک اصول ہے کہ جب حکمران طبقے انتہائی حد تک سرکش بن جائیں تو وہ اس پوری نسل کو تباہ و برباد کر کے نئی نسل پیدا کرتا ہے۔ جو اس کی فرماں برداری میں خلافت قائم کر کے دنیا میں امن کو پھیلاتی ہے اس قسم کے حالات پیدا ہونے سے پہلے ہی اسلام کے ضابطۂ حیات کی طرف رجوع کر لینا بہتر ہے۔ کیونکہ یہ ایک مکمل سائنسی اور عقلی نظام حیات ہے۔ یہ ایک طرف تو انسان کی جبلتوں کی تسکین کرتا ہے اور دوسری طرف انسان کو اپنے علم میں اضافہ کی ترغیب دیتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اپنے پیروکاروں پر علم کا حصول فرض کر دیتا ہے "علم کا حصول ہر مرد اور عورت پر فرض ہے" (حدیث) کیونکہ باقی نظاموں میں اب اتنی سکت نہیں کہ وہ مزید سائنسی راستے کو درخشاں رکھ سکیں۔ لیکن نظام اسلام نے اپنے اندر وہ قوت رکھتا ہے جس سے انسان صحیح سائنسی ہے کہ راستے کا تعین کر سکتا ہے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ مسلمان سائنسدانوں نے ایسے ایسے علوم دریافت کئے جن کی بنیاد پر آج کی سائنس کی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ علم کلام کے موضوع امام رازی نے "مطالب عالیہ"، "نہایت العقول، ارشاد النسطارالی، لطائف الاسرار" اور "کتاب الخلق والبعث" لکھیں۔ اور امام غزالی کی مشہور کتاب احیاء العلوم الدین" ہے۔ اور ابن رشد نے فلسفہ یونان کی توضیح اس انداز سے پیش کی کہ یورپ میں یہ ضرب المثل بن گئی "کہ انسان اصول فطرت کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک ارسطو کی تصانیف کو نہ سمجھے اور ارسطو کی تصانیف ابن رشد کی تصانیف کے سمجھنے کے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتی" "علم الکلام اور الکلام۔ ص ۲ شبلی نعمانی۔ اور جرمن بھی فلسفہ میں ابن رشد کا پیروکار رہا۔ اس کی دو مختصر ہیں "فصل المقال وتقریر ما بین الشریعۃ والحکمۃ من الاتصال" اور "الکشف عن مناہج الادلۃ فی عقائد الملۃ" ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے مسلمان سائنسدان ہیں۔ جن کی فہرست کئی کتابوں کی محتاج ہے۔ فارابی ، ابن سینا، ابن الہیثم، جابر بن حیان "بابائے کیمیا"، سائنسی میدان کے معروف کھلاڑی تھے۔

اس ساری بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام سائنس کی ایجادات کی ترقی کے مخالف نہیں بلکہ اس کی تائید کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام نظریہ پیش کرتا ہے اور سائنس اس نظریہ کی تائید کرتی ہے۔ مثلاً قرآن میں

تسخیر کائنات کا ذکر کیا گیا تو آج کی سائنس بھی ہوا، زمین اور پانی وغیرہ پر قابض ہے اور چاند تک تسخیر مکمل ہو چکی ہے اور اب کائنات کے دیگر مخفی رموز کا انکشاف پیش نظر ہے ۔ اس کے علاوہ اور بہت سی مثالیں ہیں ۔ دو دریاؤں کے اکٹھا بہنے کی مثال بھی اس چیز کی واضح دلیل ہے جس کا ذکر پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔

در حقیقت انسان نے مادہ کو اہمیت دے رکھی ہے اور سائنسی ایجادات کو ہی حاصل منزل سمجھ لیا ہے ۔ اگر چاند اور مریخ تک رسائی حاصل کرنے کے ساتھ انسان اپنے دل کی دنیا میں بھی جھانک لے تو شاید چشم باطن سے حقیقت کائنات کا مشاہدہ کیا جا سکے ۔ اور یہ احساس اسلامی تعلیمات کا ہی مرہون منت ہے ۔

عصر حاضر کا تیسرا اہم تقاضہ یہ ہے کہ نئے پیش آنے والے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے مسائل کا حل تلاش کیا جائے ۔ خواہ ان مسائل کی نوعیت معاشی، سیاسی یا معاشرتی ہو ۔ اس وقت "تیسری دنیا" کی اصطلاح معاشی بحران اور چند ممالک کی اجارہ داری کی وجہ سے وجود میں آگئی ہے ۔ موجودہ سیاسی بحران بھی انہیں استبدادی طاقتوں کا پیدا کردہ ہے ۔ جب معاشرتی لحاظ سے انسان کو دیکھتے ہیں تو وہ اخلاقی اقدار کے ناپید ہونے کی وجہ سے قعر مذلت کی تھاہ گہرائیوں میں ڈوبا نظر آتا ہے ۔ اور اس اخلاقی گراوٹ کی وجہ موجودہ سائنسی ایجادات کا سوء استعمال ہے ۔

عصر حاضر کا یہی تقاضہ ہے کہ انسان کو اخلاقی اقدار میسر ہوں وہ نئے حالات کا مقابلہ کر سکے ۔ یہ حل اسلام ہی پیش کرتا ہے جس سے انسان کی انسانیت کا تحفظ بھی ہوتا ہے ۔ اور اسے فرحت و سرور سے زندگی بسر کرنے کا موقع بھی ملتا ہے ۔ اسلام نظام زکوٰۃ کے ذریعے معاشی مسائل کو حل کر دیا ۔ اور معاشرہ کی بہتری کے لئے اخلاق کا سبق سکھاتا ہے ۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر زور دیتا ہے تاکہ زبان کی تطہیر ہوتی ہے ۔ حدود تعزیر کا ایسا قانون پیش کرتا ہے جس سے کوئی فرد بھی مستثنیٰ نہیں ۔ اس ضمن میں محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ تاریخی حیثیت کے حامل ہیں ۔ جب آپ نے فرمایا کہ "اگر" میری بیٹی "فاطمہ" بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹنے سے دریغ نہ کیا جاتا ۔ اور پھر اسلام نے قانون کو سختی سے نافذ کرنے کی بجائے عقل سے نافذ کرنے کی بھی مثال قائم کی ہے ۔ مثلاً حضرت عمر فاروقؓ نے بھوک کی وجہ سے چوری کرنیوالے کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے تعزیر سے کام لیا ۔ اور اجتہاد و قیاس کا اصول اپنا کر نئے حالات سے نبٹنے کا طریقہ بتا دیا اور واضح کر دیا کہ اسلام ایک جامد مذہب کی بجائے عقلی اور عالمگیر مذہب ہے ۔

عصر حاضر کا آخری اور اہم تقاضہ یہ ہے کہ اس وقت جتنی بھی ریاستیں قائم ہیں ان کے تحفظ کا ذمہ لیا جائے ۔ اور یہ ریاستیں خواہ نسلی، جغرافیائی یا مذہبی بنیادوں پر قائم ہوں ۔ وگرنہ بڑی ریاستیں چھوٹی ریاستوں کو ہڑپ کرتی چلی جائیں گی ۔ اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ یا تو دنیا ایک ہی ظالم کے ظلم تلے نہیں رہی ہو گی یا پھر دو حصوں میں تقسیم ہو کر "ادھر تم ادھر ہم" والا معاملہ ہو گا اور اپنے اپنے ماتحت انسانوں پر جور و ستم ڈھا کر اپنی چنگیزیت کی تسکین کا سامان

پیدا کریں گے۔ اسی لئے پوری دنیا کے انسانوں کے لئے عموماً اور چھوٹی ریاستوں کے باشندوں اور حکمرانوں کے لئے خصوصاً لمحہ فکریہ ہے کہ وہ ابھی سے اپنی بقا کا انتظام کریں اور اپنے آپ کو ایسے نظام کے تحت لائیں جو ظالم استعمار اور استبداد کے ظلم سے نجات دلائے۔ ثمر قند، بخارا جو کبھی الگ ریاستیں تھیں آج روس کا ایک حصہ ہے اور حالیہ مثال افغانستان پر روس کا حملہ ہے۔ جس کا ایک حصہ "واخان" روس میں ضم کر کے پاکستان کی سرحد کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اور باقی افغانستان پر قبضہ کی کوشش جاری ہے۔ اسی طرح اسرائیل کے خطرناک اور ذلیل ارادے ہیں اور وہ اپنی ریاست کی حدیں حجاز تک بڑھانا چاہتا ہے۔ اور امریکہ اس کی امداد میں سب سے آگے ہے۔

اس مسئلہ کا حل بھی اسلام پیش کرتا ہے۔ کیونکہ اسلام کا نظام سیاست ایک طرف تو اطاعت امیر کا تصور پیش کرتا ہے اور دوسری طرف دوسری ریاستوں سے دوستانہ ماحول میں معاہدات برقرار رکھنے کے لئے قانون پیش کرتا ہے۔ تاریخی طور پر صلح حدیبیہ اور جنگ بدر کی مثالیں بہت اہم ہیں۔ جب بدر کے قیدیوں پر شفقت کی گئی اور اسی طرح خلفاء راشدین کا دور بھی مثالی حیثیت رکھتا ہے۔

اختتامیہ:

جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسلام ہی وہ نظام ہے جس کے تحت انسان امن و سلامتی کی زندگی گزارتا ہے۔ اپنی ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ اور اپنے اللہ سے ملاقات کرتا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ وہ حقیقت کھلنے اور حجت پوری ہو جانے کے بعد کوئی کسی قسم کا بہانہ قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ خدا کا یہ دستور یا ضابطۂ حیات انسان ہی کی رہنمائی کے لئے بنایا گیا ہے۔ وہ اس انسان کے متعلق بہتر طور پر جانتا ہے کہ اس انسان کو کسی قسم کی رہنمائی چاہیئے اسے تمام اسرار و رموز کا علم ہے۔

اس لئے انسان کو اپنا انجام ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی زندگی کا لائحہ عمل تیار کرنا چاہیئے۔ اور وہ لوگ جو مذہب اور اسلام کے بالکل مخالف ہیں ان کو یہ مشورہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اہمیت دیں اور اس جسم خاکی کو موت کے دروازے سے گزرنے کے بعد ایک ہمیشہ کی زندگی سے روشناس کرائیں۔ اور آرام و سکون کا حقدار ٹھہرائیں۔

اگر یہ فکر ابھی پیدا نہ ہوئی تو پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ سائنسی ایجادات اس وقت کی سختی سے بچا نہ سکیں گی۔ اور ذہنی مکاریاں کام نہ آئیں گی۔ الفاظ کے گھروندے بکھر جائیں گے۔ جھوٹے فلسفے بے دلیل ثابت ہوں گے۔ فرضی امیدیں دھوکہ دے جائیں گی۔ اقتدار کام نہ آئے گا۔ اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کی ذلت طاری ہو جائیگی جو صرف اپنے ہی اعمال کا نتیجہ نہیں ہوگی بلکہ پوری انسانیت کی گمراہی کا گناہ کا بوجھ کے طور پر ہوگی۔

اگران تقاضوں کو پورا نہ کیا گیا تو پھر موجودہ انسانیت زمانہ قریب میں ہی ختم ہو کر رہ جائے گی اور پھر صرف یہ ہو گا کہ

"کھنڈرات بتا رہے ہیں کہ عمارت عظیم تھی"
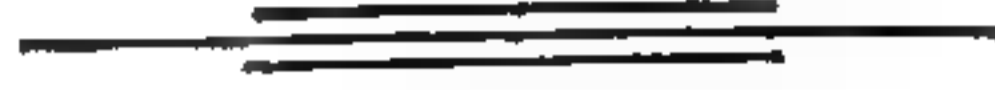
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے۔

محمد ایاز پشاور یونیورسٹی پشاور۔

تمہید جس طرح انسان کو اپنی انفرادی زندگی میں طرح طرح کی ضروریات پیش آتی ہیں اُسے طرح طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح انسان کو اپنی اجتماعی، معاشرتی زندگی میں بھی کئی مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اسلام نے جس طرح انسان کی انفرادی زندگی کی تمام ضروریات کو پورا کرنے اور تمام مسائل کو حل کرنے کیلئے بہترین اصول وضع کئے ہیں۔ اسی طرح اس میں تمام مسائل، معاشرتی، معاشی ضروریات کو پورا کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

انسانی معاشرے کی تمام ضروریات کا ذکر اور اُس کے اسلامی نظریات کے تحت حل کرنے کا بیان اتنا مختصر نہیں کہ اُسے پندرہ بیس صفحے کے مضمون میں سمویا جاسکے مگر مندرجہ ذیل مضمون اس راہ میں ایک مختصر ترین خلاصے کی حیثیت سے پیش خدمت ہے۔

اسلام کی اکملیت اگرچہ اسلامی معاشرے کی بہت سی اور ان گنت ضروریات ہیں کیا واقعی اسلام ان سب کے لئے کافی ہے اور کیا ان تمام ضروریات اور مسائل کو اسلام کی روشنی میں حل کیا جاسکتا ہے؟ اس جواب کے لئے اسلام کے گہرے مطالعے کی ضرورت ہے اور عقیدت اور ایمان کی صورت میں ہم جہاں آخرت اور دوزخ اور جنت پر ایمان رکھتے ہیں تو وہاں ہمیں اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات پر بھی یقین ہونا چاہیئے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ یعنی کہ "آج میں نے تمہارا دین مکمل کیا تم پر اپنی رحمت پوری کی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند کیا" اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ؕ "بے شک اللہ کے نزدیک (بہترین) دینِ اسلام ہے۔"

ان ارشاداتِ ربانی کا مقصد یہی ہے کہ چونکہ اسلام آخری مذہب ہے یہ کسی ایک خاص قوم، علاقے اور زمانے کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی اس میں ترمیم یا تبدیلی کی گنجائش باقی ہے۔

اس لئے واقعی یہ ایک مکمل دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے اور اس میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تمام ضروریات اور مسائل کا حل موجود ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اس لئے اسلام تمام معاشی اور معاشرتی مسائل کے حل کے لئے بڑی خوبی کے ساتھ عمل میں لایا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اور اس میں انفرادی زندگی کے بارے میں بھی تمام اصول اور قاعدے موجود ہیں۔

انسانی معاشرے کے مسائل

آج کل کے دور میں انسانی معاشرے کا سکون درہم برہم ہے نہ تو انسانی زندگی محفوظ ہے۔ بلکہ ناقابل برداشت حد تک مشکل ہو گئی ہے۔ ایسا کیوں ہے اور انسانی معاشرے کو کون کون سے بڑے مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں سے چند بڑے بڑے مسائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ معاشرتی مسائل :۔ معاشرہ انسان کی اجتماعی زندگی ہی سے وجود میں آتا ہے اور معاشرے میں انسان اپنوں اور غیروں کے ساتھ مل کر زندگی گزارتا ہے۔ اس زندگی کو خوشحال بنانے کے لئے نہ صرف معاشرے کے حقوق کا خیال رکھنا پڑتا ہے بلکہ معاشرے کے ماحول کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔

اپنوں میں سب سے پہلے والدین ہوتے ہیں جنہیں اسلامی معاشرے میں بہت ہی اہمیت ہوتی ہے۔ یہ والدین ہی کا سایہ ہوتا ہے جس کی چھاؤں میں انسان وہ تربیت حاصل کرنے کے قابل ہے جس کے تحت وہ اپنی آئندہ زندگی گزارتا ہے۔ ماں کی گود بچے کے لئے پہلے مدرسے کی حیثیت رکھتی ہے اور باپ کا سایہ زندگی کی مشکلات کی تیز دھوپ سے بچاتا رہتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بھی اسلامی اصولوں اور اسلامی نظریات میں والدین کو بہت اہمیت دی ہے اور اُن کے حقوق اپنے حقوق کے بعد رکھے ہیں۔ والدین کے بعد معاشرے میں قریب ترین افراد رشتہ دار یعنی اولاد بھائی بہن اور شوہر بیوی وغیرہ ہوتے ہیں۔ آج کل کے دور میں معاشرے میں بے سکونی اور بے چینی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم والدین اور قریبی رشتوں کا کچھ خیال نہیں رکھ رہے ہیں۔ اس سے معاشرے کی فضا مکدر ہو گئی ہے اور ہر طرف تلخی ہی تلخی ملتی ہے۔

غیروں میں سب سے پہلے اور قریب ہمسائے ہوتے ہیں۔ آج کل کے دور میں ہمسایوں میں آپس میں لڑائی جھگڑے روز بروز کا معمول بن گئے ہیں اور اس طرح معاشرے میں سکون سے

ناممکن ہوگیا ہے۔ کیونکہ گھر میں بند ہو کے رہنا اور ہمسایوں میں خراب تعلقات بے چینی ہی کے سبب بنتے ہیں۔

اسلام نے والدین، رشتہ داروں اور ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھنے کے لئے اور اُن کے ساتھ خوشحال زندگی گزارنے کے لئے راہنما اصول وضع کئے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر انسان امن و سکون کی زندگی گزار سکتا ہے۔

معاشرے میں افراد کے علاوہ ماحول کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ کیونکہ اگر ماحول خراب اور گندہ ہو تو معاشرہ کیسے خوشحال رہ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک حیاتیاتی قانون ہے کہ زندہ چیز سے ماحول بہت اثر لیتا ہے۔ ہمارے ماحول میں جانور اور پودے شامل ہیں جن پر زیادہ حد تک ہماری خوراک اور ہوا کی صفائی کا دارومدار ہے آج کل ہم نہ تو ماحول کی صفائی کا خیال رکھتے ہیں اور نہ ہی جانوروں اور پودوں کا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طرف گندگی پھیلی ہوئی ہے، اور اس سے آرام و سکون کی جگہ بے چینی اور اضطراب نے لے لی ہے۔ اسلام نے نہ صرف انسانوں کے ساتھ اپنے تعلقات بہتر رکھنے کے لئے نظام وضع کیا ہے بلکہ اُس نے اپنے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کے لئے اور اُس کے اجزاء یعنی جانوروں اور پودوں کا خیال رکھنے کیلئے اور اُن کی بے جا تباہی کو روکنے کے لئے بھی اصول بنائے ہیں۔ جن پر پوری طرح عمل کر کے انسان اپنے معاشرے کو صاف ستھرا رکھنے کے قابل ہو سکتا ہے۔

مساوات کا فقدان

انسانی معاشرے میں آج کل جو خرابیاں جنم لے رہی ہیں اُن میں سرفہرست مساوات کا فقدان ہے۔ اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ صلاحیتوں کے اعتبار سے تو انسان برابر نہیں ہو سکتے۔ مگر ضروریات زندگی کے لحاظ سے تو تمام انسان انسان ہی ہیں اور اُن کی ضروریات ایک جیسی ہیں آج کل انسان نے خود ساختہ تفرقے بنائے ہیں۔ جن کی مختلف اشکال ہندو معاشرہ کی چھوت چھات کے نظام (CAST-SYSTEM) اور جنوبی افریقہ کے نسل پرست نظام حکومت میں روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

اسلام ان مسائل کو بڑی خوبی کے ساتھ حل کرتا ہے۔ تمام انسانوں کو برابر سمجھتا ہے اور اُن کی ضروریاتِ زندگی کو ایک ہی طرح سے پوری کرنے کے لئے قانون وضع کرتا ہے اور عدل و انصاف اور مساوات کی تلقین کرتا ہے۔ اس بارے میں اسلام کے یہ عقائد کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کسی امیر کو غریب پر اور کسی غریب کو امیر پر کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ یعنی کہ بھائی

بھائی ہونے کا مطلب یہ ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب انسان برابر ہیں۔ اُن کو اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے خود معاشی ضروریات کی غیر مساوی تقسیم کے بارے میں کہا ہے کہ "ہم نے معاشی وسائل کو اس لئے غیر مساوی تقسیم کیا ہے ہم اس طرح مختلف انسانوں کو امتحان سے لے سکیں تاکہ ہم دیکھ سکیں کہ غریب غربت میں صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے چھوڑتا ہے کہ نہیں کہ وہ غربت سے تنگ آکر چوری، جیب تراشی، اُجرتی قاتل اور عصمت فروشی جیسے گھناؤنے جرائم میں مبتلا ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے احکامات کا پاس رکھتے ہوئے صبر و تحمل سے کام لیتا ہے اور یہ مالدار اور متموّل لوگ اس دولت کو کس طرح سے استعمال کرتے ہیں کیا وہ اس دولت کو خدا کی راہ یا دوسرے سماجی و فلاحی کاموں میں صرف کرتے ہیں یا اس دولت سے وہ عیش پرستی، شراب نوشی جوئے، زنا اور اس طرح کے دوسرے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں دولت کا بھاؤ ایک ہی طرف ہوتا ہے۔ محنت کش طبقے کو اُن کی محنت کا پورا اُجر اور صلہ نہیں ملتا۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر بنتا جارہا ہے اور اس طرح معاشرے میں دولت کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے معیشت کی کمر ٹوٹ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک میں فی کس آمدنی کی اونچی شرح کے باوجود بے چینی اور اضطراب کہیں زیادہ ہے بے روزگاری، چوری، ڈاکہ زنی اور اُجرتی قتل معمولی کام بن گئے ہیں۔ جس کے لئے حل تلاش کر اور مسائل پر قابو پانا ان حکومتوں کے بس کا روگ نہیں ہے۔

دوسری طرف کیمونزم اور سوشلزم میں بھی محنت کش طبقے پر ظلم ہو رہا ہے۔ اُن کو اُن کی صلاحیتوں کے مطابق اجر نہیں مل رہا ہے۔ پیسے حکومت کے خزانے میں جمع ہو رہے ہیں۔ جس سے اُونچے طبقے کے لوگ اور بھی عیش و عشرت کا سامان کر رہے ہیں اور غریبوں کو مشکل سے دو وقت کی روٹی ملتی ہے۔

لیکن اس کے برعکس اسلام کا اصول یہ ہے کہ محنت کشوں کو اُن کی صلاحیتوں اور محنت کے مطابق اجر دیا جائے۔ جو کوئی جتنی زیادہ محنت کرے گا اُسے اتنا ہی زیادہ اجر ملے گا۔ اس سے معاشرے میں بے روزگاری اور کام چوری کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور لوگوں میں زیادہ محنت کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے دولت کی تقسیم میں توازن برقرار رہتا ہے اور معاشرے میں آرام و سکون کا دور دورہ رہتا ہے۔ حلال کسب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست قرار دیتا ہے۔ اور حضورؐ کا ارشاد ہے کہ مزدور کو اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اُس کا اُجر دو۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ اور صدقوں سے دولت کے ایک جگہ جمع

ہونے کے امکانات کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور غریبوں کی ضروریات کو پورا کر کے اُن کو چوری جیب تراشی، ڈاکہ زنی اور عصمت فروشی جیسے جرائم سے دُور رکھا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف امیروں اور متمول طبقے کے لوگوں کو اُن کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جاسکتا ہے۔ روزے فرض کر کے اُن کو بھوکے انسانوں کی ضروریات و احساسات کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔ فضول خرچوں کو شیطان کا بھائی کہا ہے اور اُن کو فضول خرچی سے منع کیا ہے اور ان کی دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں تاکہ وہ فضول خرچی، شراب نوشی اور دوسرے خراب ترین افعال سے بچ سکیں اور اُن کی زندگی پر سکون اور خوشحال بنانے کے لئے بندوبست کیا جاتا ہے۔

عدل و انصاف

موجودہ انسانی معاشرہ میں مساوات کے فقدان کے بعد دوسرا بڑا مسئلہ عدل و انصاف کی ناپیدی ہے عدل کا مقصد میانہ روی ہے اور اس پر پوری کائنات عمل پیرا ہے اور اگر شمسی نظام کا کوئی ایک سیارہ بھی عمل چھوڑ دے تو سارا شمسی نظام درہم برہم ہو جائے۔ اسی طرح اگر انسانی معاشرے میں عدل و انصاف کی ناپیدی کی وجہ سے انسانی معاشرے کا سکون و چین درہم برہم ہو گیا ہے۔ عدل و انصاف کے ناپید ہونے اور اس پر عمل پیرا نہ ہونے کی دو وجوہات ہیں۔

۱۔ سفارش و رشوت :۔ معاشرے میں عدل و انصاف کی کمر توڑنے میں سب سے بڑا ہاتھ رشوت ستانی اور سفارش کا ہے۔ سفارش کی وجہ سے اہم عہدوں پر نااہل افراد متعین کئے جا رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے ملک کی معیشت اور دفاع کی بنیادیں کمزور ہوتی جا رہی ہیں۔

سازشی اور غدار لوگ جو اپنے آپ کو ایک ٹکے کے لیے بیچ دیتے ہیں آگے آ رہے ہیں اور وہ غریب افراد جو اگرچہ باصلاحیت ہوں اور اُن میں کچھ کر دکھانے کے جوہر بھی موجود ہوں مگر سفارش نہ ہونے کی وجہ سے اور رشوت کی بھاری پیش کش کا متحمل نہ ہو سکنے کے باعث پیچھے رہ جاتے ہیں۔ قابل اور باصلاحیت افراد کی صلاحیتیں برباد ہو رہی ہیں اور وہ قوم و ملک کے کام آنے سے قاصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آگے جانے کی بجائے پیچھے کی طرف آ رہے ہیں اور تنزل ہمارا مقدر بن گیا ہے۔

رشوت ستانی کی وجہ سے حقدار کو اپنا حق اور ظالم کو اُس کے ظلم کی سزا نہیں مل سکتی۔ جس کی وجہ سے بدامنی روز بروز پھیلتی جا رہی ہے۔ قانون بے بس اور لاچار ہو گیا ہے۔ چوری، ڈاکہ زنی

اُجرتی قتل، بموں کے دھماکے اور نہ جانے ایسے کتنے ہی بے شمار جرائم ہیں جن کو قابو کرنے میں حکومت بے بس لگ رہی ہے اس کی اصل وجہ رشوت کا رواج ہے اور رشوت کو ایجاد بھی انہی لوگوں نے کیا ہے کہ جن کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ اُن کا حق نہیں ہے جسے وہ رشوت دے کر حاصل کر رہے ہیں اور دوسری طرف اس میں وہ اہلکار پوری طرح شریک ہیں جو راتوں رات امیر بننے کے خواب دیکھتے ہیں، جوئے، شراب اور عیش و عشرت کے لئے کمائی کے نئے طریقے ڈھونڈتے رہتے ہیں اور جن کی تنخواہ پندرہ سو روپے ہوتی ہے اور گاڑیوں کے مالک ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رشوت ستانی کی تدارک کرنے والے ادارے بھی رشوت لے لیتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اگر کہیں بھی گڑبڑ ہوگئی تو رشوت دے کر جان چھڑا لیں گے۔ انہی وجوہات کی بناء پر قومی سرمائے کے غبن میں ملوث افراد کوئی سزا نہیں پا رہے ہیں، اور حکومت کا سرمایہ برباد ہوتا جا رہا ہے اور فنڈز میں کھلے بندوں غبن ہو رہے ہیں۔ مگر پوچھے گا کون۔ رشوت ستانی کے انسداد کے لئے قائم کردہ اداروں والے بھی تو رشوت لے رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ قانون اندھا ہو گیا ہے۔ چوکیدار اور نائب قاصد کے منصب کیلئے دی جانے والی درخواست پر وزیر اعلیٰ اور گورنر صاحب کے دستخط لازمی ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے دستخط کے بغیر دی جانے والی درخواست پر کوئی غور ہی نہیں کرتا ہے۔

ان حالات پر قابو پانے کے لئے اسلام نے بڑے زبردست قوانین وضع کئے ہیں۔ جس میں رشوت لینے والے کے لئے اسّی دُرّوں کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ اور رشوت لینے اور دینے والوں دونوں کو برابر کا گنہگار قرار دیا ہے اور آخرت میں دونوں کے لئے دوزخ ہی ٹھکانہ ٹھہرایا ہے ان حالات کو اسلامی سزاؤں کی مدد سے قابو نہ کیا گیا اور رشوت اور سفارش کے راستے میں اسلامی قوانین اور قرآنی سزاؤں کا بند نہ باندھا گیا تو وہ وقت دور نہیں کہ ہم پر ڈوم اور طائفہ کی حکومت لازمی آئے گی اور آئندہ آنے والی نسلیں ہمارے ناموں سے نفرت کریں گی، اور ہماری قبروں پر تھوکیں گی۔

نوکر شاہی اور اقرباء پروری

قانون کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں دوسرا بڑا ہاتھ نوکر شاہی اور اقرباء پروری ہے۔ نااہل افراد کے اعلیٰ منصبوں پر تعینات کرنے اور اس طرح حکومت کی بنیادیں کھوکھلی کرنے میں نوکر شاہی اور اقرباء پروری کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ اسلام نے ان دونوں سے نمٹنے کے لئے راہنما اصول وضع کئے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر ہی معاشرے میں عدل و انصاف اور برابری کا روح افزا ماحول اور فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس ضمن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دورِ مبارک سے چند واقعات تبرک کے طور پر پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر حکمران ابنِ ابی کعب رضی اللہ عنہ کے ایک مقدمے کے سلسلے میں جب

مدینہ منوّرہ کی ایک عدالت میں تشریف لائے تو قاضیِ مدینہ زیدؓ بن ثابت تعظیماً کھڑے ہو گئے اور دورانِ مقدمہ مدعی سے التجا کی وہ خلیفہ کو حلف نہ دیں۔ عدالت سے واپسی پر حضرت عمر فاروقؓ نے یہ حکم جاری فرمایا "چونکہ تم مدعا علیہ (خلیفہ) کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے اور اُسے حلف دینے سے ہچکچا رہے تھے اس لئے تم منصب قضا کے قابل نہیں ہو"

۲۔ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنی گم شدہ زرہ کسی عیسائی کے ہاں دیکھ لی اور قاضی "شریح" کے ہاں بازیابی کا مقدمہ دائر کر دیا۔ چونکہ شہادت کوئی نہیں تھی اس لئے قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا۔

اس پر وہ عیسائی کہنے لگا کہ "اللہ قسم یہ انصاف صرف انبیاء کے ہاں مل سکتا ہے" اور پھر مسلمان ہو گیا اور ساتھ ہی اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا کہ یہ زرہ خلیفہ کے اونٹ سے گری تھی اور میں نے اٹھالی تھی اُس نے خلیفہ کو زرہ واپس دینا چاہی لیکن خلیفہ نے اُسے بخش دی۔

۳۔ حضرت عمرؓ نے عیاض بن غنم (والی مصر) کو گورنری سے ہٹا کر بیت المال کے ایک ریوڑ کا چرواہا بنا دیا تھا کیونکہ وہ مصری ململ کا کرتا پہنے ہوئے تھا اور یہ چیز عوام کو میسّر نہ تھی۔

۴۔ حضرت عمرؓ نے انتخاب خلیفہ کے لئے شوریٰ بنائی اور فرمایا کہ اگر ابو حذیفہ کا غلام سالم آج زندہ ہوتا تو میں اُسے خلیفہ نامزد کرتا۔

اس کے علاوہ اسلام میں مساوات کے وہ زریں قوانین موجود ہیں۔ جن کا تصوّر نہ تو ایک طرف سرمایہ دارنہ نظام میں ہے اور نہ ہی اس میں ممکن ہے اور نہ ہی وہ مساوات کے بڑے بلند و بانگ دعوے کرنے والے سوشلزم میں اور کیمونزم میں موجود ہے۔ اسلام نے امیر اور غریب کے درمیان فرق کم سے کم تر کرنے کے لئے قوانین وضع کئے ہیں ارشادِ نبویؐ ہے کہ اپنے ملازموں کو وہ کھانا کھلاؤ جو کہ تم خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ اگر غور کیا جائے تو ایسا کرنے سے ملازم اور مزدور کو یہ احساس نہیں رہے گا کہ وہ اپنے مالک سے کم تر ہے۔ بلکہ اُس سے غلامی کا احساس مٹ جائیگا اور اس طرح امیر اور غریب کے درمیان سے وہ خلیج ختم ہو جائے گی جو غیر قوموں نے ہمارے معاشرتی نظام کو تباہ کرنے کے لئے پیدا کی ہے۔ دونوں میں ہمدردی اور بھائی چارے کی فضا قائم ہو سکے گی، معاشرے میں آرام و سکون واپس آسکے گا اور پورا انسانی معاشرہ ایک خوشحال گھرانہ بن جائے گا۔ جو مثال جنّت خوشحال اور خوبصورت ہو گا۔

خواتین کا مقام

آج کل کے معاشرے میں عدل وانصاف کے بعد دوسرا بڑا اور اہم مسئلہ خواتین کی آزادی کا ہے جو کہ مغربی اور خاص طور پر یورپی اور امریکی دنیا نے بے حیائی اور عریانی کو خواتین کی آزادی کا نام دے کر کھڑا کیا ہے، یورپ میں خواتین کی اس بے نام و نہاد آزادی نے عائلی نظام اور سکون کا جنازہ نکال دیا ہے اور معاشرے میں گناہ کا تعفن بھر دیا ہے۔ اس خوفناک انجام سے بچنے کے لئے اسلام نے عورتوں اور مردوں پر کچھ پابندیاں لگائی ہیں۔

اوّل :- یہ کہ جب عورت اپنے گھر سے نکلے تو ایک چادر سے اپنی زینت کو ڈھانپ لے۔ کچھ مفسرین چہرے کو بھی زینت میں شامل کر لیتے ہیں اور بعض کے خیال میں چہرے کا ڈھانپنا ضروری نہیں ہے۔ یہ آخری گروہ اس کے ثبوت میں یہ آیت کریم پیش کرتے ہیں۔

(اے اللہ کے رسولؐ مسلمان مردوں سے کہو کہ جب وہ خواتین کے سامنے آئیں تو آنکھیں نیچی رکھیں) اور (اسی طرح مسلمان خواتین کو ہدایت کر دو کہ جب وہ مردوں سے مخاطب ہوں تو اپنی آنکھیں نیچے رکھیں) تو اگر چہرہ بھی زینت میں شامل ہو اور اُسے ڈھانپا گیا ہو۔ پھر تو آنکھیں نیچی کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی یعنی اس ہدایت سے پتہ چلتا ہے کہ پردے کے لئے منہ کو چھپانا ضروری نہیں۔ یوں اللہ نے منہ چھپانے سے روکا نہیں ہے۔ صرف اتنا ہی فرمایا کہ اور اگر حالات اچھے ہوں اور معاشرے پر اسلامی رنگ غالب ہوں تو منہ کھُلا رکھنے کی اجازت ہے۔ چونکہ دورِ حاضر میں خوفِ خدا، تقویٰ اور شرم وحیا کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا ہے اور ہمارا معاشرہ یورپی اثرات کی گرفت میں آچکا ہے اس لئے خواتین کا منہ پہ پردہ ڈالنا ضروری ہے کہ وہ لذت پرستوں کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکیں۔

دوم :- مرد عورتوں کے امیر ہیں، یعنی کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جائے گی۔ یورپی حالات اس کے بالکل مختلف ہیں بیوی جب چاہے جس کے ساتھ چاہے منہ اُٹھائے جا سکتی ہے۔ جس کی وجہ سے گھروں کا ماحول اُجڑ گیا ہے اور سکون ریزہ ریزہ ہو گیا ہے خودکشیوں اور طلاق کی وارداتوں میں روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

سوئم :- مردوں اور عورتوں میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہونی چاہئیں، مومن، مسلم، فرمانبردار، راستباز، صابر، روزہ دار، شرم گاہوں کی حفاظت اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے ہوں۔

جس معاشرے کی خواتین ان خوبیوں کی مالک ہوں وہاں کسی قسم کی بے چینی یا اضطراب کا

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام نے عورتوں کو چار مختلف لحاظوں سے معتبر اور محترم ٹھہرایا ہے۔ عورت "ماں" ہو تو اُسے باپ کے مقابلے میں تین چوتھائی زیادہ حقوق کا حقدار ٹھہرایا ہے اور اُس کی محبت اور شفقت کے جذبے کے تحت جنّت اُس کے قدموں میں رکھ دی ہے، عورت بہن ہو تو اس کا پیار و محبت لافانی ہوتا ہے، عورت بیٹی ہو تو اس کی معصومیت بے نظیر ہوتی ہے عورت بیوی ہو تو اس کے تعاون کے بغیر مرد کی زندگی ناممکن اور ادھوری رہتی ہے یورپ پروپیگنڈا کے فن میں ماہر ہے اُس نے اپنی خواتین کی بے حیائی اور بے راہ روی کو آزادی کا نام دیا ہوا ہے اور ہماری عورت کے حیا اور عصمت کو غلامی اور استحصال کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ اس کج اندیشی کا کیا علاج کہ وہ اپنی عورت کی بے لگامی کو معراج نسوانیت سمجھتا ہے اور ہماری عورتوں کے تقدس کو پستی قرار دیتا ہے۔ یورپ کو اس کج اندیشی کی خوب سزا مل رہی ہے اُس کا خانگی سکون درہم برہم ہو چکا ہے۔ طلاق اور خودکشیوں کی کثرت اُس کے لئے لعنت بن چکی ہے۔ "ایڈز" کی بیماری زوروں پر ہے۔ لیکن اس کے برعکس اسلام نے جو راہنما اور پاکیزہ اصول وضع کئے ہیں، یورپ کو جلد یا بدیر ان روشن ہدایات کے سامنے جھکنا پڑے گا۔

انہی روایات کی روشنی میں اگر اسلامی اقدار کا خیال رکھا جائے تو اس مسئلے پر آسانی سے قابو پایا جا سکتا ہے۔

تعلیم

انسانی زندگی کی ایک بڑی ضرورت تعلیم بھی ہے۔ کیونکہ تعلیم کے بغیر انسان کا صحیح معنوں میں انسان بننا ناممکن ہے۔ اسی تعلیم کی روشنی میں انسان اپنی زندگی آرام و سکون سے بسر کر سکتا ہے اور اپنے لئے خیر و شر میں تمیز کر سکتا ہے۔ والدین پر اولاد کے دوسرے حقوق کے علاوہ سب سے بڑا حق اُن کی تعلیم و تربیت کا بھی ہے اور حکومت پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کے لئے اعلیٰ تعلیم و تربیت کا بندوبست کرے۔

تعلیم کے بارے میں اسلام کا تصور یہ ہے کہ "تعلیم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔" دوسری طرف ارشادِ نبویؐ ہے کہ تعلیم حاصل کرو چاہے اس کے لئے تمہیں چین جانا پڑے۔ اس دوسری حدیث میں یہ بات واضح ہے کہ اس "علم" سے مراد اگرچہ مذہبی علوم بھی ہیں مگر اس کے علاوہ مادی اور دنیاوی علوم کا حصول بھی ہے، کیونکہ چین میں مذہبی علوم کے لئے تو نہیں جانا تھا، تعلیمی مسئلہ کو اسلامی اصولوں کے تحت حل کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں کئی سکول و کالج ہیں مگر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہاں صرف علم کی تدریس

ہی ہوتی ہے اور علم کی تخلیق کہیں بھی موجود نہیں ہے۔

تحقیق تعلیم کے بعد تحقیق کا درجہ ہے اور علم و تحقیق لازم ملزوم ہیں۔ تحقیق کے بغیر علم نہ صرف نامکمن ہوتا ہے بلکہ علم کے محدود ہونے اور گلنے سڑنے کا بھی خطرہ ہوتا ہے، اس لئے علم کے ساتھ ساتھ تحقیق کی بھی اشد ضرورت ہے۔ اس لئے حکومت پہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں ایسا نصاب تعلیم وضع کرے جو کہ لاکھوں کی تعداد میں کلرک اور بے روزگار لوگوں کے بجائے عالم و فاضل اور صحیح معنوں میں محقق پیدا کریں، اور اس مقصد کے لئے ہر یونیورسٹی، ہر ثانوی بورڈ، تعلیم کے ہر ڈائریکٹریٹ، ہر ڈویژن، ہر ڈسٹرکٹ کونسل اور ہر کالج کے ساتھ ایک ایک ریسرچ سوسائٹی یا ادارہ تالیف و ترجمہ قائم کرے۔ آغاز میں ایک یا دو اسکالر اس کام پر لگائے۔ مرکز میں ایک پبلشنگ ہاؤس قائم کرے جو ان تمام کتابوں کی اشاعت کرے اور پھر دیکھئے کہ دس سال میں ہمارا ادب کہاں سے کہاں تک پہنچتا ہے۔ علم مومن کی میراث ہے۔ یہ آج اس میراث سے محرومی کے سبب بے وقار اور مفلس اور رسوا ہے ارشادِ ربانی ہے یعنی کہ جس شخص کو علم و صحت مل گئی وہ بڑا دولت مند بن گیا۔

دنیاوی تعلیم اور سائنس و ٹیکنالوجی کے بارے میں اسلام کا بڑا زبردست اصول ہے کہ کائنات کو مسخر کرو۔ یہ سب تمہارے لیے ہے اور حکم ہوتا ہے کہ زمین میں پھیل جاؤ اور کائنات میں جھانکو۔ یہ سب دنیاوی علوم اور سائنس کے لئے ترغیبات ہیں جو اللہ کے وجود ہی کی دلیل پر جا کر ختم ہوتی ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت آج کل کے دور میں ایک مسئلہ نظام حکومت کا بھی ہے ملک میں نہ کوئی قانون ہے اور نہ کوئی نظام۔ کبھی پارلیمانی حکومت کو ترجیح دی جاتی ہے اور کبھی صدارتی نظام کو اور کبھی کبھی دونوں کا ایک آمیزہ (جس طرح آجکل ہے) کچھ سمجھ میں نہیں آتا ایک غیر سیاسی انتخابات ہوتے ہیں پھر منتخب شدہ نمائندے ایک سیاسی جماعت بنا لیتے ہیں دوسری سیاسی پارٹیاں احتجاج کرتی ہیں کہ ہمیں یہ انتخابات منظور نہیں ہیں اور از سرِ نو انتخابات کرائے جائیں۔ حکومت انکے مطالبات کو مسترد کرتی ہے پھر نہ تو حکومت چین سے بیٹھ کر عوام کے مسائل حل کرنے کے قابل ہوتی ہے اور نہ ہی سیاسی پارٹیوں کے پاس کوئی ایسا نظام ہے جس سے وہ حکومت کو شکست دے سکیں اور عوام کو حکومت کے غلام بنا سکیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے کبھی اسلامی طرز حکومت پر غور ہی نہیں

کیا۔ اگرچہ ہم نے پاکستان کو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ہی بھارت سے علیحدہ کیا تھا اور اسے حاصل کرتے میں طرح طرح کی قربانیاں دی تھیں۔ مگر بدقسمتی سے ایسا کبھی نہیں ہو سکا اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اسلامی نظام حکومت جو کہ حضورؐ اور آپ کے صحابہ کرام اور خاص طور پر خلفائے راشدین نے رائج کیا تھا اس پر غور کیا جائے اور اُسے مکمل طور پر رائج کیا جائے تو اس میں دونوں جہانوں کی سرخروہی ہے اور ہم اس دنیا میں بھی عزت و آبرو کی زندگی بسر کر سکیں گے۔

اسلامی نظامِ حکومت کو سمجھنے اور اُس کو رائج کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کو اچھی طرح سمجھ لیں اور ان پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اسلامی طرزِ حکومت کے لئے مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

۱۔ امیر کی خوبیاں۔
۲۔ انتخابِ امیر
۳۔ شوریٰ کا تصوّر
۴۔ وسائلِ قوت کا جائزہ لینا۔
۵۔ قرآنی سزاؤں کا نفاذ (دُرّوں کی سزا، قطع ید اور اسلامی حدود کا نفاذ)
۶۔ عدل و انصاف
۷۔ اسلام کے عائلی نظام کا نفاذ
۸۔ اسلام کے نظام معیشت کو نافذ کرنا
۹۔ اسلام کا معاشرتی نظام

اختصار کے لئے صرف تین یعنی قرآنی سزاؤں، اسلام کے عائلی نظام اور اسلامی نظامِ معیشت کے بارے میں مختصراً نیچے بیان کرتا ہوں۔

اسلام کا معاشرتی نظام

معاشرے کو پاک و صاف و پُرسکون رکھنے کے لئے دوسرے اقدامات کے علاوہ صفائی، شرم و حیا اور اتفاق و اتحاد کی تلقین کی ہے اور شراب، جوئے اور چوری و زنا جیسے خطرناک جرائم سے سختی سے منع فرمایا ہے ان تمام باتوں سے نہ صرف معاشرہ صحت مند، صاف اور پُرسکون رہتا ہے بلکہ انفرادی زندگی بھی خوشحال ہو جاتی ہے۔ ان تمام باتوں کو برقرار رکھنے کے لئے اور ضمیر کو ان سب چیزوں کے ماننے کے لئے تیار رکھنے کے لئے اگرچہ تعلیم و تربیت پر بھی زور دیا جاتا ہے مگر ساتھ ساتھ قرآنی

سزاؤں کے رواج کا بھی حکم دیا جاتا ہے۔ ان قرآنی سزاؤں میں دُرّوں کی سزا اور قطع ید قابلِ ذکر ہیں۔ اسلامی دُرّوں اور مارشل لاء کے دُرّوں میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ قرآنی دُرّے سے مقصد وہ دُرّہ ہے جو اکثر خلفائے راشدین کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اور وہ دُرّہ اتنا ہلکا ہوتا تھا کہ کوئی شرابی ۸۰ دُرّے کھا کر با عافیت گھر چلا جاتا تھا۔ یہ اسلامی حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اسلامی دُرّے کی تشریح کرے اور اُس کی لمبائی اور وزن کا تعین کرے۔

قطع ید سے مراد ہاتھ کاٹنا ہے۔ اسلام میں قطع ید کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آدمی نے چوری کی۔ اُسے پکڑ لیا گیا اور اُس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ مگر در حقیقت ایسا نہیں۔ پہلے چور کے حالاتِ زندگی اُس کی آمدنی اور اخراجات کا مطالعہ کیا جاتا ہے پھر اُس کے لئے ایسے حالات پیدا کئے جاتے ہیں کہ وہ اپنے اخراجات آسانی سے پورے کر سکے۔ پھر اگر اس کے بعد بھی وہ چوری کرے تو بیشک اُس کے ہاتھ کاٹے جائیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سو دُرّوں اور قطع ید کی سزا بہت وحشیانہ ہے تو کیا اُن سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ زنا اور چوری کہاں کے شریفانہ اعمال ہیں اور اسلامی سزاؤں کا مطلب ظلم نہیں بلکہ جرائم کا خاتمہ ہے۔ یورپ میں سزاؤں کا یہ حال ہے کہ کوئی بندہ لوٹ کر کروڑوں پونڈ چوری کرتا ہے۔ اُسے سزائے موت ہو جاتی ہے۔ مگر اُس کی اولاد آرام و سکون سے زندگی بسر کرتی ہے اگر وہ پوری زندگی بھی لگا رہے تو کروڑوں پونڈ نہیں کما سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ سزاؤں کے باوجود جرائم بڑھ رہے ہیں اور اُن پر قابو پانا نا ممکن ہو گیا ہے۔

معاشرے کو صاف ستھرا رکھنے کے لئے اسلام نے بہتان، غیبت، چغلی اور الزام تراشی کو گناہ قرار دے دیا ہے۔ جھوٹے گواہ کو بھی سخت ترین سزا دینے کا اہتمام کیا ہے۔

اسلام کا عائلی نظام

گھر کا ماحول، پُرسکون اور خوشحال رکھنے کے لئے اسلام نے بہترین عائلی نظام وضع کیا ہے۔ جس کی مثال کسی دوسرے نظام میں تلاش کرنا فضول ہے۔ اسلام نے والدین اور اولاد، بہن، بھائیوں اور شوہر اور بیوی کے درمیان تعلقات کے لئے راہنما اصول بنائے ہیں۔ وراثت کا ایک بہترین اور مکمل ترین نظام پیش کیا ہے۔ ان سب باتوں کا خیال رکھتے ہوئے ہی گھر کے ماحول کو خوشحال بنایا جا سکتا ہے۔

اسلام کا معاشی نظام

اسلام نے ایک مکمل ترین نظامِ معیشت پیش کیا ہے۔ معاشی نظام میں سب سے بڑا مسئلہ غربت اور افلاس کا ہوتا ہے۔

جس کی وجہ سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔ تہذیب و تمدن کی ترقی رُک جاتی ہے۔ قوم کی ترقی کا سامان نہیں ہوتا۔ اخلاقی نظام تباہ ہو جاتا ہے اور جواری، چور، جیب تراش، بہروپئے، عصمت فروش، خوشامدی، اُجرتی قاتل اور ہزاروں غدار پیدا ہو جاتے ہیں اسی وجہ سے اسلام نے بھی غربت اور افلاس کو کُفر سے قریب تر کہا ہے، حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے .....

"قریب تھا کہ اللہ فقر کو کفر قرار دیتے"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "مجھے دین کے بعد دولت سے اور کفر کے بعد افلاس سے بدتر کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اس طرح تمول میں بھی کافی خرابیاں موجود ہیں۔ مثلاً دولت مند، سنگدل، متکبر، عیش پرست، حرص کرنے والا، ذخیرہ اندوز، سمگلر، گراں فروش، رشوت سے کام چلانے والا، تن آسان اور بزدل بن جاتا ہے ان برائیوں سے بچنے کے لئے اسلام نے زکوٰۃ اور صدقے کا نظام جاری کیا ہے کہ اگر دولت کسی ایک جگہ جمع نہ ہو اور دولت کا تبادلہ ہوتا رہے۔ اسی وجہ سے اسلام اگر ایک طرف غریبوں کو صبر و تحمل سے کام لینے کی ترغیب دیتا ہے تو دوسری طرف امیروں کو فضول خرچی عیش پرستی جیسے جرائم سے دور رہنے کا حکم دیتا ہے۔

دولت کی مساوی تقسیم

اگرچہ ذرائع معاش کی مساوات میں تقسیم مشکل اور ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ قدرت کی خود ساختہ ہے اور اس کے پیچھے بڑے اہم مقاصد پوشیدہ ہیں۔ مگر ضروریات زندگی کے لحاظ سے تو سارے انسان برابر ہیں اور اگر اسلام نے ایک طرف انسانوں میں صلاحیتوں کے لحاظ سے ذرائع معاش کی تقسیم میں غیر برابری برقرار رکھی ہے تاکہ محنت بڑھے اور کام چوری کا خاتمہ ہو۔ مگر دوسری طرف ضروریات زندگی کے لحاظ سے تمام انسانوں کو مساوی حقوق دینے کا انتظام کیا ہوا ہے۔

سود کا خاتمہ

سود مغربی حکومت کا پیدا کردہ مہلک مرض ہے جس کی وجہ سے غریب غریب تر اور امیر امیر تر بنتے جا رہے ہیں جو کہ غریبوں میں چوری اور دوسرے جرائم کا باعث بنتا ہے اور امیروں میں کام چوری اور عیش پرستی جیسی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اسلام نے سود کو سختی سے مسترد کیا ہے اور اسے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے اس کے برعکس حلال کمانے والوں کو اللہ تعالیٰ دوست قرار دیتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کی ہے اس کے علاوہ اسلامی معیشت میں جذبہ بھی ایک اہم جزو ہے۔ جس کی تفصیل بھی اسلامی تعلیمات میں موجود ہے۔

ان تمام خوبیوں کے علاوہ اسلام غلامی کے خلاف ہے اور کسی قوم یا فرد کو غلام بنانے کے خلاف

ہے اور آزادی کے لئے لڑنے کو جہاد کا نام دیا ہے اور جہاد میں حصّہ لینے والوں کو غازیوں اور شہید
کا نام دیکر عزت واحترام کے آسمان تک پہنچا دیا ہے۔

حُبّ الوطنی اسلام میں وطن سے غداری کو بُری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ اس سے
وطن کی بنیادیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس حب الوطنی کو نیکی قرار
دے کر اسے دونوں جہانوں میں کامیابی کا باعث قرار دیا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو مغربی ممالک میں
غداری نے بہت بڑا مسئلہ لا کھڑا کیا ہے۔ امریکہ بہت کوشش سے کوئی چیز ایجاد کرتا ہے تو اُس کے
بے ضمیر افسر اُس کی ایجاد کی ساری اطلاعات دشمن کے ہاتھ بیچ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روس امریکہ
کے ساتھ ساتھ جا رہا ہے اور کسی قدم پر اس سے پیچھے نہیں رہتا۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی اہم مسائل ہیں جو کہ انسانی معاشرے کے لئے مختلف طریقوں سے
مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ انسانی معاشرے کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے اور جن مسائل کا حل نہ تو
امریکہ کے جاگیردارانہ نظام میں موجود ہے اور نہ ہی روس کے اشتراکی نظام میں اس کے حل کے لئے
کوئی واضح حل موجود ہے اور اسلام نے ان مسائل کو جس خوبی سے حل کر کے دکھایا ہے اور حضرت
عمرؓ کے دور کی خوشحالی اور نظام حکومت کی خوبصورتی ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتی۔

ان سب باتوں کا ذکر مذکورہ مضمون کی حدود سے بالاتر ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ
اسلامی تعلیمات کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے اور ان تمام مسائل کو قرآن اور اسلام کی روشنی میں
حل کرنے کے لئے جدوجہد کی جائے، اور پاکستان کو ایک مثالی اسلامی ریاست بنا کر اس میں
اسلام کو قابلِ عمل شکل میں پیش کیا جائے۔ کیونکہ ہم نے پاکستان کو اسلام کے لئے ایک تجربہ گاہ کے
طور پر آزاد کیا تھا اور ہم نے اب یہ ثابت کرنا ہے کہ واقعی اسلام ایک قابلِ عمل مذہب اور ایک
مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں زندگی کے تمام چھوٹے بڑے مسائل کا حل موجود ہے اور جس کو کسی
بھی زمانے میں اور کسی بھی قوم کے لوگوں کی فلاح کے لیے موزوں ترین نظام قرار دیا جا سکتا ہے۔

ان تمام باتوں کو سمجھنے کے لئے ایک فضا اور ایک ضمیر کی ضرورت ہے اور اگر یہ فضا خدانخواستہ
مکدر ہو جائے اور ضمیر مر جائے تو پھر بلاشبہ اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب میں یورپ کی عریاں
تہذیب کے مقابلے میں نکھار نہ رہے گا اور جب نیکی ختم ہو جائے اور حق کا خاتمہ ہو جائے تو باطل
چھا جاتا ہے اور انجام تباہی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔

آجکل اسلام کا مدِ مقابل ایک طرف روس کا اشتراکی نظام ہے تو دوسری طرف یورپ اور امریکہ

کی عریاں تہذیب ہے۔ ان دونوں دشمنوں کا کمال دیکھیے کہ وہ اپنی عریانی، بے حیائی اور باطل نظاموں کو رائج کرنے کے لئے کروڑوں روپے خرچ کر رہے ہیں۔ لیکن دنیا کی بڑی اسلامی سلطنت کے امراء اور راہنما اپنے نابندہ الحکم اقدار کے تصوّر تک سے لرزاں ہیں۔ لیکن خبردار! جب سچائی میدان سے بھاگ جائے تو باطل چھا جائے گا اور انسانیت کی چیخیں نکل جائیں گی۔

اسلام کے بارے میں ایوب خان (مرحوم) سابق صدر پاکستان کے چند اقوال تحریر کرتا ہوں۔

"انسان کی روحانی نشو و نما کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں۔ اللہ کا خوف، خلوص، ہمدردی اور انسانی خدمت یہ صفات اسلامی تعلیمات کا ما حاصل ہیں۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ اسلام کے پیروکار ہیں۔ اسلام ہی ایک ایسا نظامِ زندگی ہے جس کے آگے دنیا کا کوئی نظام نہیں چمک سکتا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اسلام کو دنیا کے سامنے علومِ نو کی روشنی میں پیش کریں اور خود اس پر عمل پیرا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلام اور عصرِ حاضر کے تقاضے۔

ہمایوں مشتاق۔ یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور۔

اسلام اور عصرِ حاضر کے تقاضے، ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

ترجمہ: "قسم ہے زمانے کی بے شک انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال کئے اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور ایک دوسرے کو صبر کرنے یعنی ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔"

اسلام جو کہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس کی تعلیمات زندگی کے ہر شعبہ کے لئے، ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ عصرِ حاضر ہو یا مستقبل اسلام ہی وہ واحد دین ہے کہ جو زندگی گذارنے کا بہترین راستہ بتاتا ہے جو آسان بھی ہے اور باعثِ فلاح بھی۔ کیونکہ

"بے شک اللہ کے ہاں جو دین ہے وہ صرف اسلام ہے۔" القرآن

عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے صرف اسلام ہی مکمل حل پیش کرتا ہے۔ عصرِ حاضر میں اگرچہ مسائل کی بھرمار ہے۔ ہر طرف نفسا نفسی کا دور ہے، مسائل مختلف صورتوں میں سامنے آجاتے ہیں۔ مگر یہ صرف اس لئے ہے کہ ہم نے اس رسی کو چھوڑ دیا ہے۔ جس کی تلقین خدائے بزرگ و برتر نے قرآن مقدس میں اور رسول کریم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں کی تھی۔

"اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔" القرآن

"لوگو! تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ان پر عمل کرتے رہنا تو گمراہ نہ ہوگے۔ ایک

قرآن اور دوسری سنّت ۔" (فرمانِ نبوی)

مگر بدقسمتی سے ہوا یہ کہ ہم نے دنیا کے چکر میں پڑ کر اسلام کو بہت دور کر دیا ہے۔ آج ہم صرف نام کے مسلمان ہیں۔ ہمارے اعمال ایک مسلمان ہونے کی عکاسی نہیں کرتے دنیا کی اس مادی دوڑ میں شامل ہو کر ہم نے اپنے آپ کو بھلا دیا ہے۔ اپنی ثقافت، اپنی روایات، اپنی روایات اپنے اخلاق کو ایک طرف چھوڑ دیا ہے۔ مومن کی خوبیوں کی جگہ کینہ، بغض، حسد، بددیانتی، کام چوری (چوری، ڈاکہ، زنا، قتل) اور دیگر برائیوں نے لے لی ہے۔ ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا ہوگا۔ ہمیں یہ تجزیہ کرنا ہوگا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ پھر اپنی اصلاح کرنی ہوگی۔

"لوگوں آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کیا۔" (القرآن)

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا (القرآن)

اسلام ہی وہ دین ہے جسے اللہ بزرگ و برتر نے ہمارے لئے پسند فرمایا ہے تو پھر ہم اس سے روگردانی کیوں کر رہے ہیں۔

آیئے عصرِ حاضر کے مسائل کی نشاندہی کرتے ہوئے اسلام کی حیثیت کو واضح کرتے چلیں۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ مسلمان اپنے ماضی میں شاندار روایات رکھتے ہیں۔ اسلام کی اپنی تہذیب و ثقافت ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام نے اپنی حیثیت کا اعتراف کروایا ہے۔ لیکن اس وقت (چونکہ حقیقت کا اعتراف کر لینا ہی عظمت ہے۔ بشرطیکہ اس اعتراف کے بعد اصلاح کی راہ اختیار کی جائے) مسلمان اپنے ماضی کا وقار و جلال کھو بیٹھے ہیں۔ اس کی وجہ مختلف خامیوں کا مسلمانوں میں داخل ہو جانا ہے۔ ان خامیوں میں سب سے بڑی خامی ایمان کی کمزوری ہے۔ چونکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ

اگر تم صحیح مومن ہوئے تو تم ہی غالب ہوگے۔ ایمان ہی وہ جذبہ محرکہ ہے جس میں عمل صالح کا کرنٹ پیدا ہوتا ہے جو پہلے انہیں آپس میں محبت اور اخوت کے رشتہ میں منسلک کر دیتا ہے۔

جدید تہذیب کی ایک جھلک ہم نے جس طرح اسلام سے اپنے آپکو علیحدہ کیا ہے۔ اُس کے نتائج کس قدر ہولناک ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ابھی سے ہی اپنے آپ کو سیدھی راہ پر ڈال لیں۔ کیونکہ

" موجودہ سماج نے سب سے فاش غلطی یہ کی ہے کہ اس نے تربیت کے لئے خاندان کی بجائے مدرسوں پر اعتماد کیا۔ آج کی ماں اپنے بچے کو نرسری سکول میں صرف اس غرض

سے چھوڑ جاتی ہے۔ کہ وہ اپنی معاش کے لیے، آزاد شہوت رانی کے لئے فضول قسم کی آرٹ پرستی کے لئے، برج کھیلنے یا سینما جانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت بچا سکے اس طرح کی طرزِ زندگی نے خاندان کے نظام کو جس کے زیرِ اثر رہ کر بچہ بہت کچھ سیکھتا ہے، بالکل درہم برہم کر دیا ہے۔ (الیکس کریل)

ہماری تہذیب کی عمارت کی دیواریں منہدم ہونے کو ہیں اس کی بنیادوں میں ضعف آ گیا ہے۔ اس کے شہتیر ہل رہے ہیں نہ معلوم یہ ساری عمارت کب پیوند خاک ہو جائے ہم گذشتہ کئی سال سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اب لوگ نظم وضبط کی پابندیوں کو اختیار کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ اس کی بقاء کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ مردوں اور عورتوں کے آزادانہ میل جول پر پابندی عائد کر دی جائے۔ (ماہر علوم طبیعات مسز ہڈسن شا)

عصر حاضر میں اسلام بے شمار مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ دوسری قوتیں متحد ہو کر اسلام کے خلاف برسر پیکار ہیں۔ مسلمانوں کی حالت قابلِ رحم ہوتی جا رہی ہے۔ ہندوازم ایک مرتبہ پھر ہندوستان میں سر نکال رہی ہے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے جا رہے ہیں۔

مسلمان سلطنتیں تنزل اور زوال کا شکار ہو رہی ہیں۔ معاشی طور پر مسلمان پس رہے ہیں مظالم فلسطین سب پر عیاں ہیں۔ روس کا افغانستان پر غیر قانونی قبضہ بھی سب کے سامنے ہے۔ عراق وایران کی باہمی چپقلش ہم سب کے لئے باعثِ شرمندگی ہے۔

مسلمانوں کی روح اجتہاد مُردہ ہو رہی ہے۔ فکر و نظر کو زنگ لگ رہا ہے ہماری قوتیں فروعی واختلافی مسائل کو ہوا دینے اور فرقہ پرستی پر صرف ہو رہی ہیں۔ مشائخ رجعت پسند ہیں۔ کتاب وسنّت کی وسعتوں سے بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں۔ شکم پروری کے چکروں میں پھنسے ہوئے ہیں یا باہم مل کر بیٹھنا محال ہو رہا ہے۔

فرقہ پرستی نے ہمیں بے جان کر کے رکھ دیا ہے۔ ایک فرقہ کے لوگ دوسرے فرقہ کی مسجد میں نماز نہیں پڑھتے اور پھر مجموعی سطح پر نمازیوں کی تعداد بھی کم ہی ہے۔ واعظوں کے واعظ اور خطباء کے خطبہ میں ملت کی بیماریوں کا علاج نہیں بلکہ ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے۔ اس صورتحال سے مغربی تعلیم سے متاثر دل ودماغ جو پہلے ہی اسلام سے بے گانہ ہوتے ہیں، اسلام سے متنفر ہو جاتے ہیں۔

اللہ کے کچھ بندے (مجاہد) جو صحیح خطوط پر کام کرتے ہیں انہیں تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا ہے

اور عجیب و غریب القابوں سے نوازا جاتا ہے (جدید تعلیم یافتہ طبقہ جس کے ہاتھوں ملک کی باگ دوڑ ہے) بھی اسلام سے کافی دور ہے۔

تعلیمی اداروں میں بھی غیر مسلم قوتیں اپنے پورے اثر سے مصروف عمل ہیں بعض اصحاب ذرائع ابلاغ پر قبضہ کر کے ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

معاشی طور پر بھی مسلمان پس ماندہ ہے۔ سائنس و ٹیکنالوجی کے فقدان کے باعث وہ مجبور ہیں کہ کسی مغربی ممالک سے الحاق رکھیں، سائنس اور ٹیکنالوجی کسی کی میراث نہیں۔ بلکہ ساری انسانیت کی مشترک میراث ہے، ہر نئی ایجاد عالمگیر حیثیت رکھتی ہے لیکن اس سلسلہ میں ہم مغربی اور سوشلسٹ ممالک سے پیچھے ہیں۔

معاشرتی نکتہ نظر سے ہماری سوسائٹی بے شمار وہم و خرافات کا شکار ہے۔ ہم طبقات میں بٹ کر رہ گئے ہیں۔ ذات برادری کے چکروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

سیاسی طور پر ہمارے سیاستدانوں کی عقل کو گھن لگ چکا ہے۔ وہ کبھی کسی قومی مسئلہ پر متحدہ قوت کا مظاہرہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

ایک بڑی کمزوری بحیثیت پاکستانی قوم یہ ہے کہ قوم نے اپنے مشن اور مقصد کو بھلا دیا ہے ہمارا اصل مقصد، اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور یہ خالق حقیقی کا تقاضا اور منشاء ہے کہ "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" یعنی اس نظام زندگی کو پوری کائنات میں نافذ کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ یہ کام اپنے بندوں سے لینا چاہتے ہیں۔ اس لئے یہ فریضہ ملت اسلامیہ کو سونپ دیا گیا ہے کہ وہ نظام الٰہی کو کسی خاص زبان، علاقے، نسل، قوم، رنگ تک محدود نہ رکھے بلکہ اسے کائنات میں حتی المقدور کوشش سے پھیلائے۔ لہٰذا امت مسلمہ کا فرض ہے کہ اسے مکمل ضابطہ کی صورت میں ایک عالمی آئین کی حیثیت سے نافذ کرنے کی کوشش کرے۔ آنحضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ

(میرے لئے تمام زمین مسجد اور پاکیزہ بنا دی گئی ہے"۔

یعنی اسلام کا نظام عبادت تمام دنیا میں نافذ کرنا امت مسلمہ کا بحیثیت اُمتی فرض ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے تبلیغ و جہاد دونوں ذریعے استعمال کرنے پڑتے ہیں اور یہ دونوں راستے انتہائی کٹھن اور صبر آزما ہیں۔ اس کے لئے مندرجہ ذیل حربے استعمال کرنے ہوں گے۔

کردار یعنی ہم سے ہر ایک انفرادی سطح پر اور مل کر مجموعی طور پر ایسے کردار کو دنیا کے سامنے پیش کریں کہ وہ مرعوب ہو کر ہمارا نظام زندگی اختیار کر لیں اور لوگ خود بخود اسلام کی

طرف کھنچے چلے آئیں۔

حکمت و تدبیر کے ذریعے باہمی طریقہ سے دیگر اقوام پر اسلامی نظامِ حیات کی برتری ثابت کر دکھائیں اور اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل قرآنی اصول مدِنظر رکھیں۔

"اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف دانائی اور اچھی وعظ و نصیحت کے ذریعے لوگوں کو دعوت دے اور ان کے ساتھ احسن طریقے سے بحث و تمحیص کر۔"

جہاد اگر کردار اور حکمت و تدبیر کے ذریعے دعوت ناکام رہے اور مخالفین تمہیں تمہاری راہ پر نہ چلنے دیں تو پھر اپنے مقصد کے حصول کے لئے اس راستے کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے انتظام کرنا چاہیئے۔

"دشمنوں کے مقابلہ میں جہاں تک تم سے ہو سکے طاقت اور گھوڑوں کے دستے تیار رکھو۔"

اسلامی تشخص موجودہ حالات میں جس بات کا تقاضا امتِ مسلمہ سے کیا جاتا ہے ان میں سے ایک اہم بطور امت کے اسلامی تشخص کو برقرار رکھنا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ کسی دوسری قوم کی اچھائی کو تحسین سے نہ دیکھیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنی بنیادی حیثیت کو ترک نہ کریں۔ جہاں تک اچھائی کا تعلق ہے وہ جہاں سے بھی ملے لے لینی چاہیئے۔

اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ — دانائی مومن کی گم کردہ چیز ہے۔

اس وقت امتِ مسلمہ میں ایک طبقہ ایسا ہے کہ جو مغرب کی اندھا دھند تقلید کا قائل ہے اور افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ بعض لوگوں نے وہ خواص جو امتِ مسلمہ کے ساتھ خصوصی تھے ترک کر دیئے اور بلکہ دیگر اقوام کو دے دیئے۔ (مثلاً) پورا تولنا، چیزوں میں ملاوٹ نہ کرنا، وقت کی پابندی وغیرہ اور دوسری قوم سے بدعادات لے لیں۔ (مثلاً) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، وغیرہ

رُخِ روشن تصویر کا ایک روشن رُخ بھی ہے کہ احیائے اسلام کی کوششیں ہو رہی ہیں، احیاء کے معنی زندہ کرنا، اصطلاح میں احیائے اسلام سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی بجا لاتے ہوئے دنیا میں خدائی قانون نافذ کرنا اور اسلامی تشخص پر تمام مسلمانانِ عالم کو جمع کر کے دشمن کی داخلی و خارجی چالوں سے حفاظت کے اقدام کرنا۔

اس سلسلہ میں اسلامی معاشرہ کی ایک جھلک دیکھئے۔

اسلامی معاشرہ کی خصوصیات (عظمتِ اسلام)

وحدت، خداوندی، دینِ توحید۔

اخلاق کا معلم، مکمل دین، وحدتِ فکر، وحدتِ عبادت

عالمگیر برادری، تفرقہ سے پاک، تعصب کا خاتمہ، وحدتِ نسلِ انسانی

دینِ محبت، اتحادِ نسلِ انسانی، حریتِ فکر، اعلیٰ اور ارفع تعلیمات

عظمتِ انسانی، علم اور علماء کی قدر، سیاست و دین کا امتزاج، بہترین نظامِ حکومت

فطری دین، موثر تعلیمات، قابلِ عمل، بہترین معاشی نظام

انسانی غلامی سے نجات، مساوات، اخوت، عدل و انصاف

جبر و اکراہ سے پاک، انسانی طبقات کا خاتمہ، رواداری، عالمگیر دین

مادیت اور روحانیت کا امتزاج، تسخیر کائنات کی دعوت، عظیم کتاب عظیم قائد، سہل تعلیمات

بین الاقوامی امن کا داعی۔

عظمتِ اسلام کا اعتراف:

اسلامی تعلیمات نے انسانی ذہن کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے (جون مرفی)

اسلام نے روحانیت اور اعلیٰ اقدار کا ایک ایسا مضبوط اور ہم آہنگ نظام قائم کیا ہے۔ جس نے صدیوں انسان کی رہنمائی اور امامت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ (Mr. F. Sprigil)

جبکہ ہم کشمکش میں ہیں غیر مسلم اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ

"اسلام ایک زندہ قوم ہے جو ہزارہا ابتلاؤں اور آزمائشوں کے باوجود اب بھی متحرک تہذیب کی پاسبان ہے" (JACHINWAGH)

"اخوت اسلامی ایک معاشرتی اور روحانی حقیقت ہے اسلام صرف ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ یہ حق ہے کہ ایک قانونی نظام بھی ہے اور معاشرتی بھی" (ریوائیڈمرے ٹامس)

ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ اسلام کا نظریہ اخوت نسل و قومیت کی تمام رکاوٹوں سے بالاتر ہے اور یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں (رادھا کشن)

اسلام حصولِ علم کے ذی قدر جذبہ، علم کی آرزو، رواداری کے جذبہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے (Joseph Hell)

"سائنس جدید تہذیب کے لئے مسلمانوں کا سب سے بڑا عطیہ ہے" (ڈاکٹر رابرٹ)

"اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے جو تمدن کا جھنڈا اٹھاتا ہے۔ جو حکم دیتا ہے کہ استقلال اور استقامت لازمی فرض ہے۔ بلاشبہ اسلام کے تمام اصول ارفع ہیں۔" (کینن آئزک)

اگر مادی تحریکات اور مذاہب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ سوائے دین اسلام کے نہ کوئی مادی تحریک اور نہ کوئی مذہب عالمی مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ اس وقت دنیا کو حسبِ ذیل مسائل کا سامنا ہے۔

عدل و انصاف، امن ۔ آزادی، اقتصادی مسائل۔

امن دنیا میں صرف اسلام ہی ایک دین ہے جو صحیح بنیادوں پر قیام امن کی تعلیم دیتا ہے۔

"اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دیا کرو تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے تو اُن کے درمیان عدل سے صلح کراؤ اور انصاف کرو۔ کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن بھائی بھائی ہیں اور بھائیوں کے درمیان صُلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرو کہ تم پر رحم کیا جائے (القرآن)

اس آیت مبارکہ میں بین الاقوامی امن کے اصول بیان ہوئے۔

دوسرا اصول:۔ نقص امن کی دوسری وجہ معاہدات کا توڑنا ہے (ایک قوم عہد کرتی ہے اور پھر توڑ دیتی ہے) تو اس صورت حال کے لئے اسلام معاہدات کی پابندی پر زور دیتا ہے۔

"عہد پورا کرو جب تم خدا سے عہد کرلو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو"

تیسرا اصول:۔ اسلام حق کے ساتھ تعاون کی تعلیم دیتا ہے۔ اگر دنیا حق کا ساتھ دے تو امن کبھی برباد نہیں ہو سکتا۔

"اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"

عدل و انصاف اس وقت دنیا کے سامنے ایک اہم مسئلہ بین الاقوامی عدل و انصاف ہے۔ دنیا کی کوئی قوم بھی محض اپنے ذاتی مفاد کی خاطر عدل و انصاف پر قائم نہیں رہتی جس کی وجہ سے دنیا میں اضطراب اور بے چینی کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے کہ

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کے ساتھ انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو۔ کسی خاص قوم کی عداوت تمہارے لئے اس بات کا باعث نہ بنے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو کہ وہ (تمہارے لئے) تقویٰ کے زیادہ قریب ہے (القرآن)

"اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا کیونکہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" (القرآن)

اسلام جو مکمل ضابطۂ حیات ہے اسلامی مساوات کے تحت کوئی بھی شخص ہو قوانین کا اطلاق سب پر ایک جیسا ہوگا۔ عدل و انصاف کا اسلام میں ایک مکمل نظام ہے۔ اسلام سے قبل عدالت کا کوئی نظام نہ تھا جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کا قانون تھا۔ اسلام نے قوانین و قواعد وضع کئے اور عدالت کا ایک پختہ سانچہ تعمیر کیا۔ جس میں دولت مندوں اور طاقت وروں کے لئے کوئی لچک نہیں۔

"اسلام میں انصاف کی حس بہت حیران کن ہے میں نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے اور اسلام کے اصولوں کا مطالعہ کیا یہ معجزاتی نہیں بلکہ عملی ضابطہ حیات ہے جو تمام دنیا کے لئے نہایت موزوں ہے۔"

(Sarojini Naidu)

"کوئی منصف دو آدمیوں کے درمیان اُس وقت فیصلہ نہ دے جب وہ غصّہ کی حالت میں ہو۔ (ناراضگی کی حالت) - (فرمانِ الٰہی)

"جب دو شخص تمہارے پاس آئیں تو اُس وقت فیصلہ نہ کرو جب تک دونوں کو سُن نہ لو.... (فرمانِ الٰہی)

اسلام جو دین فطرت ہے۔ عملی طور پر ممکن ہے۔ انسان کی تاریخ کے ساتھ جرم و سزا کی کہانی بھی ساتھ چل رہی ہے۔ جب بھی کوئی انسان کوئی غیر فطری فعل کرتا ہے تو اُس کا ضمیر اُسے ملامت کرتا ہے اسلامی معاشرہ میں چند حدود و قیود ہیں۔ زندگی گذارنے کے لئے قوانین ہر دین، ہر نظام میں ہوتے ہیں۔ اِسی طرح اسلام میں بھی جرائم کی سزاؤں کا بھی ایک باب ہے۔

آج جب ہم اسلامی نظام کا دعویٰ کرتے پھرتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ اسلامی سزاؤں کا بھی بے چون و چرا نفاذ کریں یقیناً اس میں کوئی سختی نہیں ہے

(قصاص میں زندگی ہے) ...... (القرآن)

اگر نظامِ اسلام کا نفاذ ہو جائے تو یہ دنیا جنت کا نمونہ پیش کرنے لگے۔ ہر طرف سکون ہو، اضطراب بے چینی کا خاتمہ ہو جائے۔

اس کے لئے پوری لگن اور محنت سے کوشش ہونی چاہیئے۔ اس طرح معاشرہ برائیوں سے

ب ہو جائے گا۔

آزادی

دنیا کے سامنے ایک اہم مسئلہ قوم کی آزادی کو قائم کرنا ہے اور اسلام ہی وہ دین ہے۔ جو حقیقی آزادی کا علمبردار ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمدؐ نے اس نعرۂ حق کو بلند کیا تھا اُس کی بازگشت آج بھی سنائی دی جا رہی ہے۔

" وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی کوشش نہیں کرتا اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے (وہ ہے) کسی گردن آزاد کرنا "...... (القرآن)

اسلام نے غلامی کی ہر قسم کو ختم کیا ہے۔ اسلام کسی قوم کو اجازت نہیں دیتا کہ وہ محض سیاسی سبب کے لئے کسی قوم پر چڑھائی کر دے اور اس پر غلبہ حاصل کر لے۔ اسلام صرف اُس وقت لڑائی کا حکم دیتا ہے۔ جب کوئی قوم دوسری قوم کی خود مختاری کے لئے خطرے کا باعث بنے۔

" اور اللہ کے راستے میں جنگ کرو اُن لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا " (القرآن)

اسلام نے انسانی غلامی کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔

" سو جب تمہاری کافروں سے مڈھ بھیڑ ہو جائے تو گردنیں مارتے ہیں۔ یہاں تک کہ تم اُن پر غالب آجاؤ تو قید میں مضبوط باندھ لو پھر بعد میں یا تو احسان کے طریقے پر اور یا فدیہ لے کر چھوڑ دو " (القرآن)

اقتصادی مسائل

دنیا کے سامنے اس وقت معاشی مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے اور معاشی مسئلہ بھی بہت ہی معاشرتی برائیوں کا سبب بنتا ہے۔ اس وقت اسلام کے علاوہ دو معاشی نظام چل رہے ہیں۔ اشتراکیت نے اس مسئلہ کا حل اس طرح ڈھونڈا ہے کوئی شخص بھی ذاتی ملکیت کا مالک نہ ہو۔ سب دولت حکومت کی تحویل میں ہو۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ذاتی ملکیت پر کسی قسم کی پابندی نہیں جو بھی جتنی چاہے اور جیسے چاہے دولت حاصل کر سکتا ہے۔

اسلام ذاتی ملکیت کی اجازت دیتا ہے، لیکن اکتساب دولت پر پابندی عائد کرتا ہے تاکہ کوئی بھی شخص ناجائز ذرائع سے دولت اکٹھی نہ کر سکے۔

اس خوبصورت نظام معاش میں زکوٰۃ و عشر، کی ہدایت، حلال و حرام کی تمیز ہے۔ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر نہیں رہتی۔ بلکہ گردش کرتی ہے۔ صدقات و خیرات کا ایک مضبوط نظام ہے۔

اس نظام کی اہم خصوصیات

رزق من اللہ اس دُنیا میں تمام مخلوقات کو رزق فراہم کرنے والی ذات مبارک صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ "اللہ تعالیٰ ہی سب کو زمین و آسمان میں روزی دیتا ہے اور وہی حقیقت میں معبود ہے"...... (القرآن)

"زمین پر چلنے والی کوئی ایسی مخلوق نہیں جس کی روزی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے نہ لی ہو"..... (القرآن)

جائز و ناجائز میں فرق:- جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی وہ جنت میں داخل نہ ہو گا" (الحدیث)

"آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ" (القرآن)

" اے ایمان والو شراب، جوا، بت، پانسے، شیطان کے گندے کام ہیں ان سے بچتے رہو تاکہ نجات پاؤ......(القرآن)

انفاق فی سبیل اللہ: اگر لوگوں میں صدقہ، خیرات کا جذبہ پیدا ہو جائے تو معاشرے کا ہر فرد خوشحال ہو سکتا ہے۔

"جو شخص اللہ کے لئے کسی پر مہربانی کرتا ہے۔ خداوند کریم اس کے مراتب بلند کرتا ہے"...(الحدیث)

؎ کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر

زکوٰۃ اس موضوع پر تو کتب درکار ہیں۔ مگر موقع کی مناسبت سے ایک دو احادیث درج ذیل ہیں۔

" زکوٰۃ اسلام کا پل ہے یا بلند عمارت ہے۔ زکوٰۃ نہ دی تو اسلام پر چل نہیں سکتا یا اسلام کے نچلے درجے میں رہا۔ (الحدیث)

"ہر اُمت کی آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کے لئے مال کی آزمائش ہے.... (الحدیث)

" دنیا کی محبت ساری برائیوں کی جڑ ہے"۔ (فرمانِ نبویؐ)

"حرص اور دل کی بخیلی سے بچ کر رہو کہ اس کی بدولت تم سے پہلے کئی قومیں ہلاک ہو چکیں"۔
(ارشاد رسولؐ خدا)

"فلاح کے لئے نفس کی بخیلی سے بچنا ضروری ہے... (الحدیث)

دیگر خصوصیات :

حلال و حرام کی حدود کا تعین ،	اموال مفتوحہ اور مال غنیمت ۔
حکومت کی سرپرستی اور محدود مداخلت	قانون میراث
حرمت سود	قرض حسنہ کی ترغیب
عاریت	امانت و صداقت
درجات میں تفاوت	احتکار و اکتناز کی ممانعت
درست ناپ تول	وصیت کا نظام
بیت المال کا قیام	اقتصادی کاوش
میانہ روی	صحیح منصوبہ بندی
قدرِ محنت	قانون شفعہ
جائز منافع	انسداد گرانی
اعداد و شمار کی اہمیت	

کسی کو یہ مغالطہ یا اندیشہ لاحق نہ ہو کہ اگر سرمایہ داری اور ذمہ داری کے خلاف نعرہ لگایا گیا تو اسلام کی بجائے کسی اور ازم کی جانب رجوع و التفات ہوگا واقعہ یہ ہے کہ شخص آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے ان دونوں کی جڑیں جس طرح اسلام کاٹتا ہے کوئی نظام نہیں کاٹ سکتا۔

" ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے عہد حاضر میں اسلام کے ابدی اور زریں اصول حریت ، اخوت و مساوات انسانی کا عملی نمونہ پیش کریں ..... (قائد اعظم)

قائد اعظمؒ نے واضح طور پر اسلام کی برتری کو تسلیم کیا۔

" اسلام ہمارا رہنما ہے اور ہماری زندگی کا مکمل ضابطہ ہے ہمیں کسی سُرخ یا پیلے پرچم کی ضرورت نہیں اور نہ ہمیں سوشلزم کیمونزم یا کسی دوسرے ازم کی ضرورت ہے " (قائد اعظم)

" اسلام محض رسوم ، روایات اور روحانی نظریات کا مجموعہ نہیں اسلام مسلمان کے لئے ضابطۂ حیات بھی ہے ۔ جس کے مطابق وہ اپنی روزمرہ زندگی اپنے افعال و اعمال اور حتیٰ کہ سیاست ، معاشیات اور دوسرے شعبوں میں عمل پیرا ہو سکتا ہے ...... (قائد اعظمؒ)

" وہ کونسا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے کے بعد تمام مسلمان واحد ہیں ۔ وہ کونسی چٹان ہے جو ملت کی عمارت استوار رکھتی ہے وہ کونسا لنگر ہے جس سے اِس اُمت کی کشتی محفوظ کر دی

گئی ہے۔ وہ لنگر، وہ رشتہ، وہ چٹان خدا کی کتاب قرآن حکیم ہے۔" (قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ)

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے کے موضوع سے مناسبت رکھتے ہوئے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

اسلام کے تصورِ مملکت کا یہ امتیاز پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکشی کا مرجع خدا کی ذات ہے۔ جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید ہے ــــــ (بابائے قوم)

"ہمارا نورِ ایمان زندہ ہے ــــ ہمیشہ زندہ رہے گا۔" (قائدِ اعظمؒ)

"اسلام سب انسانوں کے لیے انصاف، رواداری، شرافت، دیانت اور عزت کے اعلیٰ ترین اصولوں پر مبنی ہے۔ مساوات، آزادی اور اخوت اسلام کے اساسی اصول ہیں۔ (قائدِ اعظمؒ)

عصر حاضر کے تقاضوں کی مناسبت سے چند اقتباسات حضرت علامہ اقبالؒ کے حوالہ سے تحریر کر رہا ہوں۔

دعوتِ فکر

ے سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

ہدایاتِ اقبال:

یقینِ محکم، عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر

ے فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرونِ دریا کچھ نہیں

اُمید کی کرن:

ے شب گریزاں ہو گئی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

"مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل خصوصاً معاشی مسائل کے حل اسلامی دستور اور قانون

میں مضمر ہے۔ (علامہ اقبالؒ)

"میرے نزدیک فاشزم، کیمونزم اور دوسرے ازم کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدہ کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کے لئے موجب نجات ہو سکتی ہے۔ (شاعر مشرق)

"مسلمان ایسی تہذیب کے مالک ہیں اور اِن کے پاس ایسا قابلِ تقلید نظام موجود ہے۔ کہ اگر مسلمان اس پر عمل پیرا ہوں تو وہ نہ صرف اپنے مسائل کو حل کر لیں گے۔ بلکہ دوسری قوموں کی رہنمائی بھی کر سکیں گے (حکیم ملت)

"اسلام کو زندہ قوت سمجھتا ہوں" ——— (مفکر پاکستان)

قرآن مسلمانوں سے اِس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی تمام تر صلاحیتوں، (جسمانی اور ذہنی)، مادی وسائل کے ساتھ عظیم قربانیوں کے لئے پیش کرے اور یہ کہ دیانت داری اور صبر کو تھامے رکھیں اور اپنے ساتھیوں کی بھلائی کے لئے کام کریں کہ اس طرح انصاف، مساوات اور دوسری خوبیوں کو اپنایا جا سکے۔

اسلام متقاضی ہے کہ ایک خدا سے خائف، حق و سچ، وسعت نظر، تعلیم یافتہ، فیاض، سنجیدہ رحم دل معاشرہ کا قیام عمل میں آئے۔ جس میں لوگ ایک دوسرے سے تعاون کریں اور وہاں برائیوں کو اکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اُسی اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے دیا تھا۔" (قائداعظمؒ)

اسلامی قومیت کے چند اہم عناصر۔

(۱) شریعت کی بالادستی
(۲) اسلامی دفعات (اسلامی تبدیلیاں)
(۳) برائیوں کا خاتمہ
(۴) تحفظ جان و مال
(۵) جنسی بے راہ روی کا خاتمہ

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضوں کے تحت چند معروضات اور پیشِ خدمت ہیں۔

صالح حکمران:۔ دنیا میں بادشاہ کی حیثیت وہی ہے جو جسم میں دل کی ہے۔ اگر دل صالح ہے تو جسم بھی صالح ہوگا۔ (مجدد الف ثانیؒ)

علم، عمل اور اخلاق :- شریعت کے ۳ جزو ہیں۔ (۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص (مجدد الف ثانیؒ)

جمہوریت :- خلافت کا مقصد (مطلب) کسی فرد کی شاہی نہیں بلکہ مسلم عوام کی حکومت ہے۔ (شاہ ولی اللہؒ)

منطقی طریقہ کار :- مصطفویؐ شریعت کے لئے وقت آگیا ہے کہ اس کو برہان اور دلیل کے پیراہوں میں ملبوس کر کے پیش کیا جائے۔ (شاہ ولی اللہؒ)

اسلامی حکومت :- ایک ایسی حکومت جس میں مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق نہ ہوں۔ حکمران کا تعلق محض محاصل کی جمع آمدنی سے ہو اور وہ مذہبی حالات سے دلچسپی نہ لیتا ہو۔ اسلامی تعزیرات کو نافذ نہ کرتا ہو، اسلامی نہیں اور نہ ہی حکمران خلیفہ ہے۔ (شاہ ولی اللہؒ)

باطن کی درستگی :- باطن کی درستگی میں کوشش کرنا شرعی احکام بجا لانے کیلئے ہے (مجدد الف ثانیؒ)

نگہ بلند، سخن دلنواز جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

(علامہ اقبالؒ)

عصر حاضر میں جس چیز کی شدّت سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے وہ ہے مسلمانوں کا باہمی اتحاد و اتفاق۔ اس سلسلہ میں آیئے پہلے اُن عوامل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جن کی وجہ سے اس عمارت میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔

(۱) لسانی اختلافات	(۲) فرقہ ورانہ اختلافات
(۳) علاقے اور آبادی میں تفاوت	(۴) معاشی ترقی میں عدم یکسانیت
(۵) قیادت کے بارے میں تصادم	(۶) داخلی خانہ جنگی
(۷) علاقائی قومیت	(۸) نسلی اختلافات
(۹) باہمی تصادم	(۱۰) اقلیتوں کی مخالفت
(۱۱) فاصلے اور اجنبیت	(۱۲) بڑی طاقتوں کی دخل اندازی

اس ضمن میں اسلامی نکتہ نظر :- (مضمون کے شروع میں بھی ذکر ہے) یہاں ذرا اور انداز سے ملاحظہ فرمائیں۔

" جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور گروہ بن گئے ان سے تمہارا واسطہ نہیں (القرآن)

آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (ارشادِ خداوندی)

"مسلمان کو گالی دینا فسق اور لڑنا کفر ہے ـــــ (الحدیث)

"جس نے قوم میں تفرقہ ڈالا وہ ہم میں سے نہیں ـــــ (فرمان رسول خداؐ)

"ہدایت پا جانے کے بعد قوم بہ سبب جھگڑا گمراہ ہو جاتی ہے (فرمان نبوی)

جو شخص اپنی جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اور وہ مرگیا وہ جہالت کی موت مرا (الحدیث)

مسلمان کا دل ۳ چیزوں پر خیانت نہیں کرتا۔

(۱) اطاعت الٰہی کا اخلاص (۲) آئمہ مسلمین سے خلوص

(۳) جماعت سے وابستگی

وہ مسلمان نہیں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ نہیں (الحدیث)

مومن حسد والا نہیں ہوتا (الحدیث)

انسان کے شر کے لئے کافی ہے کہ وہ مسلمان بھائی کو حقیر جانے (الحدیث)

بُتانِ رنگ و بُو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

(اقبالؔ)

"اسلام ہمیشہ رنگ و نسل کے عقیدہ کا جو انسانیت کی راہ میں سب سے بڑا سنگِ گراں ہے۔ نہایت ہی کامیاب حریف رہا ہے۔" (اقبالؔ)

"قوت لیکے میں ہوتی ہے جب تک ہم متحد ہیں سربلند اور طاقت ور ہیں"..... (قائد اعظمؒ)

"اسلامی بھائی چارہ (جس طرح دعویٰ کیا جاتا ہے) مشرقی اقوام کے لئے ایک نئی چیز ہے (لارنس براؤن)

<u>اتحاد عالم اسلام کے لئے تجاویز</u>:۔ اسلامی تہذیب کے احیاء اور فروغ کی فکر ہونی چاہیئے اور غیر مسلموں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے مضبوط بند باندھنے ہوں گے۔

(۱) مشترکہ تعلیمی پالیسی کا اجراء (۲) مشترکہ زبان کو فروغ

(۳) وسائل کا استعمال (۴) پروپیگنڈا کا سدباب

(۵) ثالثی اداروں کا قیام (۶) مشترکہ خبر رساں ایجنسی

(۷) ذرائع ابلاغ کی اصلاح اور اتحاد کی کوششیں۔

(۸) آمدورفت کی پابندیوں کو نرم کرنا (۹) باہمی تجارت کا فروغ

(۱۰) ذرائع رسل و رسائل کی فراہمی (۱۱) طلباء کی اخلاقی تربیت کا مشترکہ سامان کرنا (علمی رابطہ)

(۱۲) مشترکہ تحقیق، سائنس و ٹیکنالوجی کا حصول اور باہمی تبادلہ۔

(۱۳) باہمی رابطہ، تعاون، تبادلہ وفود وغیرہ

(۱۴) مخصوص مرکز کا قیام (مکہ)

(۱۵) مرکزی عدالت کا قیام

(۱۶) سربراہی کانفرنس کا انعقاد

(۱۷) علماء اسلام کا متحد کرنا۔

آیئے ایک اور اہم تقاضا جو عصر حاضر میں درپیش ہے اُس کی طرف تھوڑی روشنی ڈالتے ہیں اور یہ کہ اسلام کا عصر حاضر میں یہ ایک اہم تقاضا ہے۔ وہ یہ کہ امر بالمعروف ونہی المنکر۔

"اور اس سے بہتر کس کی بات ہوگی جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمان برداروں میں سے ہوں۔ (القرآن)

"اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر، برے کاموں سے منع کیا کر اور مصیبت پر صبر (القرآن)

"اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو خیر کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور ایسے لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔ (القرآن)

"تم بہترین اُمت ہو اور لوگوں کی نفع رسانی کے لئے نکالے گئے ہو تم لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرتے ہو۔ اور برے کاموں سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو" (القرآن)

"آدمی کا ہر کام اس پر بار ہے مگر یہ کہ امر بالمعروف ونہی المنکر یا اللہ کا ذکر ہو (الحدیث)

نبی اکرم حضرت محمدؐ کی ختم نبوت کے سبب اب یہ بہت ضروری ہے کہ اسلام کی فروغ کے لئے تمام اُمت کام کرے۔ بدقسمتی سے آج ہم میں اس کا فقدان ہے۔ اسلام کو لوگوں کے دلوں میں بسانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم سب متحد ہو کر پورے یقین، ایمان کے ساتھ اللہ کے راستے میں نکل کھڑے ہوں تب ہی ہم اپنے فرض سے عہدہ برا ہو سکتے ہیں۔

آیئے عہد کریں کہ اس عمل کو بھی اپنی زندگی میں داخل کریں گے اور یہ کہ "پورے کے پورے" اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ ہمیں ہمت و توفیق دے اور ہمیں اپنے نفس کے خلاف نبرد آزما ہونے اور سرخرو ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارے پیارے رسول پاکؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ :

- مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے .... (الحدیث)

"ایک صبح اور ایک شام کا اللہ کی راہ میں نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (الحدیث)

"ایمان لاؤ اللہ پر اُس کے رسول پر اور اپنی جان و مال سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو، یہ تمہارے لئے سراسر بھلائی اور خیر ہے" (القرآن)

جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں اللہ نے ان کا درجہ بہت زیادہ بنایا ہے (القرآن)

"بلاشبہ اللہ اُن سے پیار کرتا ہے جو اُس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں..... (القرآن)

اخلاقیات

عصر حاضر میں کامیابی کے لئے اخلاقیات کا موضوع بھی زیر بحث رہتا ہے۔ انسانی سکون کے حصول میں اس کا اہم کردار ہوتا ہے۔ اسلام اس سلسلہ میں ہماری کس حد تک رہنمائی کرتا ہے۔ یقیناً اسلام ہی وہ ضابطے مہیا کرتا ہے جس کے تحت بہترین اخلاق کا تصوّر ہوتا ہے۔ اسلام کی ترغیبات ملاحظہ فرمائیں۔

"جب تمہارے پاس کوئی ملنے آئے تو اس کی عزت کرو" (الحدیث)

"نیکی آسان چیز ہے اور یہ کشادہ پیشانی اور نرم کلام کا نام ہے" (فرمانِ نبویؐ)

"اسلام کی بنیاد خوش خلقی ہے۔ (اسلام حسن خلق ہے) (محسن انسانیتؐ)

"قیامت کے روز مومن کے ترازو میں کوئی شے حسن خلق سے بھاری نہ ہوگی" (فخر موجوداتؐ)

"خویش و بیگانہ سب پڑوسی تمہاری مروت کے مستحق ہیں" (فخر بنی نوع انسانؐ)

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو اخلاق میں بہتر ہے" (سردار انبیاءؐ)

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کے لئے نفع مند ہو (رسول کریمؐ)

"عمدہ اخلاق کمال ایمان ہے" (سید احمد مجتبیٰؐ)

"بہترین خوبصورتی عمدہ خصلت ہے" (الحدیث)

"مرد کی خوبصورتی اچھی زبان میں ہے" (فرمانِ نبویؐ)

"خوش خلقی نے دنیا و آخرت کی بھلائیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ (الحدیث)

آئیے اب اخلاق کی تعریف مختلف زاویوں سے کرتے ہیں۔

"خندہ پیشانی، سخاوت کی زیادتی، دوسروں کو تکلیف دینے سے بچنا اور مصائب پر صبر و تحمل کا نام حسن خلق ہے" (حسن بصریؒ)

"حُسنِ خلق کی ۳ صورتیں ہیں۔

(۱) محارم سے اجتناب (۲) حلال کی طلب

(۳) اہل وعیال سے ہر قسم کی وسعتوں و حوصلہ کا معاملہ (حضرت علیؓ)

سخاوت، الفت، خیر خواہی اور شفقت کا نام حُسنِ خلق ہے۔" (جنید بغدادیؒ)

قوموں کی ترقی .... اس کے لئے اخلاق کی ضرورت ہے۔

عمدہ اور اچھی عادات، مظلوم اور بے کس لوگوں کی باتوں کو برداشت کرنا، صبر محنت ومشقت جہد مسلسل کی لگن، حق کی پیروی، انصاف، مسکینوں کی تواضع، فریاد رسی، عزت کی حفاظت، کرم، ایفائے عہد، مکروہات سے پرہیز۔

آج جبکہ حالت بد سے بدتر ہو چکی ہے۔ ہمارا خاموش رہنا اور عمل کو اپنے میں داخل نہ کرنا۔ جدوجہد میں شریک نہ کرنا بھی ایک ناقابل تلافی جرم ہے۔ آئیے عہد کریں کہ اپنے آپ کو اس جدوجہد میں شامل کریں گے۔

اگر کوئی مردِ مومن اس تباہی اور بربادی کے ازالہ میں سعی کرے اور سنت کے احیاء میں سعی کرے اور اس مبارک بوجھ کو لے کر کھڑا ہو اور آستین چڑھا کر اس سنت کے زندہ کرنے میں میدان میں آئے تو یقیناً مبارک باد کا مستحق ہے اور تمام مخلوق میں ایک ممتاز اور نمایاں ہستی کا مالک ہو گا۔ ہم سب کو اس مقدس فریضہ کے انجام دینے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو وقف کرنا ہو گا اور پورے خلوص اور لگن کے ساتھ اپنے آپ کو اسلام سے منسلک کرنا ہو گا۔

عصرِ حاضر کے تقاضوں میں ایک اہم تقاضا تعلیم کے میدان میں مسلم اقوام کا آگے بڑھنا بھی ہے۔ جس قوم نے دنیا کو سیراب کیا وہ آج کیوں تشنہ ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں اسلامی احکامات کو مدِنظر رکھتے ہوئے۔ اپنی اصلاح کرنی ہو گی۔ یقین کریں کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو اس شعبہ میں بھی مکمل رہنمائی کرتا ہے اور اپنے پیروکاروں کی انگلی پکڑ کر فلاح کے راستے کی طرف لے آتا ہے۔

قرآن مقدس کا آغاز ہی لفظ اِقْرَاْ سے ہوا ہے۔ کس احسن طریق سے اسلام ہمارے لئے راستہ بتاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۝ اے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔

اور یہ کہ اسلام ہی وہ عملی مذہب ہے۔ جس میں علم کی اہمیت عمل کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے یعنی زبانی جمع خرچ نہیں ہے۔ بلکہ دعوتِ عمل دی گئی ہے۔

"جھولے سے لے کر قبر تک علم حاصل کرو اور اپنے آپ کو ہمیشہ طالبِ علم سمجھو......" (الحدیث)

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ (الحدیث)

حصول علم تمام مسلمان مرد اور عورتوں پر فرض ہے۔

جو شخص علم حاصل کرنے کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اللہ اس کے لئے جنت کے راستے آسان کر دیتا ہے۔" (الحدیث)

"کوئی شخص اس وقت تک عالم نہیں ہو سکتا۔ جب تک عمل نہ کرے (فرمان نبویؐ)

"علم کا غیب ہو جانا اور عالموں کی عدم دستیابی انسانی تہذیب کے لئے المیہ ہے۔" (فرمان نبویؐ)

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے" (الحدیث)

"علم کا ایک باب سیکھنا ہزار نفل سے افضل ہے۔ (الحدیث)

دین میں فہم حاصل کرو۔ (الحدیث)

علم کے بغیر زندگی ویران و بنجر ہے۔ علم انسانی دماغ کے لئے بہترین کھاد ہے اور بہترین نتائج حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسانی زندگی کو مسلسل سیکھتے رہنے کے عمل سے گزرا جائے۔

علم کے حصول کے بعد متعدد مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اسلام تو قدم قدم پر ہمیں روشنی دکھاتا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ہم کس حد تک اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ اس میں قصور ہمارا ہی ہے۔ مذہب تو بالکل مکمل ہے۔

ان تمام امور کا حل کیا واقعی اسلام میں ہے؟ کیا اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے ہی کے لئے تھا یا آج کے لئے بھی اس کا جواب خود آنحضورؐ نے دے دیا ہے کہ :-

"میں اُس شخص کے لئے بھی رسول ہوں جو اس وقت زندہ ہے اور اُس کے لئے بھی جو بعد میں پیدا ہو گا۔ .... (فرمان نبویؐ)

اب ان حالات میں

"جس نے میری سنت کو زندہ رکھا اُس نے مجھے زندہ رکھا" (فرمانِ نبویؐ)

"جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی" (الحدیث)

"جس نے ایک سنت کو زندہ کیا اُسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ (الحدیث)

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ سنت رسول پاکؐ کو زندہ کیا جائے تاکہ معاشرہ میں استحکام پیدا ہو سکے۔ آج ہم صرف اسی صورت میں کامیاب و کامران ہو سکتے ہیں۔ جب ہم رسول پاکؐ سے سچی محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھال لیں گے۔

اور یہ آج کی ضرورت ہے۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے اور ہمیں استقامت عطا فرمائے (آمین)

آج جب ہم نئے نئے مسائل سے دوچار ہوتے ہیں تو بعض اوقات سطحی طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حل اسلام میں نہیں ہے۔ دراصل صورت یہ ہے کہ مسائل کے حل کے لئے بنیادی طریقے فراہم کر دیئے گئے ہیں۔

سب سے پہلے قرآن، پھر حدیث یہ تو بنیادی ماخذ ہیں۔ اس کے بعد قیاس اور اجتہاد کے ذریعے مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔

اس ضمن میں فقہ کی کتب لکھی ہوئی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔ آج بھی مجتہد حضرات متفقہ طور پر کسی نئے مسئلے کا حل پیش کر سکتے ہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ اسلام رجعت پسند ہے بلکہ واقع یہ ہے کہ اسلام میں بہت لچک ہے۔ اگر ہم خلوص نیت سے اسلام پر چلنا چاہیں گے تو پھر کوئی رکاوٹ (انشاءاللہ) ہماری راہ منزل میں نہ آئے گی۔

آج ہمارا ذہنی سکون ختم ہو رہا ہے۔ معاشرتی بے چینیوں نے ہمیں گھیر رکھا ہے۔ آج ہم بے شمار معاشرتی مسائل میں گھرے ہوئے ہیں۔ کبھی طلاق و مہر کا مسئلہ ہے تو کبھی حمل گرانے کا فکر، کہیں نمود و نمائش ہے۔ کہیں فحاشی و عریانی نے سر اٹھا رکھا ہے۔

اسلام کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کس طرح ان مسائل کا شافی حل پیش کرتا ہے

جُدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

کس طرح عائلی قوانین بتلائے گئے ہیں، عورت جو آجکل مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ عورت عصر حاضر میں اہم مسئلہ کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ آزادی نسواں کا داعی ہے۔ کوئی مخلوط تعلیم کا قدردان، کوئی حق و حقوق کی بات کرتا ہے کوئی اس کے مقام پر بحث کر رہا ہے۔ آیئے ایک مختصر سی جھلک (جو عصر حاضر سے مطابقت رکھتی ہو) دیکھتے ہیں جو ہمیں اسلام نے دکھائی۔

"دنیا کی بہترین پونجی نیک عورت ہے۔" (الحدیث)

"تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے بہتر ہے۔" (الحدیث)

"اللہ تمہیں عورتوں سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔" (الحدیث)

اب ایک نظر اس بات پر ڈالیں کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اسلام ہی تمام مسائل کو حل کرتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں کہ عصر حاضر کے تقاضے اسلام سے ہی پورے ہوتے ہیں۔

اور ہم نے کتاب میں بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ (القرآن)

قرآن تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت حاصل کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (القرآن)

"اس میں ہر مرض سے شفا اور رحمت موجود ہے۔" (ارشادِ خداوندی)

"قرآن پاک بہترین علاج ہے۔" (فرمانِ نبویؐ)

اوقیانوس سے لیکر گنگا تک قرآن کو دینیات ہی نہیں بلکہ شہری اور تعزیری قوانین کی بنیاد سمجھا ہوں جس پر نظام کا دار و مدار ہے۔ جس سے نوعِ انسانی کی زندگی وابسطہ ہے۔ جس کو حیاتِ انسانی کی تربیت سے گہرا تعلق ہے۔ (ڈاکٹر گبن)

"اسلام کی ساری تعلیمات قرآن مجید میں ہیں اسی لئے اس کا پڑھنا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا فرض ہے۔" (علامہ اقبالؒ)

"جتنا بھی ہم اس کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اس قدر اس کے نئے پہلوؤں سے اثر ہوتا ہے اور فوراً ہمیں مسخر کر لیتی ہے۔" (وڈول)

"قرآن نے مسلمانوں کو نہ صرف زبردست جنگ آرائی سکھائی بلکہ پرائیوٹ زندگی میں ہمدردی اخوت، فیاضی، شجاعت اور مہمان نوازی کا سبق دیا ہے۔" (ارنلڈ وہائٹ)

"صرف قرآنی اصول ہی انسان کی خوشی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ (نپولین بونا پاٹ)

اس موضوع سے انصاف کرنا تو شاید میرے بس کی بات نہیں۔ بہر حال ایک کوشش کی ہے، حقیقت یہ کہ جب اسلام کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو انسان کی دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے اور مختلف زاویوں سے بات سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

عصرِ حاضر میں اگر اسلامی فضا قائم ہوتی ہے تو یہ جنت کا نمونہ ہو گی۔ دنیاوی ترقی بھی ساتھ ساتھ ہو گی اور ہمارے درجات بھی بلند ہوتے رہیں گے۔ اس فانی دنیا میں بھی سکون نصیب ہو جائے گا اور آخرت کا آرام بھی مل جائے گا۔ جس میں جنت پوری آرائش کے ساتھ ہماری منتظر ہو گی۔

"اسلام زندہ باد"

آیئے اپنے ہاتھ اٹھا کر اپنی جھولی پھیلا کر اپنے پروردگار، سے دعا کرتے ہیں کہ

اے ہمارے خدا! ہم پر رحم فرما۔ اپنی خصوصی نظرِ کرم فرما۔ ہمارے بگڑے کام سنوارے، ہمارے مسائل کو حل فرما دے۔ ہمیں سیدھی راہ پر چلا دے۔ ہمیں دین کا فہم عطا فرما دے۔

اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ ہماری

مدد فرما۔ ہمیں ہدایت عطا فرما، ہمیں اپنے انعامات سے نواز دے۔ ہمارے دلوں کو سکون کی دولت نصیب فرما دے۔ ہم پر اپنی رحمت کا سایہ فرما۔ ہم تیرے فضل و کرم کے طالب ہیں۔ ہمیں عطا فرما۔

اے اللہ ملت اسلامیہ پر رحم ہو، کرم ہو، رحمت ہو۔ ملتِ اسلامیہ کو اتحاد کی قوت عنایت فرما دے، ہمارے دلوں کی غلاظتوں کو دور فرما دے۔ ہمیں پاکیزگی نصیب فرما۔ ہمیں اپنے فرمانبرداروں میں شامل فرما لے۔

اے اللہ بلاشبہ دین اسلام ہی مکمل دین ہے۔ عصر حاضر میں بھی اُسی طرح مکمل جیسا پہلے تھا۔ اے اللہ ہمیں ہمت دے، توفیق دے کہ ہم اس دین کو ساری دنیا میں نافذ کر سکیں۔ اے اللہ ہم سے اپنے دین کا کام لے لے۔

اے رب العالمین (ان اللہ علی کل شیٔ قدیر) ہماری دعاؤں کو قبولیت سے نواز دے اور تو ہی ہمارے لئے کافی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے۔

رخسانہ پروین۔ جامعہ کراچی۔

روشنی چار طرف پھر بھی اندھیرے کا سماں
پوچھتا ہوں میں ہر اک سے میری منزل ہے کہاں

زیر بحث موضوع اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ ہمیں اپنے گردو نواح میں ایک طائرانہ نگاہ ڈالنی چاہیئے اور اپنے گریبان میں دیکھنا چاہیئے کہ ہماری زندگی بامقصد گذر رہی ہے یا یوں ہی خود رو پودے کی طرح بے ترتیب اور بے مقصد، کیونکہ ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جب اس دنیا میں پہلا انسان آیا تھا تو وہ بھی تعلیم یافتہ تھا اور مسلسل خدائے بزرگ و برتر اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے رسولوں کو بھیجتا رہا ہے۔

قدرتی مناظر کا حُسن، صبح و شام کا آنا جانا، موسموں کا بدلنا، مزاجوں کا تغیر، نئی نئی ایجادات واختراعات کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ دنیا سورج کے گرد اپنا چکر ۳۶۰ دنوں میں مکمل کرنے کی بجائے ایک ہی دن میں طے کرلیتی ہے۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ ہر کام اپنے وقت پر ہو رہا ہے۔ کل کا بچہ آج ایکدم بڑا نہیں ہوگیا بلکہ اس نے دنوں ہفتوں اور سالوں کا سفر کیا ہے۔ تب اس مقام تک پہنچا ہے۔ دراصل زندگی ایک سفر ہے، اور جب سفر رکتا ہے تو پھر انسان نہیں رکتا ہے اور وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں سے آیا تھا۔ شب و روز کی رفعتوں، شام و سحر کی گردشوں اور زندگی و موت کے سلسلے میں ایک چیز نمایاں ہے اور وہ یہ ہے کہ کائنات دراصل تضادات و مشترکات کا مجموعہ ہے۔

لہٰذا جب ہم اپنے ارگرد نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کائنات ہمہ گیر حُسن رکھنے کے باوجود ہمارے دور کا ہر فرد ہراساں و پریشان ہے۔ بے شمار قدرتی وسائل رکھنے کے باوجود وہ تہی دست و تہی داماں ہے سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ان شاداں و فرحاں چہروں کے پیچھے بے پناہ کرب کیوں نظر آتا ہے۔

آج کا دور جسے ہم بڑے فخر سے ترقی کا دور، دورِ جدید اور سائنسی دور کا نام دیتے ہیں۔ اکثر

معاملات میں ہمارے لئے بہت تکالیف دہ بھی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس دورِ جدید کو دوسری طرف ہم Age of anxiety بھی کہتے ہیں۔ اس دور میں بڑھتی ہوئی ذہنی بیماریوں، اضطراب اور بے چینیاں اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ ہم بہت بڑے بڑے مسائل سے دوچار ہیں۔ مسائل کے پہاڑ ہمارے سامنے کھڑے ہیں اور ہمیں ان کے حل کا کوئی سرا نہیں مل رہا ہے۔ ہر نظر مجسم سوال اور ہر شخص منتظر جواب ہے۔ چھوٹے چھوٹے مسائل سے قطع نظر ہمارے سامنے بڑے بڑے مسائل کے درج ذیل پہاڑ کھڑے ہیں، جنکا حل آج کے بڑے بڑے مفکر اور (Policy makers) کے پاس بھی نہیں ہے۔ لیکن اسلام نے ان مسائل کا حل آج سے چودہ سو سال پہلے ہی دیگر مسائل کی پیدائش ہی کو ناممکن بنا دیا تھا۔

۱۔ آج کی دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ یا تقاضہ "مسئلہ معاش" ہے۔

۲۔ "معاشرتی استحکام" ایک ہمہ گیر تقاضہ ہے۔

۳۔ "بے اعتدال سیاست" اس دور کا ناسور ہے۔

جدید معاشی نظام اور اسلام

آج کے دور میں جبکہ دنیا اپنی ترقی میں آسمان کی وسعتوں اور سمندر کی گہرائیوں تک پہنچ گئی ہے۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے ہیں کہ دنیا کی ۹۰ فیصد آبادی بھوک و افلاس کی بھٹی میں جل رہی ہے۔ نہ کپڑا تن ڈھانپنے کو اور نہ مسکن سر ڈھانپنے کو ہے اور اسکے ثبوت کے لئے ہمیں دور جانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کراچی کی کچی آبادیاں مثلاً، موسیٰ کالونی، لیاری، لانڈھی۔ کورنگی اور اورنگی کی بدحالی چیخ چیخ کر اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے اور اگر بین الاقوامی سطح پر دیکھیں تو ایتھوپیا کے ڈھانچے، ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں۔ بنگالیوں کی پتھرائی ہوئی آنکھیں، ہندوستان کے بلکتے سسکتے لوگ اور سری لنکا کی مظلوم آبادی ہمارے سامنے ہے۔ آج کا انسان اس حقیقت کے شعور پر بھی مضطرب ہے کہ دولت کی فراوانی محیر العقول ترقی اور بے مثال معاشی ارتقاء کے باوجود غربت، افلاس، بے روزگاری اور ظلم و ستم کا دور دورہ کیوں ہے۔

دراصل معاشی خوشحالی کا اصل مفہوم ایک بہتر اور عمدہ معاشرے کی تعمیر اور تشکیل ہے۔ لیکن دورِ جدید کے مفکروں نے ملوکیت اشتراکیت، لادینیت، طبقہ واریت، مادیت، وطن پرستی، جذبۂ قوم پرستی اور حاکمیت جمہور جیسے سیاسی اور فلسفیانہ تصورات کا سبق پڑھا کہ اہل دنیا کو ایک ہمہ گیر مسئلہ معاش میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ارتکاز دولت کے رجحان نے اس پر جلتی کا کام کیا ہے۔ گو کہ اس نے سرمایہ دارانہ نظام معیشت سے خود کو آزاد کرا لیا ہے۔ لیکن دراصل ارتکاز دولت اسی کی دوسری

مشکل ہے جسکی وجہ سے غریب طبقہ غریب تر اور امیر، امیر تر بنتا جا رہا ہے۔

جبکہ اسلام اس سلسلے میں یہ حکم دیتا ہے کہ:

ترجمہ:۔ ایسا نہ ہو کہ یہ (مال و دولت) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش کرتا رہے۔

(الحشر)

گویا اسلام جو معاشی نظام پیش کرتا ہے وہ کسی ایک قوم اور نسل کے منافع کے لئے نہیں ہے بلکہ عالم انسانیت کے حقوق کی حفاظت و منافع کے لئے ہے ارشاد حبیبؐ ہے کہ:

" ابنِ آدم کا بنیادی حق یہ ہے کہ اسکے لئے ایک گھر ہو جہاں وہ رہ سکے۔ کپڑا ہو جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے، اور کھانے کے لئے روٹی اور پینے کے لئے پانی ہو۔"

(ترمذی)

دورِ جدید میں (Standard of living) بڑھانے کے لئے نسل کشی کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ کھلے عام عوام کو کنبہ چھوٹا کرنے پر اکسایا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں کروڑوں روپے کا سرمایہ لگا کر مانع حمل ادویات عوام کو فراہم کی جا رہی ہیں۔ لیکن اسلام نے نسل کشی تجویز نہیں کی اور انسانیت کو قتل کروانے اور قاتل بننے سے بچا لیا اور اس سلسلے میں یہ حکم دیا ہے۔

ترجمہ:۔ " اور تم اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی ان کو رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی ان کو مار ڈالنا سخت خطا ہے۔" (بنی اسرائیل)

اسلام توکل کی مداومت پر زور دیتا ہے جس بات پر آج کے ماہرینِ معاشیات قیاس آرائیاں کرتے ہیں اسلام نے سینکڑوں سال پہلے ہی اسکا حکم دے دیا تھا۔ کیونکہ ایک IDEAL SOCIETY کا قیام صرف نظریات سے قائم نہیں ہوتا بلکہ اس پر عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک حدیث رسولؐ ہے کہ

ترجمہ:۔ "رزق کا دروازہ عرش تک کھلا ہوا ہے اور اسباب معیشت غیر محدود ہیں۔"

(کنز الحقائق)

آج کا معاشرہ آزادیٔ نسواں کا زبردست علمبردار ہے اور تلاشِ معاش میں عورت و مرد برابر قرار دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اسکے باوجود دونوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ بے توازن ہے۔ جبکہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ:۔

ترجمہ:۔ "عورت کو خالی بیٹھے رہنے کی جگہ چرخہ کاتنا بہترین کمائی کا شغل ہے۔"

ساتھ ہی ساتھ اسلام نے اسراف، زر پرستی، سود خوری، جوا، سٹہ بازی اور فیشن پرستی

سے نہایت عمدہ اور لطیف طریقے سے روکا اور زکوٰۃ کا حکم دے کر غریبوں، ناداروں، مسکینوں اور بیواؤں کے حقوق کو محفوظ کر دیا ہے۔ دوسری طرف دولت کو مسلسل گردش میں رکھنے اور عوام کو افراط زر اور تفریط زر سے محفوظ رکھنے اور منظم معاشی اصول کے لئے یہ حکم دیا ہے۔

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے اموال کو آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ بلکہ باہمی رضامندی سے تجارت کی راہ سے نفع کماؤ" (النساء)

اور قانونِ وراثت پیش کر کے دولت کی منصفانہ تقسیم کی راہ کھولی تاکہ معاشرے سے ارتکاز دولت کی لعنت ختم ہو جائے اور مغرب کے اس نظریہ کو باطل قرار دیا جس کی روح سے ایک شخص کی تمام دولت کا وارث ایک ہی شخص کو قرار دیا جاتا ہے تاکہ سرمایہ دارانہ نظام خود بخود ختم ہو جائے۔

معاشرۂ جدید اور اسلام

تمام Socialogists اور عام لوگ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ "انسان سماجی حیوان ہے" لہٰذا انسان کا اجتماعات کے بغیر زندہ رہنا ناممکن ہے کیونکہ فرد پیدائش سے لے کر اختتام زندگی تک ہجوم انساں کے درمیان ہے۔ اس قریبی تعلق کی بنا پر ارد گرد کے لوگوں کی ذہنی حالت اور رسم و ثقافت اس شخص کے کردار پر بہت حد تک اثرانداز ہوتی ہے۔

معاشرہ کی تشکیل مرد و عورت کے باہمی تعاون سے ہوتی ہے کیونکہ یہ دونوں معاشرے کے دو ستون ہیں۔ لہٰذا دونوں کے ایک دوسرے پر کچھ حقوق اور کچھ فرائض ہیں۔ لیکن اگر یہ دونوں اپنے حدود کار سے نکل جائیں تو بڑی بے ترتیبی کا سبب بنتے ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ ترین ممالک اسی المیہ کا شکار ہیں۔ آج اپنی تمام تر آزادیوں اور ترقیوں کے باوجود اپنی ہی زنجیروں میں جکڑے نظر آتے ہیں۔ انفرادی، طبقاتی، قومی، لسانی، نسلی خود غرضیاں اور انتشار کی وجہ سے وہ بے دست و پا ہو چکے ہیں۔ جس نے انسانیت کو تنزل کے گہرے گھڈ میں گرا دیا ہے۔ مختصراً آج کے معاشرے کی خود ساختہ تلخیوں کو عہدِ جدید کے مفکر "الیکس کیرل" یوں بیان کرتے ہیں۔

"موجودہ سماج نے سب سے فاش غلطی یہ کی ہے کہ اس نے تربیت کے لئے خاندان کے مقابلے میں مدرسوں پر اعتماد کیا ہے۔ آج کی ماں بچے کو نرسری سکول میں صرف اس غرض سے چھوڑ آتی ہے کہ وہ اپنی معاش کے لئے، آزاد شہوت رانی کے لئے، فضول قسم کی آرٹ پرستی کے لئے اور برج کھیلنے یا سینما دیکھنے جانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وقت بچا سکے اور اس طرح مشغول بے کاری میں منہمک ہے۔ اس طرز زندگی نے خاندان کے

نظام کو، جسکے زیر اثر رہ کر بچہ بہت کچھ سیکھتا ہے۔ بالکل درہم برہم کر دیا "۔
یہ پُر درد الفاظ عہد جدید کے مکمل معاشرتی نظام کے عکاس ہیں۔ ہیگل، مارکس اور ڈارون کے نظریات نے مادیت، لادینیت، بے عقیدیت اور قوم پرستی جیسی لعنتوں میں مزید اضافہ کیا ہے۔

روس کا افغانستان پر چڑھ آنا، اسرائیل کا فلسطین پر قابض ہونا، عراق کا ایران سے اور ایران کا عراق سے مسلسل جنگ کرنا۔ امریکہ کی چالاک لومڑی جیسی پالیسی اور بھارت کی بچھو جیسی خصلت نے انسانی ذہن کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ دنیا کی آبادی اپنی آمدنی کا بہتر حصّہ فلاح انسانی پر خرچ کرنے کی بجائے مہلک ہتھیار کی خرید و فروخت پر خرچ کر رہے ہیں۔ جس کے مہلک اثرات نے معاشرے کی غربت و افلاس کی بھٹی میں جھونک کر ذہنی پراگندگی میں اضافہ کیا ہے۔

معاشرتی خوشحالی کے لئے ضروری ہے کہ انسانیت کی پہچان باقی رہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالے سورۃ الحجرات میں فرماتا ہے کہ :۔

ترجمہ :۔ " لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں خاندان اور قبیلے میں بانٹا تاکہ شناخت کر سکو ایک دوسرے کی۔ تم میں سب سے زیادہ باعزت اور فضیلت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے "۔

عدل و مساوات کا حکم دے کر اسلام نے معاشرے کو کشت و خون سے پاک کر دیا اور انسانیت کو رنگ و نسل کے تعصب سے بالاتر کر دیا۔ انسانیت کو اولاد آدم کہہ کر بھائی چارہ کی فضا قائم کر دی اور معاشرے میں بسنے والے لوگوں کو اسقدر قریب کر دیا جیسے ایک ہی خاندان کے افراد ہوں۔

نکاح کا حکم دے کر ایک منظم خاندانی نظام کی بنیاد رکھی اور معاشرے کو لاوارث بچوں کی بھرمار اور ان سے پیدا ہونے والی ذہنیت کے شر سے بچا لیا۔ تعاون، خیر خواہی، امداد، اشتراک ایثار و بھائی چارے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا :

" مومنو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اُڑائے۔ ممکن ہے وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اُڑائیں۔ ممکن ہے وہ ان سے اچھی ہوں اور عیب نہ لگاؤ اور ایک دوسرے کا بُرا نام نہ رکھو "۔

ان عمومی ہدایات کے بعد اسلام نے انسانوں کے باہمی حقوق و فرائض کا بھی ایک مکمل نظام دیا ہے اور خاندانی نظام کو معاشرتی اصلاح میں بڑی اہمیت دی ہے۔ بچوں کی تعلیمات و کردار کشی کے لئے اسوۂ حسنہ کو نمونۂ حیات بنانے کا حکم دیا۔ ہمسایوں اور پڑوسیوں کے حقوق کی حفاظت کا اعلیٰ ترین نظام

دیا اور ان کے حقوق محفوظ کر دیئے۔

حدیث :۔ " وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جس کا ہمسایہ اسکی شرارتوں سے امن میں نہ ہو"۔

اسلامی معاشرے میں "علم باعمل" پر جس قدر زور دیا گیا ہے کسی اور مذہب نے نہیں دیا۔ کیونکہ اقدار کے تحفظ اور اپنے نظامِ زندگی کو نئی نسلوں کی طرف منتقل کرنے میں تعلیم بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

کیونکہ احترام قوانین علم کے بغیر ممکن نہیں۔ سماجی جرائم کے انسداد اور فتنہ انگیزیوں سے بچنے کیلئے اسلام نے مناسب سزائیں بھی تجویز کی ہیں اور اس پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا تاکہ امیر و غریب اور بادشاہ و فقیر امن سے معاشرے میں رہ سکیں۔ نبی کریم ؐ کے یہ الفاظ قانون کی بالا دستی کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔

" اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو خدا کی قسم میں اس کے ہاتھ بھی کاٹ دیتا"۔

گویا عمومی طور پر اسلام ایک ایسے معاشرہ کا طالب ہے جو ہمہ گیر، مصنوعی اختلافات سے پاک تعصبات و مکروہات سے منزّہ نسل، رنگ، وطن، زبان وغیرہ کی حد بندیوں اور جغرافیائی سرحدوں سے پرے، مساوات، اجتماعی عدل و انصاف اور ایک عالم گیر برادری کی بنیاد پر قائم ہو اور ایک نکری، اخلاق اور اصولی معاشرہ ہو جسکے افراد میں باہم ہمدردی، انسانیت اور مواخوت کا رشتہ ہو۔ ایسے ہمہ گیر و عالمگیر نظام معاشرت کی موجودگی میں جدید معاشرے کے بارے میں ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

جدید تعلیمی نظریہ اور اسلام

جدید تعلیم کے پس منظر کے مکمل جائزے کے بعد پروفیسر جناب Herald H. Tatus لکھتے ہیں کہ :

" جدید تعلیم نے اپنے آپ کو ماضی کے روحانی ورثے سے الگ کر لیا ہے۔ لیکن اب تک اسکا مناسب متبادل دینے سے قاصر ہے۔ نتیجتاً پڑھے لکھے افراد بھی ایقان و ایمان سے، زندگی کے اقدار کے صحیح احساس سے اور دنیا کے بارے میں کسی ناقابل شکست، ہمہ گیر نقطۂ نظر سے عاری ہیں"۔

مفکر کے یہ الفاظ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بے عقیدہ اور غیر جانبدارانہ طریقۂ تعلیم جنگلی

پودوں کی طرح ہے۔ جن کا مقدر بھٹی کا ایندھن بننے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کے شرح تعلیم ۱۰۰٪ ہونے کے باوجود معاشرے کا اٹھان درست سمت میں نہیں ہے۔

اپنے وسیع تر مفہوم میں تعلیم کے حدود بہت زیادہ ہیں۔ انسانی کردار اور صلاحیت پر پڑنے والے بالواسطہ اثرات بھی اسکے دائرہ کار میں شامل ہیں جنکے فوری مقاصد بالکل ہی مختلف ہوتے ہیں۔ آج کا تعلیم یافتہ معاشرہ "عالم بے عمل" کے مصداق بنکر رہ گیا ہے۔

تکمیل حیات کا تقاضہ تو یہ ہے کہ تعلیم کو ہمارے نوجوانوں کی زندگی اور اسکے مطالبات کی تکمیل کیلئے تیار کرنا چاہیئے۔ انہیں زندگی گذارنے کے طریقوں کی تربیت دینی چاہیئے اور معاشرے کے گوناگوں ضروریات کو پورا کرنے کے لائق بنانا چاہیئے۔ گویا انسان کو ایسی تربیت دے جو اسے زندگی کی کشمکش اور ضروریات زمانہ کے حصول کے درمیان رہتے ہوئے اپنی زندگی حق و صداقت اور عدل و انصاف کے ساتھ گذار دینے میں مدد کرے۔

مشہور اہل قلم "والٹر لپ مین" "اس مضطرب دنیا میں علم کی کیفیت" کے موضوع پر ایک تقریر میں کہا تھا۔

> "اسکول اور کالج ایسے افراد بھیجتے رہے ہیں جو اس معاشرے کے تخلیقی اصولوں کو نہیں سمجھ پاتے جس میں انہیں رہنا ہے۔ اپنی ثقافت سے محروم نئے تعلیم یافتہ مغربی افراد اپنے ذہن و جذبات میں مغربی تہذیب کے تصورات، اصول اور بنیادوں کا اور اس کی منطق و استدلال کا کوئی احساس و شعور نہیں رکھتے۔ اگر یہی نہج رہی تو موجودہ تعلیم آخر کار مغربی تہذیب کو تباہ کر دے گی، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تباہ کر رہی ہے"۔

اسکے علاوہ امریکی تعلیم پر راک فیلر کی رپورٹ بھی اسی خامی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر شخص اپنی زندگی کا مقصد و مفہوم چاہتا ہے۔ اسے زندگی گذارنے کے لئے کسی نمونۂ تقلید کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب وہ جسے اپنا رہنما تصوّر کرتا ہے اسی کے کردار و اعمال کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے اور اسی جیسا بننا چاہتا ہے۔ اب اگر وہ رہنما اسے کوئی عظیم مفہوم زندگی اور تصور حیات نہ دے تو ظاہر ہے کہ وہ مائیکل جیکسن اور صوفیہ لورین ہی بننا پسند کریگا۔

لہٰذا اسلام نے ہماری زندگی کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک مکمل ضابطہ اور نبی اکرمؐ کی شکل میں نمونۂ حیات دیا ہے اور پھر خدا تعالےٰ نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب)

اسکا مطلب یہ ہوا کہ پہلے تو خود اساتذہ کو اپنی زندگی، اپنے کردار اور قول و فعل میں رسول کریم ؐ کو نمونہ بنانا چاہیئے۔ پھر طلبہ کو بھی یہی تعلیم دینی چاہیئے تاکہ طلبہ میں حیات صادقہ کا جذبہ پیدا ہو، جب طالبِ علم کو بتایا جائے کہ دنیا میں انسان کی حیثیت کیا ہے، انفرادی اور اجتماعی زندگی پر توحید رسالت، آخرت وغیرہ پر ایمان رکھنے سے کیا اثرات مرتب ہوں گے ؟ اصول ثقافت اور اسکے فرائض و مشن کیا ہوں گے ؟ وہ کس طرح اپنے نیک مقاصد کے حصول کے لئے دنیا کی قوتوں کو استعمال کرے تاکہ انسان ان تعلیمات کی روشنی میں خود اپنے لئے راستہ تلاش کر سکے۔

اسلام فرد کی ذاتی شخصیت میں یقین رکھتا ہے اور ذاتی طور پر ہی ہر ایک کو خدا کے سامنے جواب دہ ٹھہراتا ہے۔ اسلام فرد کے بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔ لہٰذا اسلامی تعلیمی پالیسی میں فرد کی شخصیت کا مناسب ارتقاء اہم ترین مقاصد میں سے ایک ہے۔ اسلام راہ وسط کا داعی ہے اور اسکا نصب العین مناسب اور متوازن تعمیر انسانیت ہے۔ اسلام نے علم کا جو تصور دیا ہے اس میں علم اور تربیت دونوں کو یکساں اہمیت دی ہے۔ تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس دونوں کو ساتھ ساتھ انجام دینا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے مخصوص نظام تعلیم میں تعلیم اور سیرت سازی ایک ہی حقیقت کے دو پہلو رہے ہیں۔

مقصد تعلیم یہ ہونا چاہیئے کہ تعلیم بذات خود منزل نہیں ہے بلکہ حصول منزل کا بہترین ذریعہ ہے۔ حقیقی منزل تو ان لوگوں کا نظریہ حیات اور تمدن و ثقافت ہے جنکی اسے خدمت کرنی ہے۔

جناب علامہ اقبالؒ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ :

" علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دار و مدار حواس پر ہو۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے وہ طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیئے۔ اگر یہ دین کے تحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ مسلمان کے لئے لازم ہے کہ علم کو حاصل کرے۔"

اسلام تو گود سے لے کر گور تک علم ہی علم، تربیت ہی تربیت اور عمل ہی عمل ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ خالد بن ولیدؓ، محمد بن قاسم، جلال الدین سیوطی، امام بخاری اور امام مالک اور انہیں کی طرح کے بے شمار

نام ہماری تعلیم و سیرت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اہلِ دنیا اور اہلِ اسلام کی تعلیمی حالت یا معاشرتی حالت دیکھ کر اک آہ سمیت یہی دعا نکلتی ہے۔

رفعت میں ہے مقاصد کو ہم دوشِ ثریا کر
خود داری ساحل دے آزادی دریا دے

سیاسی نظام اور اسلام :-

"ریاست ایک منظم سماج کا نام ہے۔ یہ اس وقت وجود پذیر ہوتی ہے جبکہ ایک طرف افراد پر اقتدار قائم کرنے اور دوسری طرف افراد کی جانب سے اطاعت کرنے کا دوگانہ رابطہ عمل میں آجائے۔ اطاعت کے امر واقع ہونا اس بات کو کافی ہے کہ ریاست موجود ہو گئی"۔

مندرجہ بالا الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اجتماعی زندگی کے لئے ریاست کا وجود ناگزیر ہے۔ فرد کو اپنی نشوونما اور ارتقاء کے لئے ایک ایسے ماحول کی ضرورت ہے جس میں ایک طرف امن و امان قائم ہو اور دوسری طرف وہ فرد کو اسکی تمام سہولتیں فراہم کر دے جو وہ خود حاصل نہیں کر سکتا۔ دفاع، قیام نظم و قانون، حصول عدل، تعلیم ایسی چیزیں ہیں جو ریاست کے ذریعہ انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔

اب اگر ریاست و سیاستِ دوراں پر نظر ڈالیں تو بڑی مایوسی اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جدید فکری سیاست نے آج اہل دنیا کو جس مقام پر کھڑا کر دیا ہے، نفرت، تقسیم پرستی اور جزو پرستی کو دیکھتے ہوئے برجستہ یہ شعر ذہن میں آتا ہے کہ :

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بے تاب بجلیوں سے خطر میں ہے اسی کا آشیانہ

میدان سیاست تو اب ایسا لگتا ہے جیسے اکھاڑا ہو جہاں غیر منظم طریقے سے سیاسی پہلوان برسرِ پیکار ہیں۔ نہ دین ہے اور نہ دنیا ہے تو صرف مفاد پرستی ہے۔ اوچھے ہتھکنڈے کا استعمال، ظلم اور پردہ پوشی کا لامتناہی سلسلہ، بہبودِ انسانیت کا نعرہ لگا کر انسانیت کے چیتھڑے اڑانا سب کچھ سیاست میں شامل ہے۔

سیکولرزم نے تشکیک اور ذہنی پراگندگی پیدا کی ہے۔ یہ اسی ذہنی انتشار اور فکری پستی ہی کا نتیجہ ہے کہ اشتراکیت اور فسطائیت جیسی تحریکوں نے جنم لیا۔ جو مادہ پرستی کا راہنما بنا۔ گو کہ انسانیت

نے پاپائی نظام سے نجات تو پالی لیکن اپنے آپ کو ذہنی بے اطمینانی، روحانی اضطراب، جذباتی تلون اور بے عقیدگی کا شکار ہو گئے۔

سیکولرزم کی ناکامی نے تھیاکریسی کو جنم دیا جس میں حکم رانی کے اختیارات خُدا کو ہوں اور مذہبی پروہتوں کا طبقہ اس کے نمائندے کی حیثیت سے یہ کام انجام دے۔ یہ مذہبی دیوانے ظاہر ہے کہ عوام کی معصومیت لوٹتے رہے اور لوٹ کر نظام سیاست پھر سے پاپائیت کی طرف مڑ گیا۔ لہٰذا تھیاکریسی بھی سیکولرزم کی طرح ناکام ہوا۔ پھر ڈیموکریسی کا بڑے زور شور سے پرچار شروع ہوا۔ جس نے انسانیت کو ہر لحاظ سے آزاد کر دیا۔ چونکہ جو چیز حد سے تجاوز کر جاتی ہے وہ نقصان دہ ہوتی ہے۔ لہٰذا ڈیموکریسی نے ایک حیوانی معاشرے کو جنم دیا۔ اور اس معاشرے نے مال و دولت، عزت و آبرو اور زندگی جیسی قیمتی چیزوں کو بھی ارزاں و بے مول کر کے رکھ دیا۔ زمانے کی اس روش نے جس معاشرے کو جنم دیا وہ ذہنی بربریت ہے۔

حالات کی الجھی ہوئی ڈور لئے آج کا مفکر پھر وہی بات دہرانے لگا ہے جس کا حکم اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی دیا تھا۔ ایک مشہور مفکر "آرنلڈ ٹائن بی" کھلے الفاظ میں اس ناکامی کا اعتراف کرتا ہے۔

> "یہ اب واضح ہو گیا ہے کہ صرف دنیاوی خوشی کو مقصد زیست بنا دیا جائیگا تو اس میں فرد کی مادی خوشحالی اور دنیاوی سکون کا حصول بھی ناممکن ہے۔ وہاں یہ قابل فہم ہے کہ اگر سیکولرزم سے بلند و بالا کوئی روحانی مقصد سامنے رکھا جائے تو ایک ضمنی نتیجے کی حیثیت سے انسان کو دنیاوی خوشی بھی حاصل ہو جائیگی۔

اسلامی ریاست بے دین و بے عقیدہ ریاست سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ کیونکہ لادینی ریاست اپنے معاملات و مسلک کو الہامی ہدایت پر مبنی کرنے کی بجائے محض عقل و مصلحت سے کام چلانے کی کوشش کرتی ہے۔ اسلام دنیاوی معاملات کی اصلاح چاہتا ہے لیکن خُدا کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر نہیں بلکہ اس کی روشنی میں یہ ریاست اپنا مخصوص مزاج رکھتی ہے اور وہ ایک اصولی، مقصدی اور نظریاتی ریاست ہے۔ اسکی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک جمہوری اور شورائی ریاست ہے۔ اس میں تمام انسان برابر ہیں اور ارباب امر تمام امور سلطنت میں بنیادی پالیسی باہم مشورے سے طے کرتے ہیں اور نظام حکومت کو جمہور کی مرضی کے مطابق چلاتے ہیں۔ حکومت خدا اور اس کے رسول کی طرف سے ان حقوق کی ادائیگی کی ذمہ دار ہے۔

آمریت، موروثیت اور شہنشاہیت جیسی ذہنیت کو اس ریاست میں کوئی مقام نہیں کیونکہ مساوات اسکی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرماتا ہے کہ :-

ترجمہ :- خدا نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس کا جوڑ پیدا کیا اور دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔

اسلامی ریاست خدا کی حاکمیت اعلیٰ پر مبنی ہے لیکن یہ تھیا کریسی سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ اسلامی تاریخ میں ہمیں کہیں بھی پاپائیت نظر نہیں آتی ہے جیسی یورپ، ہندوستان، چین یا تبت میں ملتی ہے۔ یہ فلاحی ریاست اشتراکیت سے بھی مختلف ہے اس لئے کہ یہ کفالت کی ضمانت تو دیتی ہے لیکن آزادی اور انفرادیت کی قیمت ادا نہیں کرتی ۔

اسلامی ریاست کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ ایک فلاحی اور خادم خلق ریاست ہے۔ نگاہ اسلام میں صرف امن وامان ہی حکومت کی ذمہ نہیں ہے بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں حقیقی اور فکری مساوات قائم کرنا، رکاوٹوں کو دور کرنا، انصاف اور ادائیگی حقوق کی انجام دہی بھی ہے

طرز جدید کی مخلوط فلاحی ریاست سے بھی قطعاً مختلف ہے یہاں احتجاجی اور سیاسی بنیاد پر حقوق بحال نہیں کئے جاتے جس میں رسہ کشی کا احتمال ہو۔ یہاں تو یہ ایک بنیادی اصول ہے۔ یہاں معیار زندگی کے ساتھ معیار اخلاق بھی بلند کیا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ اسلامی ریاست کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اخلاقی تعلیم اور تہذیب و تمدن کی ترویج بھی اسکے ذمے ہے۔ اور نبی اکرمؐ نے پہلے یہ واضح کر دیا ہے۔

" میں معلّم اخلاق بنا کر بھیجا گیا ہوں "

قوم پرستی نے دور جدید کو لافانی نقصانات سے روشناس کرایا ہے اور وطن پرستی ہماری دشمن بنی یہ بات درست ہے کہ وطن سے محبت فطری جذبہ ہے لیکن کیا اصل چیز وطن پرستی ہے؟ دراصل اسلام زندگی کی بنیادی وفاداری اور اتحاد کی اصل بنیاد وطن کی بجائے اصول اور نظریہ، مسلک اور دین کو قرار دیتا ہے۔

اسلام کے بارے میں یہ نظریہ غلط ہے کہ یہ صرف ریاست کے اندرونی معاملات سے بحث کرتا ہے اور اس کے پاس خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول ہی نہیں ہیں۔

اسلام فتنہ و فساد کو ختم کرنے اور امن قائم کرنے کے لئے آیا ہے اور اس کی خارجہ پالیسی کا مقصد امن عالم کا قیام ہے ، اور قرآن پاک خود فرماتا ہے کہ :۔

” اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ ایک گروہ کی دشمنی تمہیں اس بات پر ابھار دے کہ راہ انصاف سے ہٹ جاؤ “

اسکے علاوہ جغرافیائی حدود کو انسانیت کو مستقل طور پر بانٹنے والی حدود نہیں مانتا وہ ایک عالمی انسانی برادری قائم کرنا چاہتا ہے ۔ یہ کسی قوم ، رنگ اور نسل سے وابستہ نہیں بلکہ پوری انسانیت اس کے نزدیک برابر ہے ۔ لیکن بین الاقوامی تعلقات میں اسلام بدلہ لینے کو جائز قرار دیتا ہے ۔ لہٰذا فرمان ہے کہ :۔

ترجمہ :۔ پس جو تم پہ زیادتی کرے تو تم بھی اس کے برابر کی زیادتی کر کے اپنا بدلہ لے سکتے ہو “

مختصراً اسلامی معاشرے کی صحیح تصویر اور صحیح حالت کا نقشہ ہم ان الفاظ میں کھینچ سکتے ہیں کہ

” جب تمہارے حکمران تم میں نیک اور صالح ہوں ، تمہارے اہلِ ثروت تم میں فیاض ہوں اور تمہارے امور باہم مشورے سے طے ہوں “

مندرجہ بالا تمام باتوں میں اہم یہ ہے کہ اسلام نے ہر شعبہ ہائے زندگی کی تربیت کا بھی مکمل نظام دیا ہے ۔

نماز جہاں وقت کی اہمیت ، روحانی ترقی اور صفائی کی تربیت دیتی ہے وہیں یہ شعبہ صحت بھی ہے اور روزانہ ورزش کی تربیت گاہ بھی ۔ گویا دین و دنیا کی تربیت ایک ساتھ ہو رہی ہے ساتھ ہی ساتھ مقصد حیات کی یاد دہانی ، فرض شناسی ، تعمیر سیرت کا بہترین موقع ۔

روزہ انفرادی اصلاح کے ساتھ ساتھ پوری اسلامی ریاست میں ایک ساتھ روحانی فضا قائم کرنے کا ذریعہ بھی ہے ۔

زکوٰۃ معاشرے کو انفرادی ، اجتماعی ، سیاسی ، معاشی اور معاشرتی طور پر ایک آئیڈیل معاشرہ اور تمدن دیتا ہے ۔

حج کی مذہبی اہمیت اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اللہ کے گھر کا سفر حصول نیکی کا ذریعہ ہے اور اسی کی سیاسی ، سماجی اور بین الاقوامی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے ۔

دیگر برائیوں کے سدِ باب کی طرح اللہ تعالےٰ نے فتنہ و فساد کو مٹانے کے لئے جہاد کا حکم دیا کیونکہ جہاد اسلامی نظام کے قیام ، اسکے تحفظ اور اسکے احکام کے نفاذ کا واحد اور اہم ترین ذریعہ ہے ۔

کیونکہ دنیا خیر وشر دونوں کی رزم گاہ ہے۔ لہٰذا شر سے نمٹنے اور خیر کو عام کرنے کے لئے مؤثر طاقت کا ہونا بہت ضروری ہے اور جس معاشرے کا ہر فرد مجاہد وسپاہی ہو اور شہادت کا متمنی ہو وہ معاشرہ کیونکہ بڑا ہو سکتا ہے۔

آج مسلمانوں کی کمزوری اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے اندر جذبہ جہاد کا فقدان ہو چلا ہے اگر آج ہمیں دنیا میں دوبارہ وقار بلند کرنا ہے تو ہمیں اس ہدایت پر سختی سے عمل کرنا چاہئے کہ

"اے مسلمانو! جہاں تک تم سے ہوسکے جہاد کی تیاری رکھو۔"

مطالعۂ اسلام ذہنی پراگندگی کو دور کرتے ہوئے اس بات کا ثبوت پیش کرتی ہے کہ اسلام "عالمگیر" مذہب ہے۔ آدم کی تعلیمات سے لیکر محمدؐ تک سب نے اسی دین کی نشر واشاعت کی اور مقصدِ حیات پالیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

"تم بہترین امت ہو، لوگوں کی بھلائی اور ہدایت کے واسطے پیدا کی گئی ہو۔ تم اچھے کام کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔"

چونکہ اسلام تمام تقاضے پورے کرتا ہے اسی لئے اسے "دینِ فطرت" کہا گیا ہے اور اسے ہر طبقۂ انسان اپنا راہنما وہادی سمجھ سکتا ہے۔ اسلام ایک ایسا عالمگیر مذہب ہے جس کی حیثیت ایک اصلاحی اور انقلابی تحریک کی سی ہے۔ جو انسانی زندگی کو با مقصد بناتا ہے۔ اسلام ہی ہمیں دین ودنیا کی وحدت کی تعلیم دیتا ہے۔

لہٰذا اسلام کا تقاضہ ہے کہ

"اے ایمان والو! تم سب کے سب پوری طرح اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

موجودہ دور اس لحاظ سے ناکام ہے کیونکہ لوگوں نے شیطان کی پرستش شروع کردی ہے جس کی وجہ سے شیطان اپنے تمام ناموں سمیت معاشرے میں موجود رہا ہے۔ مثلاً: ملاوٹ سٹہ بازی، ذخیرہ اندوزی رشوت خوری، استعمال منشیات، ڈاکہ زنی وغیرہ۔ یہ سب شیطانیت ہی تو ہے۔

گویا زندگی سے اگر مذہب نکل جائے تو صرف بربریت بچ رہتی ہے۔

جلالِ بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اب وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ اہل عالم کے پاس ایک ایسی نظریہ، ایک ایسی آئڈیالوجی

ہو جو کثرت کو وحدت میں بدل دے اور ان نئے حالات میں انسان کو رہنے کا سلیقہ سکھلائے تاکہ وہ اپنی حاصل کی ہوئی قوتوں کو تعمیر و تشکیل کے لئے استعمال کرے۔

علامہ اقبالؒ کے یہ اشعار بہت خوبصورتی سے اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

سہ

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قیام امن کے لئے عالمی اداروں اور اسلام کا تقابلی جائزہ۔

سید سجاد ابراہیم۔ جامعہ کراچی۔

امن کا تصوّر ذہن میں آتے ہی سکون و اطمینان، محبت و الفت اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت، جیسے احساسات ذہن میں گردش کرنے لگتے ہیں۔ امن پسندی انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ اسیلئے وہ جنگ وجدل سے نفرت اور اکتاہٹ کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ اس نے ابتداء ہی سے کوشش کی ہے کہ امن وچین سے اپنی زندگی گزارے۔ جنگ وجدل سے تحفظ کے لئے اس نے ہمیشہ مفاہمت و معاہدے سے کام لیا۔ لیکن معاہدے و مفاہمت دوبرسر جنگ قوم سے آگے نہیں بڑھتے تھے۔

امن کے لئے عالمی اداروں کا قیام

قیام امن کے لئے خیالی طور پر ایک بین الاقوامی تنظیم کے قائم کرنے کا اظہار مختلف مواقع پر کیا جاتا رہا۔ ادب جو مختلف خیالات و افکار کے اظہار کا ایک موثر ذریعہ رہا ہے .... میں بھی انیسویں صدی کی ابتداء تک امن کے موضوع پر کوئی خاص نشوونما نہیں ہوا تھا۔ اس وقت تک اِکّا دُکّا مفکر جنگ کی آفات کو تلنے نکلا تھا لیکن ہر جنگ دائمی امن کے لئے تجاویز کے ایک طویل سلسلے کو جنم دیا۔ ۱۸۱۵ء وہ پہلا خوش قسمت سال تھا جس میں قیام امن کے لئے عملی طور پر کوشش کی گئی۔ جسکے نتیجے میں روس، جرمنی اور اسٹریلیا نے ایک اتحاد پر دستخط کئے۔ اس اتحاد کے لئے جو دستاویزات تحریر کی گئیں اس میں تینوں ملکوں نے یہ عہد کیا کہ مذہبی نقطۂ نظر سے ایک حقیقی اخوت اور امن کے ماحول میں تینوں مملکتیں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرینگی اور امن و امان قائم رکھنے میں ایک دوسرے کا ساتھ دینگی۔ چند سالوں تک یہ معاہدہ مؤثر رہا۔ لیکن ۱۸۴۸ء کے انقلاب نے اسے بالکل ختم کردیا۔ اس معاہدے کے خاتمے کے بعد بھی یہ مملکتیں وقتاً فوقتاً اپنے مفادات کے پیش نظر اکٹھی بیٹھتی رہیں اور اپنے مسائل کے حل ڈھونڈتی رہیں لیکن کوئی بین الاقوامی تنظیم قائم نہ ہوسکی۔ سیاسی مفادات ایک مستحکم تنظیم کے راستے میں رکاوٹ بنے رہے۔ لیکن اس کے باوجود دنیا کے بیشتر ممالک اپنی معاشی ترقی کے

لئے ایک دوسرے سے تعاون کرنے پر مجبور تھے۔ وسیع مادی ترقی کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ انیسویں صدی میں اقوام اور حکومتوں کے مابین تعلقات میں خاصی بہتری ہوئی۔ آہستہ آہستہ یہ احساس جڑ پکڑنے لگا کہ اگر ہر حکومت اپنے مفاد کو مقدم سمجھتی رہی تو نہ صرف اسکا مفاد مجروح ہوگا بلکہ اس سے بین الاقوامی امن بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ اس لئے امن وامان قائم رکھنے کے لیے ایسے اداروں کا قیام ناگزیر ہے جہاں ان مسائل پر بحث کر کے انہیں بین الاقوامی سطح پر طے کیا جا سکے۔ اس احساس کے نتیجے میں بین الاقوامی تنظیموں کی ایک خاص تعداد ارتقاء پذیر ہوئی مثلاً ڈینوب کمیشن، بین الاقوامی ادارہ انسٹی ٹیوٹ وغیرہ لیکن ان تنظیموں کا کوئی سیاسی رنگ نہ تھا۔ اس لئے سیاسی معاملات میں جو امن وامان بگاڑنے کے ذمہ دار ہوئے ہیں کوئی خاص کارکردگی نہ رہی۔ ان تنظیموں نے صرف بین الاقوامی سطح پر باہمی مفادات حاصل کرنے کا کام سرانجام دیا۔

پہلی جنگِ عظیم میں جو قتل وغارت گری ہوئی اس نے امن قائم رکھنے کے لیے ایک بین الاقوامی تنظیم کی افادیت کو مزید استحکام بخشا۔ نتیجتاً ۱۹۱۹ء میں "مجلس اقوام" یعنی لیگ آف نیشنز وجود میں آئی، لیکن صرف دو عشروں میں ہی اسکی ناکامی ظاہر ہونے لگی۔ اس تنظیم کی ناکامی کا سب سے خطرناک اظہار دوسری جنگِ عظیم کی صورت میں ہوا۔ اسمیں وہ تمام بڑے بڑے ممالک کود پڑے جنہوں نے امن قائم رکھنے کے لئے مجلسِ اقوام کی بنیاد رکھی تھی اور اس کے چارٹر پر دستخط کئے تھے۔

دوسری جنگِ عظیم کی ہولناک تباہ کاریوں نے دنیا کے تمام انسانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اب ایک ایسے عالمی ادارے کی ضرورت پیش آئی جو تشکیلی طور پر اتنا مؤثر و مضبوط ہو کہ عالمی امن اور تعاون کو عملی جامہ پہنا سکے۔ جسکے وجود کی بنیاد مساوات پر ہو اور کسی ملک یا بڑی طاقت کی اجارہ داری نہ ہو اور تمام اقوام کے حقوق برابر ملنے جائیں۔ اس احساس نے اقوام متحدہ کی تشکیل کی۔ دوسری جنگِ عظیم میں جرمنی کی شکست کے بعد ۵۰ ممالک نے ابتدائی طور پر سان فرانسسکو میں "اقوام متحدہ" کے چارٹر پر دستخط کی۔ قیام امن کے لئے اقوام متحدہ سب سے بڑا ادارہ ہے اور اسکے ممبر ممالک کی تعداد ۵۹ ہے۔ ہر آزاد ہونے والا ملک اس کا ممبر بنتا ہے۔

لیکن کیا اقوام متحدہ کے قیام سے امن برقرار رکھنے کے مقاصد حاصل ہو گئے اور چھوٹی طاقتیں بڑی طاقتوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہو گئیں۔ اسکا جواب "ہاں" میں ہوتا۔ اگر غیر جانبدار تحریک وجود میں نہ آتی۔ اقوام متحدہ سے انصاف میں ناکامی کے بعد پچاس کے عشروں میں "غیر جانب دار تحریک کی بنیاد ڈالی۔ اس تحریک کے روح رواں میں ہندوستان کے جواہر لعل نہرو۔ مصر کے جمال عبد الناصر، انڈونیشیا کے سوئیکارنو، یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو اور گھانا کے اینکرومہ تھے۔ اس تحریک میں

زیادہ تر تیسری دنیا کے ممالک شامل ہے۔ اس تحریک کے ممبروں کی تعداد ابتک ۱۰۱ ہے۔

اقوام متحدہ کے قیام کے بعد مجلس اقوام کا خاتمہ ہو گیا۔ اب صرف دو ادارے عالمی طور پر موجود ہیں جوکہ قیام امن کے ذمہ دار ہیں۔ یعنی اقوام متحدہ اور غیر جانبدار دار تحریک اسکے علاوہ بھی مختلف مواقع پر مختلف ممالک کے چھوٹے چھوٹے اتحاد اسی مقصد کے لئے وجود میں آتے رہے۔ مثلاً ۱۹۴۹ء میں "ناٹو" جسمیں امریکہ، برطانیہ، فرانس، ڈنمارک، یونان وغیرہ شامل تھے۔ ۱۹۵۰ء میں معاہدہ وارسا جس میں روس، مشرقی جرمنی، چیکوسلواکیہ، رومانیہ وغیرہ شامل تھے۔ ۱۹۵۴ء میں "سیٹو" جسمیں اسٹریلیا، پاکستان، فرانس، برطانیہ وغیرہ تھے۔ ۱۹۵۵ء میں "سینٹو" جس میں امریکہ، برطانیہ پاکستان، عراق اور ایران شامل ہیں۔ ان تمام اداروں کا مقصد بنیادی طور پر دوسرے ممالک یا ملک کی جارحیت سے اپنے آپکو بچانا ہے۔

قیام امن کے لئے عالمی اداروں کی کوششیں

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد مجلس اقوام یعنی League of Nations اور دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ (United Nation) وجود میں آئے۔ مجلس اقوام کے چارٹر کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ اعلیٰ متعاہدین بین الاقوامی تعاون و اتحاد عمل کی ترقی اور بین الاقوامی امن و سلامتی کی برقراری کے حصول کے لئے جنگ کا ذریعہ اختیار نہ کرنے کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کی ابتداء تقریباً انہی الفاظ سے ہوتی ہے کہ "ہم اقوام متحدہ میں شامل قوموں نے تہیہ کیا ہے کہ آنے والی نسلوں کو جنگ کے عذاب سے بچائیں جس نے خود ہماری زندگی میں دوبارہ نوع انسانی کو بے شمار تکالیف پہنچائی ہیں۔" اسی چارٹر کی دفعہ نمبر1 میں درج ہے کہ "بین الاقوامی امن کو لاحق خطروں کی روک تھام اور تدارک کے لئے اور جارحانہ اور دوسرے امن شکن اقدامات کے انسداد کے لئے اور پرامن ذریعے سے انصاف اور بین الاقوامی قانون کے اصولوں کے مطابق اپنے بین الاقوامی تنازعات اور دوسرے معاملات کو سلجھانے کے لئے یا تصفیہ کرنے کے لئے جن سے امن میں خلل کا اندیشہ ہو۔ مؤثر اجتماعی تدابیر اختیار کرنا۔" اسی طرح غیر جانب دار تحریک کے اصولوں میں سے ایک اندرونی معاملات میں عدم مداخلت اور دوسرے پرامن بقائے باہمی ہے۔ امن کے حصول کے لئے ان خوبصورت الفاظ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان اداروں نے کیا کوششیں کی ہیں۔ پہلے ذرا ایک نظر اس کو دیکھ لیتے ہیں۔

۱۹۲۳ء میں اطالوی آمر سولینی کی افواج نے ایک یونانی جزیرے پر قبضہ کر لیا تھا۔ جسے مجلس اقوام کے فیصلے کے بعد اپنی افواج واپس بلانا پڑیں۔ برطانیہ کا "موصل" کے علاقے میں سرحدوں کی حدبندی کے مسئلے پر ترکی کے ساتھ کھنچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ برطانیہ نے مجلس اقوام کی کونسل سے اپیل کی تاکہ یہ جھگڑا مزید طول نہ پکڑ سکے۔ کونسل نے فریقین کے درمیان سمجھوتا کرا دیا اور

دونوں فریق ۵ جون ۱۹۲۶ء کو ایک معاہدے کے تحت ایک سرحدی خطہ کھینچنے پر متفق ہو گئے۔ ۱۹۳۱ء میں جاپان نے چین کے صوبے منچوریا پر حملے کے خلاف قراردادِ مذمت پاس کی۔ دسمبر ۱۹۳۴ء میں ول ول کے مقام پر اٹلی اور ایتھوپیا میں جنگ ہوئی۔ دونوں ملکوں نے ایک دوسرے پر حملہ کر دیا آخر کار اپنے جھگڑے کے فیصلے کے لئے دونوں ملکوں نے مجلس اقوام سے رجوع کیا اور معاملہ ثالثی کے سپرد کر دیا۔ ۱۹۶۴ء میں قبرص میں یونان اور ترک قبرصیوں کے مابین بڑے پیمانے پر ہونے والی لڑائی کو رکوایا۔ ۲۷ مارچ ۱۹۶۴ء سے وہاں باقاعدہ امن فوج مقرر کی۔

ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ سلامتی کونسل کی اپیل کے تین دن بعد رکی۔ بلجیم کی ایک سابق نوآبادی "کانگو" میں آزادی کے بعد بدنظمی پھیل گئی۔ بلجیم نے اپنے فوجی دستے وہاں بھیجے۔ حکومتِ کانگو نے اقوام متحدہ سے فوجی امداد مانگی تاکہ جارحانہ اقدامات کے خلاف مناسب کارروائی کی جا سکے۔ چنانچہ اقوام متحدہ نے وہاں اپنے فوجی دستوں کو بھیج کر کانگو کو بیرونی جارحیت سے آزاد کیا۔ انڈونیشیا کی آزادی کے بعد "ینوگنی" کے مسئلے پر ہالینڈ سے لڑائی چھڑی۔ اقوام متحدہ کے قائم مقام سیکرٹری جنرل اوتھانٹ نے دونوں ملکوں سے استدعا کی کہ وہ مصالحت کے پُرامن طریقے اختیار کریں۔ چنانچہ اگست ۱۹۶۲ء میں اقوام متحدہ کے صدر مقام پر دونوں قوموں نے ایک معاہدے پر دستخط کئے اور لڑائی روک دی۔ ۱۹۷۳ء میں عرب اسرائیل جنگ بھی سلامتی کونسل کی اپیل پر ختم ہوئی۔ ۱۹۸۴ء میں عالمی عدالت انصاف نے امریکہ کو نکاراگوا میں جارحیت کا مرتکب قرار دیا۔

لیکن کیا ان کامیابیوں کے بعد دنیا جنگ سے محفوظ ہو گئی۔ کیا یہاں امن وامان قائم ہو گیا؟ ذرا ایک نظر اس رخ کو بھی دیکھ لیتے ہیں اور یقیناً یہ نظر زیادہ طویل ہو گی کہ معاملہ ہی ایسا ہے۔ پہلی جنگِ عظیم میں ۱۵ ممالک نے حصہ لیا جس میں اسوقت کی بڑی طاقتیں بھی شامل تھیں۔ پانچ سال کی اس جنگ میں ۸۵ لاکھ ۳۵ ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ جبکہ زخمی ہونے والوں کی تعداد کروڑوں میں تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے فاتحین نے اپنے مفتوح ممالک یعنی آسٹریا، ہنگری، ترکی، جرمنی کے حصے بخرے کر دیئے اور اسی ناانصافی نے پہلی جنگِ عظیم کے خاتمے کے ساتھ ہی دوسری جنگِ عظیم کی بنیاد رکھ دی۔ ۱۹۳۱ء میں جاپان نے شمالی چین کے صوبے منچوریا پر قبضہ کر لیا۔ مجلسِ اقوام وہاں سے قبضہ ختم کراتے کیلئے کچھ نہ کر سکی۔ ۱۹۳۵ء میں اٹلی نے حبشہ پر قبضہ کر لیا اور مجلس اقوام اُسے حسرت سے قابض ہوتے دیکھتی رہی حالانکہ اس کی دفعہ ۸ میں درج تھا کہ "بین الاقوامی ذمہ داریوں کی تکمیل کے لئے مشترکہ کارروائیوں کا ذریعہ اختیار کیا جائے۔ لیکن یہ دفعہ بھی دفاع فراہم نہ کر سکی۔ دوسری جنگِ عظیم مجلسِ اقوام کی ناکامی کی

نہ تھی - یہ جنگ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو شروع ہوئی اور اگست ۱۹۴۵ء کو تقریباً چھ سال کی مدت کے بعد ختم ہوئی۔ اس جنگ میں مجموعی طور پر ۲۷ ممالک نے شرکت کی۔ ایک کروڑ ۴۹ لاکھ ۴۲ ہزار ۸ سو افراد ہلاک ہوئے اور برسر جنگ ممالک کی ۲۰ فیصد قومی آمدنی اسمیں جھونک دی گئی۔ اس جنگ میں ایٹم بم کے استعمال نے پہلی مرتبہ انسان کو جوہر کی تباہ کاری سے آگاہ کیا اور یہی تباہ کاری ہے جس نے تیسری عالمی جنگ کو شروع ہونے سے روکا ہوا ہے۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران ہی اقوام متحدہ کا قیام عمل میں آیا اور اس کا بڑا مقصد جیسا کہ اسکے چارٹر سے ظاہر ہے۔ امن و امان کا قیام تھا۔ لیکن کیا ہوا؟ فرانس جو کہ اقوام متحدہ کے پانچ بڑوں میں سے ایک ہے۔ اس سے آزادی حاصل کرنے کے لئے ویت نامی ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۴ء تک لڑتے رہے جسمیں تقریباً چھ لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔ کولمبیا میں ۱۹۴۹ء سے ۱۹۶۲ء تک برل اور کنزرویٹو پارٹی کا آپس میں تشدد ہوتا رہا جسمیں تقریباً تین لاکھ افراد مارے گئے۔ اس طرح ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۰ء تک تک کیمرون اپنی آزادی کے لئے فرانس و برطانیہ سے ..... جو کہ اقوام متحدہ کے ابتدائی ارکان میں سے ہیں اور جنہوں نے امن کے معاہدے پر دستخط کیے تھے...... لڑتا رہا اور بیس ہزار افراد کی قربانی دی ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۰ء تک برطانیہ سے کینیا لڑتا رہا جسمیں پندرہ ہزار افراد مارے گئے۔ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۵ء تک ہند چینی میں جنگ ہوتی رہی۔ امریکہ، روس، چین واضح طور پر اس میں ملوث رہے۔ اس پندرہ سالہ جنگ میں ساڑھے تیرہ ہزار افراد لقمۂ اجل ہوئے۔ الجزائر میں فرانس سے آزادی کے لئے ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۲ء تک مقابلہ ہوتا رہا۔ جسمیں سوا تین لاکھ افراد نے جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ ۱۹۶۵ء میں پاکستان اور بھارت میں جنگ ہوئی تقریباً بیس ہزار افراد قربان ہوئے۔ ۱۹۷۵ء میں لبنان میں خانہ جنگی ہوئی اور تقریباً ایک لاکھ افراد ختم ہوئے۔ لبنان میں قتل و غارت گری کا سلسلہ ابتک جاری ہے۔ کبھی فلسطینیوں اور فلانجسٹوں میں گولا باری کبھی شعبہ ملیشیا سے جھڑپ اور کبھی اسرائیل کا لبنانیوں پر حملہ اور قتل و غارت گری۔ لبنان میں اقوام متحدہ کی امن فوج کی موجودگی کے باوجود کشت و خون کا یہ سلسلہ جاری ہے اور قیامِ امن کی کوششوں کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ۱۹۶۹ء میں ہنڈراس اور السلواڈور کے درمیان جنگ ہوئی جسمیں دو ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا مشرق پاکستان میں پاکستان کے حامیوں کا وہ قتل عام ہوا کہ لوگ امن و سلامتی کے معنی و مفہوم بھول گئے سلامتی کونسل اتنی بے بس تھی کہ اپنا اجلاس نہ بلا سکی۔ تقریباً پندرہ لاکھ افراد کام آئے۔ مہینوں پاکستان کے حامیوں کو تلاش کر کے قتل کیا جاتا رہا۔ ۱۹۷۵ء میں مغربی صحارا میں مراکش پسار ولو چھاپہ

ماروں میں جنگ ہوئی اسمیں تقریباً ۱۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے، ۱۹۷۸ء میں یوگنڈا اور تنزانیہ میں جنگ ہوئی۔ ۱۹۸۰ء سے ایران اور عراق برسرِ جنگ ہیں جسمیں ابتک پانچ لاکھ افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ اقوامِ متحدہ اور غیر جانبدار تحریک دونوں ہی صرف اپیلیں کر کے بیٹھ رہے ہیں۔ روس نے ۱۹۷۹ء میں افغانستان پر حملہ کیا۔ وہاں کے مقامی باشندوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور تب سے وہ جنگ جاری ہے۔ ابتک گیارہ لاکھ افراد ہلاک ہو چکے ہیں اور ۴۰ لاکھ کے قریب بے گھر ہو گئے ہیں۔ اقوامِ متحدہ صرف قرار دادِ مذمت پاس کر سکی ہے اور غیر ملکی فوجیں وہاں سے نکلوانے کی قرار داد منظور کروا سکی ہے۔ اسی طرح غیر جانبدار تحریک بمشکل روس کے خلاف قرار داد مذمت پاس کرا سکی ہے۔ کیونکہ اس میں شامل کئی ممالک روس کے ہمنوا ہیں۔ اقوامِ متحدہ کو مسلح قوّت کے استعمال کا اختیار ہے اور دیگر پابندیاں لگوانے کا بھی لیکن افغانستان کے معاملے میں اس پر بھی عمل درآمد کرنے کے لئے کوشش نہیں کی جارہی۔ یہ دو یا دو سے زیادہ ممالک کی آپس میں مقابلے کی کیفیت رہی آپس کی خانہ جنگی اسکے علاوہ ہے جس میں لاکھوں افراد ہلاک ہوئے۔ مثلاً ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۸ء تک یوگنڈا میں خانہ جنگی ہوتی رہی جسمیں لاکھوں افراد مارے گئے۔ یوگنڈا ہی میں ۱۹۸۱ء سے اب تک قتل ہوتا رہا۔ جسمیں تقریباً ڈھائی لاکھ افراد ختم ہو چکے ہیں۔ کمبوچیا میں پول پاٹ کی حکومت نے ویت نام کے ساتھ مل کر ابتک تیس لاکھ افراد کو قتل کر چکی ہے۔ ہزاروں افراد کو سمندر کی موجوں کی نظر کر دیا ۱۹۶۱ء میں عراق میں خانہ جنگی ہوئی اور تقریباً ایک لاکھ افراد قتل ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں السلواڈور اور ۱۹۸۲ء چھاپہ ماروں میں لڑائی ہوئی نتیجۃً پچیس ہزار افراد کام آئے۔ نکاراگوا میں اب تک خانہ جنگی جاری ہے جسمیں تقریباً ایک لاکھ افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ بھارت میں ہندو مسلم اور ہندو سکھ فسادات میں ہزاروں افراد مارے جا چکے ہیں۔ لیکن عالمی ادارے کو آج بھی توفیق نہ ہوئی کہ اس کے لیے قرار داد مذمت ہی پاس کر سکے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۸۲ء کی خلیج سدرہ میں امریکہ اور لیبیا کے درمیان تصادم ہوا۔ پھر امریکہ نے کرنل قذافی کو ہلاک کرنے کے لیے لیبیا پر حملہ کیا مگر اقوامِ متحدہ نے یہ تک نہ پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ غرض کہ اقوامِ متحدہ کے قیام اور غیر جانبدار تحریک کی تاسیس کے بعد سے کوئی دن ایسا نہیں گیا جب دنیا کے کسی نہ کسی حصّے میں مسلح جدوجہد نہ ہوئی اور جسکے نتیجے میں امن و سکون درہم برہم نہ ہوا ہو۔ یہ تو تھا جنگوں اور خانہ جنگیوں کا معاملہ..... اب ذرا دیکھیں کہ امن کے سلسلے میں تخفیف اسلحہ، جوہری، ——— ، کیمیائی ہتھیاروں وغیرہ پر پابندی اور اسلحہ کی دوڑ ختم کرنے کی درخواست اور اس سلسلے میں عالمی اداروں کے قوانین کا کیا حشر ہوا۔

تخفیف اسلحہ کی تجویز رسمی طور پر سب سے پہلے ۱۸۹۸ء میں زار روس کی جانب سے پیش کی گئی اور ۱۹۰۹ء میں "ہیگ" میں پہلی مرتبہ تخفیف اسلحہ کانفرنس ہوئی۔ جمیعت اقوام کا جب دستور بنا تو اسکی دفعہ نمبر ۸ میں کہا گیا کہ "امن کو برقرار رکھنے کیلئے تخفیف اسلحہ ضروری ہے" لیکن اسکا مطلب یہ لیا گیا کہ قومی اسلحہ بندی میں اتنی ممکنہ کمی کی جائے کہ جو قومی حفاظت کے تقاضے کے مطابق ہو اور چونکہ ہتھیاروں کے بغیر نوآبادیاتی نظام کی حفاظت ناممکن تھی اسلیئے تخفیف اسلحہ ایک خالی خولی اصطلاح بن گئی۔ دوسری جنگ عظیم میں ایٹم بم کی تباہ کاری نے اقوام عالم کو جھنجوڑ کر رکھا دیا۔ جوہری ہتھیاروں پر پابندی کی قرار داد پاس کی گئی لیکن ۱۹۵۲ء میں برطانیہ نے ایٹم بم کا دھماکہ کیا بھارت نے ۱۹۷۴ء میں کیا نہ کوئی پابندی، نہ سختی نہ کچھ اور ...... ۱۹۶۱ء میں اقوام متحدہ نے روس اور امریکہ سمیت ۱۸ ممالک پر مشتمل تخفیف اسلحہ کمیٹی بنائی۔ لیکن اسلحہ کی دوڑ روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ سالٹ 1 معاہدہ کے وقت روس کے پاس ایک ہزار (ICBMs) International Ballistic Missiles تھے جو کہ ۱۹۷۰ء میں بڑھ کر ۱۶۱۸ ہو گئے۔ امریکہ نے M-x میزائیل بنایا تو روس نے اسکے جواب میں ۱۸-SS میزائیل جو کہ اس سے زیادہ طاقت ور تھا بنا دیا۔ امریکہ نے ۷۶-۱۹۷۰ء تک مشرق بعید کے ممالک کو بارہ ہزار تین سو تین ملین ڈالر کا اسلحہ فروخت کیا۔ تھائی لینڈ نے ۸۰ - ۱۹۷۹ء میں امریکہ سے تین ملین ڈالر کا اسلحہ خریدا ۱۹۷۹ء میں ملیشیا نے اپنی فضائیہ کو جدید بنانے کے لیئے الف ۵ ای "ٹائیگر لڑاکا خریدے۔ اسی طرح ۱۹۸۵ میں پاکستان کو الیف ۱۶ طیارے فروخت کئے گئے۔ جولائی ۱۹۶۳ء میں روس، امریکہ اور برطانیہ ایک ایسے معاہدے پر متفق ہوئے جو فضا بیرونی خلاء اور پانی کے اندر جوہری ہتھیاروں کی آزمائش سے متعلق تھا۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں ایک سو سے زیادہ ممالک نے اس معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ اس معاہدے کی دفعہ ایک جو سب سے اہم تھی کہ" اس معاہدے کے فریقین میں سے ہر ایک کو یہ ذمہ داری لینی پڑتی ہے کہ وہ ہر مقام پر جو اسکے دائرہ اختیار یا تحویل میں ہو، ہر قسم کے جوہری ہتھیار آزمائشی دھماکے یا کسی اور قسم کے جوہری دھماکے کو روک دے۔ ممنوع قرار دے گا اور عمل میں نہیں لائے گا۔ لیکن جوہری ہتھیاروں میں کمی تو دور کی بات اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ قسم قسم کے ہتھیار بننے لگے۔ امریکہ کے پاس تقریباً ۱۰۱۷۴ ایٹمی ہتھیار ہیں جنکی طاقت تین ہزار چھ سو پچیس میگا ٹن ہے۔ اسی طرح روس کے پاس نو ہزار نو سو ساسی ایٹمی ہتھیار ہیں۔ جن کی طاقت پانچ ہزار آٹھ سو سنتیس میگا ٹن ہے۔ اسرائیل، امریکہ اور فرانس کے تعاون سے ایٹمی کلب میں شامل ہو چکا ہے ایک اندازے کے مطابق اس کے پاس تقریباً ۲۰۰ ایٹمی ہتھیار ہیں اس کے علاوہ تقریباً

چالیس ممالک ایسے ہیں جو ایٹم بم بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں - تو یہ حشر ہوا جوہری ہتھیاروں کی ممانعت کا! جوہری ٹسٹ کم کرنے کا معاہدہ اکتوبر ۱۹۶۳ء ہوا جس کے مطابق ۱۵۰ کلوٹن سے زیادہ کا دھماکہ نہیں کیا جا سکتا لیکن امریکہ نے ۱۹۷۱ء میں پانچ ہزار کلوٹن کا دھماکہ کیا اور اسکا کچھ نہیں بگڑا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے ابتک چار ہزار بلین ڈالر ایٹمی ہتھیاروں پر خرچ کیے جا چکے ہیں - اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق اسلحہ میں تخفیف کیا ہوتی، اسلحہ سازی کی دوڑ میں مزید اضافہ ہو گیا۔ "لیزر بیم" کی ایجاد نے انسان کو جنگ سے مزید قریب اور امن سے دور کر دیا۔ "لیزر بیم" کا طریقہ یورنیم کی افزودگی کا سب سے سستا طریقہ ہے۔ مارچ ۸۳ء میں امریکہ نے Stratagic Defence Initive پروگرام کا اعلان کیا۔ اسکے تحت لیزر ہتھیار، جوہری ہتھیاروں کو فضا ہی میں تباہ کر دینگے پھر وہ تباہی و بربادی پھیلائیں گے جو کہ جوہری ہتھیار سے بھی نہ ہو سکے گی۔ اس پروگرام پر امریکہ کتنی تندہی سے عمل کر رہا ہے کہ اس سال یعنی ۱۹۸۶ء کا اسکا بجٹ پورے ملک کی سائنس و ٹیکنالوجی اور انجینئرنگ کے بجٹ سے زیادہ ہے۔ اقوام متحدہ کی تخفیف اسلحہ کمیٹی کے تحت ایک معاہدے پر جس پر بڑی بڑی طاقتوں نے بھی دستخط کئے تھے یہ تھا کہ "فضا میں اسکی حدود سے باہر جس میں بیرونی خلا بھی شامل ہے ہتھیار سے پاک رکھیں گے لیکن اس شق کی گت ممبر ممالک نے کس طرح بنائی کہ امریکہ نے "اسٹار وار پروگرام" کا اعلان کیا ۸۶ میں اس پروگرام کو مزید تیز کرنے کا اعلان کیا اور اسکے لیے پنٹا گون کو ۲ء۷۵ بلین ڈالر دیے امریکہ ہی کے بقول روس ۱۹۶۴ء سے "اسٹار وار پروگرام" پر کام کر رہا ہے اور اس کا PKO کا نام دیا ہے۔ اسکے علاوہ فرانس، برطانیہ کے بھی جنگی اسٹیشن بھی فضا میں قائم ہیں۔ ۸۵ء میں پوری دنیا کا دفاعی بجٹ ۱۲ء۹۶۶ بلین ڈالر تھا جس میں ۴۹٪ حصہ ناٹو ممالک کا تھا۔ برطانیہ نیوکلیر ٹسٹ ہیز ائل پر تحقیق کر رہا ہے۔ جرمنی لیزر سسٹم پر تحقیق کر رہا ہے کہ یہ کم سے کم اونچائی پر اڑنے والے ہزار کلومیٹر اسپیڈ کے جہاز کو تباہ کر دے گا اور اقوام متحدہ کے ذمہ داران کا رویہ امن کے سلسلے میں یہ کہ کمیٹی برائے امن ۱۹۶۵ء سے لیکر ۱۹۷۵ء تک جنرل اسمبلی کو کوئی قابلِ عمل تجویز امن کے لئے نہیں دے سکی صرف ۱۹۷۴ء میں اسکی کمیٹی کا اجلاس سولہ مرتبہ ہوا - غرض پوری دنیا میں کھنچاؤ اور تناؤ ہے۔ جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ کسی وقت بھی آگ پورے زوروں سے بھڑک سکتی ہے اور اگر جنگ کی آگ بھڑکی تو پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر رہے گی - سچ کہا ہے کسی نے کہ ایک اور عالمی جنگ سے صرف اس لیے ابھی تک بچے ہوئے ہیں کہ جنگی تیاریوں نے جنگ کو اتنا خوفناک بنا دیا ہے کہ جنگ مشکل ہے نہ کہ "امن" کے لئے مساعی ہو رہی ہے۔

امن اور اسلام

اسلام کے تصورات جہاں دیگر معاملات مثلاً جنگ، صلح، معاشرت، معیشت وغیرہ میں دوسروں کے تصورات سے مختلف ہیں وہاں اسکا امن کا تصوّر بھی دیگر نظریات اور اداروں کے تصوراتِ امن سے مختلف ہے۔ لیکن اس تصور میں فرق کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام کا تصور امن ناقابل عمل ہے یا کسی مافوق الفطری مخلوق کے لیے ہے۔ امن کا تصوّر تو اسلام کی بنیاد میں موجود ہے۔ اسلام کی اساس جن بنیادی اعتقادات پر قائم ہے انکا مجموعی نام ہی "ایمان" ہے جسکا مادہ "امن" ہے اور اسکا حاصل وہ سکون و اطمینان ہے جو اسکی بدولت نفسِ انسانی میں پیدا ہوتا ہے۔

تصوّرِ امن

اسلام کائنات، زندگی اور انسان کے بارے میں ایک خاص نقطۂ نظر رکھتا ہے اور اسلام کے اس تصوّر کے تمام اجزاء باہم مربوط و منسلک ہیں۔ یہ انسانی زندگی کے مسائل کو ایک دوسرے سے الگ کرکے انکا علاج تجویز نہیں کرتا۔ وہ سب کو ایک مرکزی نقطے پر لاتا ہے اور انھیں ایک جامع محور کے گرد گھماتا ہے۔ اسکے نزدیک پورے عالم انسانی کی اصل اکائی فرد ہے۔ عالمی امن کے قیام میں اصل فیصلہ کن عامل افرادِ نسل انسانی کا انفرادی سکون و اطمینان ہے۔ اس لیے وہ تصادم کے اسباب کی نفی کرتا ہے۔ قرآن کے بقول اگر وحدتِ الٰہی نہ ہوتی تو کائنات میں فساد برپا ہوتا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ (الانبیاء ۲۲)

(اگر زمین و آسمان میں ایک اللہ کے سوا دوسرے خدا بھی ہوتے تو دونوں کا نظام بگڑ جاتا)

اس طرح اسکا دوسرا نقطۂ اشتراک "وحدتِ انسانیت" ہے۔ یعنی تمام عالم انسانیت ایک ہی صلب سے پیدا ہوئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى (الحجرات ۱۳)

(لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا)

پہلی کا تقاضا تقویٰ ہے اور دوسری کا تقاضا رحمی تعلق کا لحاظ رکھنا ہے۔ اسلام امن کو ایک وحدت قرار دیتا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اسے برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور زندگی

اور انسان کے بارے میں اپنے جامع نظریے کے ساتھ اسے مربوط کر دیتا ہے۔

امن کے سلسلے میں احکامات

اسلام امن کے سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت فرد کی انفرادی ذات کو دیتا ہے۔ اسکے نزدیک اگر فرد کی اپنی ذات میں سکون و اطمینان ہوگیا تو معاشرہ میں امن و سکون رہے گا۔ نیتجتاً ملک میں اور پھر عالم میں امن و سکون ہوگا۔ اسلئے وہ ابتداء ہی سے مال کی محبت، اولاد کی محبت، منفی خواہشات کی تسکین کی نفی کرتا ہے اور انہیں آزمائش قرار دیتا ہے جو امن و امان کی بربادی کی ذمہ دار ہوتے ہیں اسلام ان اسباب کو جو نفس انسانی میں غیظ و غضب پیدا کرتے ہیں۔ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کی پھوار سے ٹھنڈا کرتا ہے۔ نفسی انسانی میں غیظ و غضب عام طور پر تین وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اوّل خود نفسیاتی شعور و ادراک دوم بعض کے منشاء و مصلحتوں کے تصادم سے اور سوم مسلک و رویوں کے اختلاف سے اسلام اسکے مقابلے کیلئے اور اس کمزوری کو ختم کرنے کے لئے فیاضی، نرم مزاجی اور خندہ روئی کا حکم دیتا ہے۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (آل عمران ۱۳۴)

(جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں ایسے لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں)

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوریٰ ۴۳)

(البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے)

اسلام برائی کا مقابلہ نیکی سے کرنے کی ترغیب دیتا ہے)

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ (حم سجدہ ۳۴)

(تم بدی کو نیکی سے دفاع کرو جو بہترین ہو تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جسکی عداوت پڑی تھی جو جگری دوست بن گیا)

اسطرح اسلام امن پر پڑنے والے چھوٹے موٹے دھبوں کو معاف کر دینے اور بہترین عمل کرنے" کے قاعدے کے ذریعے دھو ڈالتا ہے۔

اسلام کی نظر میں سب سے زیادہ شدید اور قابل نفرت فعل کسی انسانی جان کا قتل اور زمین میں فتنہ و فساد برپا کرنا ہے۔ قرآن مجید نے اپنے ارشادات میں فساد فی الارض کو مکروہ ترین فعل قرار دیا ہے۔ اس لئے جو لوگ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور امن و سکون کو تباہ کرتے ہیں۔ انکے لئے نہایت سخت سزا مقرر کی ہے۔ وہ سزا جلاوطنی، ہاتھ پاؤں کاٹنا، قصاص وغیرہ جیسی ہیں۔ اسلام کی نظر میں ایک

انسان کا قتل قصاص یا فساد کے سوا، ساری انسانیت کا قتل ہے۔

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ط (المائدہ ۳۲)

(اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ "جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی)

ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط (انعام ۱۰۱)

(کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے سوائے حق کے)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا ہے اور قتلِ نفس اور والدین کی نافرمانی اور جھوٹ بولنا ہے۔

ابن عمرؓ سے ایک اور حدیث روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومن اپنے دین کی وسعت میں اسوقت تک برابر رہتا ہے جب تک وہ کسی حرام خون کو نہیں بہاتا۔

اسلام انسانی جان کی حرمت کے معاملے میں اس انتہا تک جاتا ہے کہ وہ مسلم و غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں کرتا۔

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ز (النساء ۹۲)

(اور اگر وہ (مقتول) کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا، اور مومن غلام کو آزاد کرنا ہو گا پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھے)

امن میں خلل ڈالنے والی ایک اور چیز "فساد" ہے جسکی تشریح اوپر کی جا چکی ہے۔ وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ زمین میں فساد کیا جائے جبکہ اسکی اصلاح ہو چکی ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الاعراف ۵۶)

(اور زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اصلاح ہو چکی ہو)

اسلام کی نظر میں "فتنہ" قتل سے بھی زیادہ شدید جرم ہے۔

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ (البقرہ ۱۹۱)

(اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ شدید ہے)

یہ اس وجہ سے کہ اسکی نظر میں فتنہ بھی امن میں خلل ڈالنے والی وجہ ہے۔ فتنہ کسی بھی معاشرے یا ملک یا عالم میں اپنے ذاتی مفاد کے لئے قتل وخون، بغیر حق کے لئے جنگ اور جبر واستبداد کے ساتھ حق کو دباتا ہے۔ اسلئے فتنہ وفساد پھیلانے والوں کو وہ کسی بھی صورت میں معاف نہیں کرتا ہے سوائے اس کے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۞ (البقرہ ۱۹۳)

(تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا کسی پر دست درازی روا نہیں)

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ (المائدہ ۳۳)

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لئے تگ و دو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دیئے جائیں۔ یہ ذلت و رسوائی تو ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے اس سے بڑی سزا ہے)

اسلام کی روح میں انسانی فیاضی پائی جاتی ہے۔ وسیع النظرفی اور رواداری کی یہ روح اسے زمین میں امن وسلامتی قائم کرنے کا موقع دیتی ہے۔ مختلف جنسوں، رنگوں، مذہبوں کو جوڑنے اور بنی نوع انسان میں فیاضی، محبت، باہمی الفت اور رحم پھیلانے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ اسلام ابتداء ہی سے ان بڑے بڑے اسباب کی نفی کرتا ہے جو زمین پر جنگ وجدال کو ابھارتے ہیں اور امن وسلامتی کو برباد کرتے ہیں۔ نسلی تعصب جس نے موجودہ صدی میں دو عالمی جنگیں دیکھی گئیں۔ اس کو روکتا ہے۔ تمام انسانوں کی اصل کو ایک قرار دیتا ہے۔ پرہیزگاری کو وجہ عزت بتاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات ۱۳)

(اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبائل میں تقسیم کیا تعارف کے لیے بیشک اللہ کے نزدیک عزت والا پرہیزگار شخص ہے)

اسکے نزدیک ایسی دینی عصبیت کی کوئی گنجائش نہیں جسکا مطلب دوسرے ادیان سے نفرت کرنا اور اسکے اصول و مبادی کو جانے بغیر محض اسکی ذات سے انکار کر دینا ہوتا ہے۔ قرآن واضح طور پر کہتا ہے۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔ (آل عمران) ـــ (دین میں کوئی جبر نہیں)

اسلام ان جنگوں کا بھی مخالف ہے جن کا مقصد ذاتی و قومی لالچ اور مادی منافع پر ہوتا ہے۔ وہ انہیں ان جنگوں سے بھی روکتا ہے جنہیں سربراہوں اور قومی ہیروؤں کی جھوٹی محبت پیدا کرتی ہے یا شخصی غنیمتوں یا سربراہی حقوق کی محبت ابھارتی ہے۔ ایسی جنگوں کو وہ جاہلیت کی جنگ قرار دیتا ہے اور موت کو حرام موت۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایات ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا " لڑائیاں دو قسم کی ہیں۔ جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کے لیئے لڑائی کی اور اسمیں امام کی اطاعات کی اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے پرہیز کیا تو اسکا سونا اور جاگنا سب اجر کا مستحق ہوگا۔ اور جس نے دنیا کے دکھاوے اور شہرت و ناموری کے لیے جنگ کی اور اس میں امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ ذرا برابر بھی اجر نہ پائے گا۔"

حضرت ابو موسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور بولا کہ یارسول اللہؐ قتال فی سبیل اللہ کیا ہے؟ ہم میں سے کوئی شخص جوش غضب میں لڑتا اور کوئی حمیت قومی کی بنا پر۔ آپؐ نے سر اٹھایا اور جواب دیا کہ جو شخص اللہ کا بول بالا کرنے کیلئے لڑتا ہے۔ اس کی جنگ راہ خدا میں ہے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ " نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم " نے فرمایا " جو شخص ایسے نشان کے نیچے لڑا جسکا حق و باطل ہونا معلوم نہ ہو اور تعصب سے غضب ناک ہو اور تعصب سے لوگوں کو اپنی طرف بلایا یا کسی تعصب کی مدد کی اور اسی حالت میں مارا گیا تو جاہلیت کی سی موت مرا۔"

غرض اسلام فرد اور جماعت کو چھوٹے چھوٹے محدود مقاصد کی گود سے نکال دیتا ہے اور انہیں آزاد اور زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی فضا میں لے جاتا ہے وہ فرد کی مختصر زندگی کو تنگ تانے بانے سے نکال کر اجتماعی زندگی کی بڑی فضا میں پہنچاتا ہے اور قومیت کے تنگ نظریے کی گھٹن سے انسانیت کے بلند اور جامع

نظریے تک پہنچاتا ہے۔ اس طرح وہ ان کے سروں اور آنکھوں کو زمین سے اعلیٰ تر چیزوں کی طرف اٹھاتا ہے اور ان کے اشخاص اور مصالح سے انہیں بلند کر دیتا ہے۔ وہ اعلیٰ مقاصد عام عالمی اصلاح نیکی کی اشاعت اور برائی کا قلع قمع اور ساری انسانیت کی جامع مصلحت کو بروئے کار لاتا ہے۔

اسلام میں بنیادی چیز اگرچہ امن و سلامتی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دشمن سے مقابلے کی تمنا مت کرو بلکہ اللہ سے امن و سلامتی کی دعا کرو۔" لیکن جنگ کو بھی ناگزیر قرار دیتا ہے۔ یہ جنگ امن کے خاتمے کے لئے نہیں بلکہ فتنہ و فساد کو دور کرنے، ظالم کو ظلم سے باز رکھنے اور ان کو سزا دینے کے لئے کرتا ہے۔ اسلام ایسے ظالموں اور حکمرانوں کے خلاف جنگ کرتا ہے جو زمین میں فساد پھیلانے اور لوگوں پر زیادتی کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

(اور جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو زمین میں اسکی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی کہ فساد پھیلائے کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا)

اسلام ایسے ظالموں کے خلاف نہ لڑنے والوں سے سخت سرزنش کرتا ہے جو کمزور لوگوں، عورتوں اور بچوں کی زندگی کو دبا کر رکھتے ہیں۔

(آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جسکے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر)

لیکن جنگ کے معاملے میں بھی وہ اپنا علیحدہ ہی قانون پیش کرتا ہے۔ یہاں جنگ کا مقصد حریف مقابلہ کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ صرف اسکے شر کو دفع کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام پیش کرتا ہے کہ جنگ میں صرف اتنی ہی قوت استعمال کی جائے جتنی دفعہ شر کے لئے ناگزیر ہے اور اس قوت کا استعمال وہ انہی طبقوں کے لئے کرتا ہے جو برسرپیکار ہوں یا جن سے شر کا اندیشہ ہو۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ (البقرۃ:۱۹۰)

(اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ ص وَاتَّقُوا اللّٰهَ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرہ ۱۹۴)

(جو تم پہ دست درازی کرتے تم بھی اس طرح اس پر دست درازی کرو۔ اللہ سے ڈرتے رہو جان لو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے)

اور احتیاط کے معاملے میں وہ اس حد تک جاتا ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اگر سلام میں پہل کر دے تو اس کے خلاف مومن ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو تو دوست دشمن میں تمیز کرو اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے اسے فوراً نہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں ہے)

اسلام نے پوری انسانیت کو ایک ہی نظر سے دیکھا ہے۔ وہ مذہبی، علاقائی، نسلی فرق کو روا نہیں رکھتا ہے۔ نہ ہی اس فرق کی وجہ سے مسلمانوں کو نیک رویہ اختیار کرنے سے منع کرتا ہے اور نہ ہی اس فرق کی وجہ سے انصاف میں ڈنڈی مارنے کو کہتا ہے۔

(اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ (النساء ۱۳۵)

(اے لوگوں جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تم پر یا تمہارے والدین یا تمہارے رشتہ داروں پر پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ امیر ہو یا غریب اللہ زیادہ خیر خواہ ہے۔ اپنے خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو)

امن و سلامتی کے لئے اسلام معاہدہ کو بہترین ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اسکی اس بات کی کوشش ہوتی ہے کہ مختلف النوع گروہ کسی ایک معاہدے پر متفق ہو جائیں تاکہ خواہ مخواہ کا خون خرابہ، نزاع، یا فتنہ نہ پھیلے۔ جنگ کے ماحول میں بھی اسکی حتیٰ الامکان یہ کوشش رہتی ہے کہ کس طرح خون خرابے سے بچا جا سکے۔ اگر دھوکے کا اندیشہ ہو تو بھی اللہ پر بھروسہ کر کے معاہدہ کر لیا جائے۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ

عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ٥ (النساء ۹۰)

(اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور لڑنے سے باز رہیں اور تمہاری طرف صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر دست درازی کی کوئی سبیل نہیں رکھی)

(اور اگر دشمن سلامتی کی طرف مائل ہو تو تم بھی آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ بیشک وہی سننے جاننے والا ہے اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے لیے اللہ کافی ہے)

اسلام صرف معاہدے کروا کر چھوڑ نہیں دیتا بلکہ اس سے عہد کی پابندی کرواتا ہے اور پابندی کی اس بلند ترین چوٹی تک پہنچتا ہے کہ کسی ایسی قوم کے خلاف کسی طرح کی مدد کی اجازت نہیں دیتا جس سے اسکا معاہدہ ہو۔

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ٥ (بنی اسرائیل ۳۴)

(اور عہد کی پابندی کرو بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنی ہوگی)

(اگر دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو)

ایسے گروہ یا قوم جن سے معاہدہ کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو یا جو معاہدہ کی پابندی نہ کرتی ہو ان سے صاف اور سیدھے طریقے سے معاہدہ ختم کر دینے کا حکم دیتا ہے۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ٥ (الانفال ۵۸)

(اور اگر تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو اعلانیہ اس کے آگے پھینک دو۔ بیشک اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا)

صلح و معاہدے کے معاملے میں بھی اسلام اپنے اس اصول کو پس پشت نہیں ڈالتا کہ روئے زمین پر کسی ظالم قوت سے صلح نہ کی جائے۔ یہ ظالم قوت افراد و جماعتوں پر جبر کرنے والے کسی فرد، دوسروں کا استحصال کرنے والے کسی طبقے اور قوموں کا استحصال کرنے والی کسی حکومت کی شکل میں ہو۔ قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ "گناہ اور زیادتی کے کاموں میں کسی سے تعاون مت کرو"۔
یہ وہ اصول ہیں جو اسلام نے امن کی برقراری اور اسکو قائم کرنے کے لئے اپنے پیروؤں کو دئے اپنے بین الاقوامی تعلقات اور صلح و جنگ ہر دو صورتوں میں اخلاقی عنصر کو غالب رکھا اور یہی عنصر اسکو اُسوقت بھی اور آج بھی تمام اقوام کے معاہدات اور قوانین سے ممیز کرتا ہے۔ اسکی یہی تعلیمات

مقیس کہ ایک چوتھائی صدی کے اندر اسکی بدولت عرب جیسی خونخوار قوم کے اندر احترام نفس اور امن پسندی کا ایسا مادہ پیدا ہو گیا کہ قادسیہ سے صنعا تک ایک عورت سفر کرتی اور کوئی اس کے جان و مال پر حملہ نہ کرتا تھا حالانکہ یہ وہی ملک تھا جہاں پچیس سال پہلے بڑے بڑے قافلے بے خوف نہیں گذر سکتے تھے۔

احکاماتِ امن، میدانِ عمل میں

اسلام کے یہ احکامات امن برقرار رکھنے کیلئے صرف کاغذ پر ثبت ہو کر نہیں رہ گئے۔ بلکہ عملی دنیا میں قیام امن کے لئے ممد و معاون ہیں۔ اسلام سے پہلے کی عرب کی تاریخ اور بعد کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ عرب جن کا مشغلہ قتل و غارت، لوٹ مار، قبائلی اور نسلی تعصب میں مبتلا ہو کر تباہی پھیلانا، مظلوموں کے محافظ، حقوق ادا کرنے اور دلانے والے اور انسانیت کے رکھوالے بن گئے۔ مدینہ کی دس سالہ زندگی میں اندرونی امن و امان اپنے عروج پر رہا۔ اوس و خزرج جو کہ باہم لڑتے رہتے تھے شیر و شکر ہو گئے۔ اس دس سالہ عرصے میں نبی کریمؐ تقریباً ستّو مرتبہ تیاری کر کے جہاد کے لئے نکلے جسمیں ستائیس مرتبہ نبی کریمؐ نے قیادت کی۔ اس ستائیس مرتبہ میں سے صرف پانچ یا چھ مرتبہ براہِ راست دشمن سے مقابلہ ہوا ورنہ عام طور پر دشمن فرار ہوتا رہا۔ لیکن ان میں سے کسی کا بھی نبی کریمؐ نے تعاقب نہیں کیا۔ انسانی جان کی حرمت کا اس حد تک لحاظ رکھا کہ صرف ہزار آدمی مارے گئے۔ جس میں نصف مسلمانوں کے شہید ہوئے۔

مسلمانوں نے اپنی امن پسندی اور اس سلسلے میں اپنے اصولوں کا ہر جگہ لحاظ رکھا۔ غزوہ بدر کی ایک وجہ ابنِ حجشیؓ کا کفارِ مکہ پر حملہ کرنا تھا جسمیں ایک آدمی مارا گیا اور دو قیدی بنے۔ جب وہ نبی کریمؐ کے پاس حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "میں نے تجھ کو ماہِ حرام میں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ پھر آپؐ نے قیدیوں کو رہا کیا اور جو فرد مارا گیا تھا۔ اسکا خون بہا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو خزیمہ کے پاس حضرت خالدؓ کو دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔ انہوں نے وہاں کشت و خون کیا۔ نبی کریم صلی علیہ وسلمؐ کو خبر ہوئی تو وہ کھڑے ہو گئے اور قبلہ رو دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا، "خدایا میں خالد کے فعل سے بری ہوں"۔ پھر حضرت علیؓ کو بھیجا انہوں نے ایک ایک مقتول کا خون بہا دیا یہاں تک کہ کتوں کا بھی۔

اسلام نے انسانی جان کی عظمت اور اس کی قدر کا جو درس دیا تھا۔ اسکو بروئے کار لاتے ہوئے نبی کریمؐ نے جنگِ خندق کے بعد جب مکہ میں قحط پڑا تو اہلِ مکہ کی ہر طرح مدد کی۔ اسکے رسد کے

مرکز "غابہ" پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ جسکی وجہ سے درآمد بند تھی۔ نبی کریمؐ نے اس پر بندش اٹھالی۔ امداد کے طور پر پندرہ سو اشرفیاں اور دیگر سامان خورد و نوش روانہ کیا حالانکہ کچھ عرصہ پہلے ہی غزوۂ خندق کے موقع پر اہلِ مکّہ ٹڈی دل لشکر لیکر حملہ آور ہوئے تھے۔ احکاماتِ امن کی پاسداری اور انسانیت سے انتہائی اور ناقابلِ یقین محبت کا ثبوت فتح مکّہ کے موقع پر فراہم کیا گیا جب نبی کریمؐ نے چند ایک کے علاوہ تمام کفارِ مکّہ کو امان فراہم کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو صرف ایک کلمہ پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی وجہ سے گھر سے بے گھر کر دیا تھا۔ انکے پچیسیوں ساتھیوں کو شہید کر دیا تھا۔ جنگیں کی تھیں اور جنکی وجہ سے مسلمان انتہائی مشکلات و تنگ دستی میں رہے۔ کیا موجودہ دور میں کوئی فاتح اپنے مفتوح کیساتھ ایسا برتاؤ کر سکتا ہے؟ کیا کوئی موجودہ امن کا ادارہ اپنے ارکان کو اس طرح کے احترامِ انسانیت پر مجبور کر سکتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ کیونکہ ان کی بنیاد ہی غلط تصور پر رکھی گئی ہے۔

نبی کریمؐ کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ قبائل سے معاہدات کر لیا جائے اور انہیں اپنا حلیف بنالیا جائے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم وہ حریف نہ رہیں۔ غیر جانبداری کا رویّہ اختیار کریں۔ ان معاہدات میں عام طور پر یہ شرائط ہوتی تھیں کہ "انہیں ان کے جان و مال کی امان دی جاتی ہے اور اُن کو ہر ایسے دشمن کے خلاف مدد دی جائے گی جو ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے"۔ نبی کریمؐ نے مدینہ پہنچتے ہی یہود مدینہ سے معاہدہ کیا اور اس طرح تشکیل ریاست میں اس معاہدے سے قبائلی تشدد ختم ہو گیا۔ صلح حدیبیہ بذاتِ خود مکّہ و مدینہ کی حکومتوں کو حالتِ جنگ سے نکال کر حالتِ امن میں لانے کا معاہدہ تھا۔ یہ معاہدہ دس سال کے لئے تھا جسمیں یہ شق بھی شامل تھی کہ کوئی فریق ایکدوسرے سے تعرض نہیں کرے گا اور امن سے رہے گا۔ ان تعلیمات پر عمل درآمد نبی کریمؐ کے بعد بھی جاری رہا۔ حضرت ابوبکرؓ نے شام لشکر بھیجا تو اسے نصیحت کی کہ "کسی عورت، بچے اور بوڑھے کا قتل مت کرنا۔ کوئی درخت مت کاٹنا کوئی آبادی ویران مت کرنا، تم کچھ ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے لئے وقف کر دیا سو ان کو اسی مقصد کے لئے چھوڑ دو جسکے لیے انہوں نے اپنی جانیں وقف کر رکھی تھیں"۔ اسکا مقابلہ موجودہ دور سے کیجئے کہ جو عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنا دشمن پر قابو پانے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، کھیتوں کو اجاڑنا دشمن کو پریشان کرنے کے لئے حکمت عملی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

یہی معاملہ حضرت عمرؓ کے دور میں رہا۔ سعید بن ابی وقاصؓ جو محاذ جنگ پر تھے ان کو خط لکھا "میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ لڑائی شروع کرنے سے پہلے متواتر تین روز قبل دشمن کو اسلام کی دعوت دینا۔

ان کے مسلمان ہونے کی صورت میں ہمارے اور ان کے درمیان مساوات ہے اتنی مساوات کہ ان کو غنیمت میں بھی حصّہ ملے گا۔" انہوں نے معاہدات کی پابندی کی ایسی اعلیٰ مثال قائم کی کہ موجودہ دنیا اسکا عشرِ عشیر بھی نہیں پیش کر سکتی۔

حضرت عثمان رضؓ کے دور میں عبداللہ بن سعدؓ نے "نوبیہ" والوں پر حملہ کیا، اور ایک ایسا معاہدہ کیا جو فاتح اور مفتوح کا نہیں بلکہ ایک ہی برادری کا تھا۔ انسانی برادری کا! اس معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ "تمہیں خدا اور رسول کا امان دیا جاتا ہے۔ ہم تم سے جنگ نہ کرینگے جب تم ہماری باہمی شرطوں پر قائم رہوگے اور یہ کہ تم ہمارے ملک میں آکر گذر سکوگے بس نہ سکوگے اور ہم تمہارے ملک میں آکر گذر سکیں گے مقیم نہیں ہو جائیں گے۔ وہی عبداللہ بن سعدؓ کہ جن کا گذر ایک ایسے علاقے پر ہوا جہاں آبادی تھی۔ لیکن کوئی حکومت نہیں تھی تو انہوں نے انہیں انکے حال پر چھوڑ دیا۔

یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں کہ غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے جزیہ میں کمی ہو رہی تھی تو انکے ایک گورنر نے ان کو یہ پریشانی لکھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو جواب لکھا کہ "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بن کر مبعوث کیے گئے تھے تحصیلدار بنا کر نہیں۔

انسانیت کے احترام، عہد کی پابندی اور عدل و انصاف کی الٰہی تعلیمات اور مسلمانوں کا اس پر عمل نے غیروں کے دلوں میں اسطرح گھر کیا کہ جب حضرت ابو عبیدہؓ اپنے لشکر کے ساتھ وادی اردن میں اترے تو ان علاقے کے عیسائی باشندوں نے انہیں لکھا کہ "اے مسلمانوں کی جماعت! تم ہمیں اہلِ روم سے زیادہ محبوب تر ہو۔ اگرچہ وہ ہمارے ہم مذہب ہیں لیکن تم ہمارے لئے زیادہ وعدہ وفا، شفیق تر، ہم پر ظلم وستم سے زیادہ بچنے والے اور بہتر طریقے سے حکومت کرنے والے ہو۔" حمص والوں نے ہرقل کے لشکروں کے سامنے اپنے شہر کے دروازے بند کر لیے اور مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ "ان کا اقتدار اور عدل و انصاف یونانی عیسائیوں کے ظلم وستم اور جبر کے مقابلے میں انہیں زیادہ پسند ہے۔" مسلمانوں کے اس کردار کا ایک ولندیزی مورخ "دخوبے" نے ان الفاظ میں اقرار کیا ہے کہ "شام میں لوگ عربوں کی جانب بہت جلد مائل ہو گئے اور ایسا ہونا ہی چاہیئے تھا کیونکہ عربوں نے مفتوحوں سے جو برتاؤ کیا تھا اگر وہاں کے سابق مالکوں سے کہا جائے تو بہت ہی فرق معلوم ہوتا ہے جو عیسائی فیصلہ کا نسی ڈوت کو نہیں مانتے ان کے ناک، کان، قیصر ہرقل کے حکم سے کاٹے گئے اور ان کے گھر ڈھا دیئے گئے۔ اسکے برعکس عرب جو حضرت ابو بکرؓ کی ہدایتوں پر عمل کرتے تھے مقامی باشندوں کا دل موہ لینے کی کوشش کرنے لگے اور سب سے زیادہ اپنی بات کا پاس کرتے رہے....."

امن کی ان تعلیمات پر عمل کرنے والوں کو..... جنکی گواہی دوسروں نے بھی دی..... احساس تھا کہ وہ کسی خاص قوم کے خدمت گذار یا کسی خاص نسل و وطن کے نمائندے نہیں ہیں کہ جنکے پیش نظر محض اسکی خوشحالی اور ترقی ہو، اور جو اُسکی برتری اور تمام اقوام پر اسکی سیادت کے قائل ہوں اور یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ انکی قوم تنہا حکومت کرنے کیلئے اور تمام قومیں اسکی محکوم بننے کیلئے پیدا کی گئی ہیں - وہ عرب سے اس لیے نہیں نکلے تھے کہ دنیا میں عربی شہنشاہی کی بنیاد ڈالیں نہ اسلئے کہ لوگوں کو رومیوں اور ایرانیوں کی غلامی سے نکال کر عربوں کی اپنی غلامی میں داخل کر دیں۔ وہ صرف اس لیے نکلے تھے کہ وہ بندگانِ خدا کو اپنے جیسے تمام بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی بندگی میں داخل کریں تاکہ دنیا میں امن و امان قائم ہو۔ ظلم، استحصال، جبر، انتشار، انارکی ختم ہو۔

اختتام

قیام امن کے سلسلے میں یہ دو نقطۂ نظر، دو اداروں، دو نظریات کی کوششیں تھیں ایک نے تیئس ۲۳ سال تک اسکے لیے احکامات دیئے اور تربیت کی اور اس کے اثرات سات سو سال تک محسوس کیے جاتے رہے۔ دوسرا نقطۂ نظر تقریباً پینسٹھ ۶۵ سال سے کوشش کر رہا ہے۔ اسکا ایک حصہ (مجلس اقوام) تقریباً ۲۶ سال بعد ناکام ہو کر ختم ہو گیا۔ دوسرا (اقوام متحدہ) اپنے چھوٹے موٹے حواریوں کے ساتھ امن کی نازک گڑیا کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن ابتک قابو نہیں پا سکا۔ امن کے قیام کے سلسلے میں ان دونوں نقطۂ نظر کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ......

اسلام نے اپنے تصوّرِ امن کو عقیدہ توحید، عقیدہ آخرت اور وحدت الںسانیت کے شکنجے میں جکڑ رکھا ہے جبکہ موجودہ اداروں نے صرف وحدتِ انسانیت کے۔ نتیجتاً اسلام میں فرد سے لے کر قوم تک میں جوابدہی کا احساس موجود رہا جس نے اسے امن کو تباہ کرنے سے روکے رکھا۔

اسلام نے عدل و انصاف کے معاملے میں امیر و غریب اور کمزور و طاقتور اور اپنے پرائے کا کوئی لحاظ نہیں رکھا۔ جبکہ موجودہ عالمی اداروں نے کمزور و طاقت کے الگ الگ اصول بنا رکھے ہیں۔ "ویٹو پاور" کے استعمال نے بڑی طاقتوں اور ان کے حواریوں کو ظلم وستم اور امن کو تباہ و برباد کرنے کی پوری آزادی بہم پہنچائی ہوئی ہے۔

اسلام نے معیارِ فضیلت نہ ہی قوم کو بنایا نہ ہی نسل کو جبکہ موجودہ حکومتوں نے معیارِ فضیلت اپنی قوم و نسل کو بنایا اور اس نسلی برتری کا نتیجہ دوسری جنگ عظیم کی صورت میں نکلا۔

اسلام نے اپنے چاہنے والوں سے دولت و دنیا کی محبت اور یہاں کی رنگینی کو اسکی بے ثباتی اور آخرت کی بے پایاں زندگی سے دور کیا جبکہ موجودہ ادارے اس دولت کے حصول کی کوششیں اور

اسکی دوڑ کو ختم کرنے کے لیے کوئی پالیسی نہ بنا سکے۔ دولت کی اس طلب نے اسلحہ کی دوڑ شروع کروائی۔ اس کے لئے منڈیاں تلاش کروائیں۔ زیادہ سے زیادہ منڈیوں کے حصول نے پہلی جنگ عظیم کا گہرا داغ لگایا اور اب یہی دوڑ دنیا کو تیسری جنگ عظیم کی طرف بھگائے لے جا رہی ہے۔

اس حالت سے کسطرح نکلا جائے بقول مسٹر گبؔ۔ اسلام کے اندر ہمیشہ مختلف اجناس و طبقات کو جوڑنے اور ان سب پر چھا جانے کی پوری طاقت رہی ہے۔ جب بھی مشرق و مغرب کی عظیم سلطنتوں کے تصادم اور اختلاف کا موضوع زیر بحث ہو اختلاف ختم کرنے کیلئے اسلام کی طرف متوجہ ہونا ناگزیر ہوگا۔

اب دیکھنا ہے کہ کب بین الاقوامی ادارے اسلام کے ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر دنیا کو امن و آشتی سے منور کرتے ہیں۔

امن کی نحیف و کمزور فاختہ بھی بیچاری منہ میں زیتون کی شاخ .... جسکی پتیاں جھڑ چکی ہیں ...... دبائے سوچ رہی ہے کہ آیا کبھی اس پر بھی ہریالی آئے گی یا ایک دھماکہ ہوگا اور اسکا نحیف و کمزور وجود بھی ملیامیٹ ہو جائے گا۔

پی سی پی پی آئی - ۲۲۲۲ (۸۷) مذہبی امور / ۰۰۰ را

...سال سے ... میں شریک
...مدارس کے طلبا و طالبات کے

...مضامین